عشقِ نبوی ﷺ
کے
ایمان افروز واقعات
تالیف:
حافظ مومن خان عثمانی
فاضل مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ
خطیب مرکزی جامع مسجد فاروقِ اعظم کٹھائی، مانسہرہ
المیزان

عشقِ نبوی ﷺ

کے

ایمان افروز واقعات

تالیف:

حافظ مومن خان عثمانی

فاضل مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

خطیب مرکزی جامع مسجد فاروقِ اعظم کھانی، مانسہرہ

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلہ مطبوعات - ۲۶۴

سن اشاعت ۲۰۰۶ء
محمد شاہد عادل نے

حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اُردو بازار لاہور سے شائع کی۔

فہرس

انتساب

سید ابن آدم...... امام الانبیاء...... فخر الرسل...... ھادی برحق..... شافع محشر...... ساقی کوثر...... محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام پروانوں کے نام جنہوں نے ناموسِ رسالت کے لئے وقت کے دجالوں کا مقابلہ کرتے ھوئے شہادت کا عظیم مرتبہ پایا۔

اِک عشق مصطفیؐ ہے اگر ہو سکے نصیب
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم. اما بعد!

کائناتِ رنگ و بو میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں قسم کی مخلوقات کو وجود بخشا ہے۔ ہر مخلوق کو کچھ خصوصیات بھی عطا فرمائی ہیں۔ پھر جو خصوصیات افضل الخلائق حضرت انسان کو عطا فرمائی ہیں، وہ دوسری مخلوقات میں نابود ہیں اور جو شرف وفضیلت انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی، اس کی مثال دوسرے انسانوں میں نہیں پائی جاتی اور جو مرتبہ وفضیلت .... عظمت و مرتبت امام الانبیاء، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمائی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؐ محبوب کائنات بھی ہیں .... اور محبوب ربّ کائنات بھی .... آپ کی محبت، دین حق کی اساس اور بنیاد ہے۔

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

آنحضرتؐ کے ساتھ عقیدت ومحبت واجب اور ضروری ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے صراحتاً ارشاد فرمایا ہے:

قل ان کان ابائکم وابنائکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال قترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومسکن ترضونھا احب

الیکم من اللّٰہ ورسولہٖ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہٖ واللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین.

''اے پیغمبرؐ! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت جس کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور تمہاری وہ چلتی ہوئی تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (پس دنیا کی محبوب و مرغوب چیزیں) اللہ...... اللہ کے رسول...... اور اللہ کے دین کی راہ کی جدوجہد سے زیادہ تمہیں محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے اور یاد رکھو اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہ آیت اس باب میں دلیل ہے کہ آپؐ کی محبت ضروری اور لازمی ہے اور جس شخص کو ان مذکورہ آٹھ اشیاء میں سے کوئی چیز بھی اللہ ے رسولؐ سے زیادہ پیاری ہو اس پر **فتربصو حتی یاتی اللّٰہ بامرہٖ** کی وارننگ دی گئی ہے کہ وہ امر الٰہی کا منتظر رہے اور ایسے شخص پر فسق کا دفعہ لگایا ہے اور اس کو فاسق قرار دیا ہے اور ایسا گم کردہ راہ بتلایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں فرماتے۔ آنحضرتؐ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپؐ کو اپنی جان سے بھی پیارا سمجھا جائے۔ جیسے حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے عرض کیا:

''آپؐ مجھے تمام چیزوں سے زیادہ پیارے ہیں مگر میری جان جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔''

اس پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں۔''

النبی اولی بالمومنین من انفسھم.

''مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اس سے زیادہ اس کی جان پر نبی کا حق ہے۔''

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار. (بخاری ومسلم)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔ایک یہ کہ اللہ ورسول کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لئے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔''

دوسری حدیث میں اس کی وضاحت کچھ یوں بیان فرمائی گئی ہے:

عن انسؓ قال قال رسول اللہ لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہٖ والناس اجمعین.

''حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔''

آپؐ کی محبت کے مقتضیات میں سے آپؐ کی اتباع......آپؐ کی سنتوں کو......آپؐ کی خلوت وجلوت کی اداؤں کو اپنانا......آپؐ کے لائے ہوئے دین کو اپنے

لئے مشعل راہ بنانا...... آپؐ کے ایک ایک فرمان کو اپنی زندگی کے معمولات میں زندہ کرنا بھی ہے۔ ورنہ وہ محبت، محبت نہیں رہے گی، ایک مذاق بن جائے گا۔

تعص الرسول وانت تظهر حبه
وھٰذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعته
فان المحب لمن یحب مطیع

''محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کرنے کے بعد تم رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم! یہ تو بڑی انوکھی بات ہے۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محبّ اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔''

زبان سے اظہارِ محبت اور عمل...... سنت رسولؐ کے خلاف۔ عجیب معاملہ ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو، تُو رسول اللہ کی اطاعت کرتا کیونکہ...... محبت کرنے والا...... محبوب کی اداؤں پر مرمٹتا ہے۔ عاشق کو معشوق کی اداؤں سے زیادہ محبوب دنیا میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ کے ساتھ سچی محبت کرنے والے آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرنے والے ہیں جو بغیر شور وشرابے کے اس جادۂ مستقیم پر گامزن ہیں۔

محبت جن کی صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں
لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

آپؐ کے ساتھ حقیقی عشق کرنے والے آپؐ کی سنتوں کو اپنانے والے ہیں اور آپؐ کے جسم سے نکلنے والے اعمال میں دلی تسکین پانے والے ہیں۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذالجدار و ذالجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حبَ من سکن الدیار

''لیلیٰ کے کوچے سے بار بار گزرتا ہوں اور اس کی دیواروں اور دہلیزوں کو چومتا ہوں۔ میرے دل کی بے قراری کا یہی تقاضا ہے لیکن یہ بات نہیں کہ مجھے اس کوچہ سے محبت ہے بلکہ میں تو اس کوچہ میں رہنے والوں پر مرتا ہوں۔''

جب میں لیلیٰ کی بستی میں سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ مجھے گھروں کی محبت نے دیوانہ نہیں کیا، دراصل ان مکانوں کے اندر رہنے والوں نے میرے دل کو فریفتہ کیا ہے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسولؐ کو بھی راضی کرنا ضروری ہے اور ایمان کی شرط ہے۔

واللہ ورسولہٗ احق ان یرضوہ ان کانو مؤمنین. (توبہ)

''اللہ کو اور اس کے رسول کو راضی کرنا ان کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔''

شرطِ ایماں مصطفیٰ سے والہانہ پیار ہے
پیار لیکن پیروی ہے پیروی دشوار ہے

آپؐ کے تمام اعمال کو صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیوں میں محفوظ کیا اور پھر اگلی نسلوں تک غیر معمولی اہتمام...... شغف اور پوری امانت کے ساتھ منتقل کیا۔ آج وہ ذخیرہ مکمل دیانت کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے عشاقِ رسولؐ کے ایمان افروز واقعات کو جمع کر کے آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ کتاب آخری مراحل میں تھی کہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو قیامت خیز زلزلے کی بھونچال نے زمین کے ساتھ دل و دماغ کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ ۱۸ اکتوبر کی صبح پل بھر میں ہنستی مسکراتی بستیاں اجڑ گئیں...... آباد شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے...... جیتے جاگتے انسان لاشوں کے ڈھیر بن گئے۔ ہر طرف موت کا رقص دکھائی دیا...... ہر آنکھ اشکبار ہوئی...... ہر دل لرز گیا۔ غم، نوحہ، آہوں اور سسکیوں سے فضا گونج اٹھی۔ بے بسی اور بے چارگی چاروں طرف نظر آنے لگی۔ پورا ملک ماتم کدہ بن گیا۔ مظفر آباد او بالاکوٹ کی طرح کٹھائی گاؤں بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ برسوں کی محنتیں ایک گھڑی میں تباہ و برباد ہو گئیں۔ تباہی کے یہ مناظر دیکھ کر ہر دل خون کے آنسو روتا رہا۔

وہ شہر جو بھرا تھا زندگی کے ساز سے
اب کرب تھا، لہو تھا اور موجود تھا فغاں

اس عظیم الشان تباہی اور بڑی بڑی مضبوط بلڈنگوں کی بربادی، ہزاروں انسانوں کی بے بسی کی موت بھی بہت سے غافلوں کو بیدار نہ کر سکی بلکہ بہت سے سنگ دل...... انسان نما بھیڑیئے کھنڈرات میں تبدیل شدہ مکانوں میں لوٹ مار کرتے رہے۔ مردہ لاشوں کے ہاتھوں سے زیورات اور تباہ شدہ مکانوں سے مال و اسباب نکال کر اپنی ہوس کی آگ بجھاتے رہے۔

بانہوں کو چوڑیوں کے لئے کاٹتے رہے
اور دیکھتا رہا انہیں یہ بوڑھا آسماں
یاروں کے درمیان وہ کہتے ہیں برملا
یہ تو اِک کاروبار تھا، موقع تھا میری جاں

چاہئے تو یہ تھا کہ اس عظیم الشان امتحان کے بعد قوم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتی اور آنحضرتؐ کے اسوۂ احسنہ کو اپنا لیتی مگر:۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اللہ تعالیٰ کی بجائے مخلوق کی طرف سب نے اپنا رخ موڑ لیا۔ حکمرانوں سے لے کر عوام تک، ہر ایک امدادی سامان کے لئے شیر نر کی طرح میدان میں کود پڑا۔ اس غفلت اور سنگ دلی کا نتیجہ ہے کہ ساڑھے تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی زمین مسلسل کانپ رہی ہے۔ زلزلوں کے اس تسلسل نے بھی ہم جیسے پتھر دلوں کو اپنے خالق حقیقی کی طرف متوجہ نہ کیا۔ پتہ نہیں آگے کب تک زلزلوں کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں کیا حالات پیش آتے ہیں۔ دنیائے کفر اور ان کے تمام ایجنٹ اپنے تمام وسائل اور اسباب کے ساتھ ان متاثرہ علاقوں میں مسلمانوں کے ایمان وعقائد پر ڈاکہ ڈالنے، اسلام کی قیمتی متاع کو لوٹنے کیلئے دن ورات کوشاں ہیں۔ امداد کی آڑ میں ملک وملت کی تباہی کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ بے حیائی کو عام کرنے مخلوط نظام زندگی کو راج دینے، مرد وزن کی تفریق کو مٹانے کے لئے ہزاروں قسم کی سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں برسر پیکار ہیں۔ عوام نے بھی تمام تر توجہ انہیں چیزوں کی طرف کی ہوئی ہے۔ حالات بالکل اسی طرف جا رہے ہیں جس کا نقشہ الطاف حسین حالی نے سو سال پہلے کھینچا تھا۔

اے خاصہ خاصان رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
دولت ہے، نہ عزت، نہ فضیلت، نہ ہنر ہے
اِک دین ہے باقی سو وہ ہے برگ و نوا ہے
عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو
اس قوم کا ایک ایک گھر اب بزم عزا ہے
کھوج اس کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا
گم دشت میں اِک قافلۂ بے طبل و درا ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ حکم قضا ہے
جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلہ ہے
کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہماری نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

اتنی بڑی تباہی و بربادی اور وسیع پیمانے پر اموات کی کثرت کو دیکھ کر بھی کسی کے دل میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا نہیں ہوئی۔ جس اللہ نے یہ تمام پہاڑ ہلائے، آبادی کی جگہ بربادی پھیلا دی، زندگی کی جگہ موت بکھیر دی، سکون کی بجائے بے چینی کو عام کیا، آبادی کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کیا۔ اونچی اونچی بلڈنگوں کو چکنا چور کر دیا، ہنستے بستے شہروں

کو اجاڑ کر رکھ دیا، بڑی بڑی بلڈنگوں سے نکال کر سب کو خیموں میں بسنے پر مجبور کیا۔ اس مالک الملک کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوا۔

۱۸ اکتوبر کے اس روح فرسا منظر نے قلم وقرطاس سے رشتہ کاٹ دیا تھا۔ آج ۱۶ جنوری ۲۰۰۶ء کو دوبارہ اس طرف متوجہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے عشق ومحبت سے لبریز واقعات کو جمع کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ کیونکہ آپؐ کی محبت ہی دنیا کی عزت وکامرانی اور آخرت کی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ آپؐ کی محبت جس کو نصیب ہوئی، وہ دنیا کی فانی محبتوں سے نجات پا گیا۔ آنحضرتؐ کی پیروی، آپؐ کی تابعداری، آپؐ کی سنتوں کو زندگی کا معمول بنانا، آپؐ کی اداؤں پر مرمٹنا ہی آپؐ کی محبت کی علامت ہے۔ یہی چیز آدمی کو آپؐ کی شفاعت اور حوض کوثر کا مستحق بناتی ہے۔

اگرچہ میں ایک گنہگار، سیاہ کار، بدکار، بدکردار، بدافعال، گناہوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں لیکن کریم آقا کی شانِ کریمی سے قوی امید ہے کہ اپنے غلام کو روزِ محشر شفاعت کی عظیم نعمت اور حوض کوثر کی عظیم دولت سے محروم نہیں کریں گے۔ یہ حقیر ساہدیہ شانِ رسالتؐ میں پیش کر کے

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
ولکن مدحت مقالتی بمحمد

''میں نے اپنے کلام سے آنحضرتؐ کی مدح کب کی ہے البتہ اپنے کلام میں آنحضرتؐ کا ذکر لا کر اس کو قابل عزت وتعریف بنالیا ہے۔''

کے مصداق اس کاوش کو آنحضرت فداہ ابی وامی ﷺ کے نام گرامی سے عزت وتوقیر بخشتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کو اس مادیت وظاہر پرستی کے دور میں آنحضرتؐ کی حقیقی محبت نصیب ہو جائے اور عالم اسلام کے تمام مسلمان آنحضرتؐ

کی پیروی کو اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کی تعبداری کو اپنی کامیابی و کامرانی کا زینہ سمجھ کر آپؐ کی اداؤں پر مرمٹنا سیکھیں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

وہ تہی دامن ہوں جس کے پاس کچھ سامان نہیں
جانتا ہوں سنگریزے نذر کے شایان نہیں
اپنی رحمت پر نظر کر، میری لاچار نہ دیکھ
اس فقیر بے سروساماں کی ناداری نہ دیکھ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّۃٍ۔

حافظ مؤمن خان عثمانی

خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظم کٹھائی

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۶ جنوری ۲۰۰۶ء۔۔۔۔۔۔۱۵ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

Ph#: 0997-321148/321460

Mob #: 0301-8137073

مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

اس نام کی عظمت پہ میں سو جان سے قربان
وہ نام کہ جو شامل تکبیر و اذاں ہے
اے صلّ علیٰ! یہ میری دنیائے تصور
طیبہ کی طرف قافلہ شوق رواں ہے
واعظ سے کہو ذکر محمد ہی کئے جائے
یہ تو میرا ایمان ہے یہ تو میری جان ہے

نعت

نگاہ تمنا جھکی جا رہی ہے نہ جانے یہ کیسا مقام آ رہا ہے

دھڑکنے لگا کیوں دل مضطرب اب محمدؐ کا ہونٹوں پہ نام آ رہا ہے

یہ میدان محشر تماشا تو دیکھو یہ کون آج مست خرام آ رہا ہے

فرشتے نگاہیں بچھانے لگے ہیں تمام انبیاء کا امام آ رہا ہے

شہادت ہوئی جب بلال حزیں کی چلی روح تن سے یہ جنت کو کہنے

تمہارے مبارک قدم چومنے کو محمدؐ تمہارا غلام آ رہا ہے

دم نزع حافظ کوئی کہہ رہا ہے بلاتے چل تجھ کو طیبہ میں آقا

مقدر تو دیکھو نبی کی طرف سے جواب وسلام و پیام آ رہا ہے

ان زخموں پر مرہم مرہم ﷺ

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم ﷺ
تیرے ثنا خواں عالم عالم ﷺ
ہم ہیں تیرے نام کے لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم ﷺ
تیری رسالت عالم عالم، تیری نبوت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم ﷺ
دیکھ تیری امت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم ﷺ
دیکھ صدف سے موتی ٹپکے، دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب آنکھیں پرنم پرنم ﷺ
قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ نوحہ ماتم ماتم ﷺ
اے آقا! اے سب کے آقا! ارض و سما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پر مرہم مرہم ﷺ

شورش کاشمیری

آپؐ کے بغیر جنت میں کیسے دل لگے گا؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے آپؐ سے اپنی جان سے اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت ہے۔ میں بعض دفعہ گھر میں ہوتا ہوں، آپؐ مجھے یاد آ جاتے ہیں تو پھر جب تک حاضر خدمت ہو کر آپؐ کی زیارت نہ کرلوں، مجھے چین نہیں آتا۔ اب مجھے یہ خیال آیا ہے کہ میرا بھی انتقال ہو جائے گا، آپؐ بھی دنیا سے تشریف لے جائیں گے اور آپؐ تو نبیوں کے ساتھ سب سے اوپر کی جنت میں چلے جائیں گے اور میں نیچے کی جنت میں رہ جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہاں آپؐ کی زیارت نہ کر سکوں گا (تو پھر میرا جنت میں کیسے دل لگے گا)

ابھی حضور ﷺ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا تھا کہ اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے:

ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین. (سورہ نساء آیت ۶۹)

''اور جو شخص اللہ و رسولؐ کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء۔'' (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۰۸)

آپؐ کے بغیر دل بے چین رہتا ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ

ﷺ! مجھے آپ سے اتنی زیادہ محبت ہے کہ جب آپؐ مجھے یاد آ جاتے تو اگر میں آ کر آپؐ کی زیارت نہ کرلوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میری جان نکل جائے گی۔ اب مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں جنت میں گیا بھی تو مجھے آپؐ سے نیچے کی جنت ملے گی (اور میں وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا) تو مجھے جنت میں بڑی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں جنت کے درجہ میں آپؐ کے ساتھ ہو جاؤں (تاکہ جب دل چاہے آپؐ کی زیارت کرلیا کروں)۔ حضور ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین.

پھر حضور ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۹۹)

عشق حقیقی

بخاری اور مسلم میں یہ حدیث ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک آدمی نے آ کر حضورِ اقدس ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا، تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اور تو کچھ نہیں، بس یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں یہاں محبت ہوگی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہوگی، اس سے ہمیں جتنی خوشی ہوئی، اتنی خوشی اور کسی چیز سے نہیں ہوئی اور مجھے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے اور چونکہ مجھے ان حضرات سے محبت ہے۔ اس وجہ سے مجھے پوری امید ہے کہ میں ان ہی حضرات کے ساتھ ہوں گا۔

بخاریؒ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک دیہاتی آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب قائم ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا، تیرا بھلا ہو، تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اور تو کچھ نہیں تیار کر رکھا ہے، بس اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، تمہیں جس سے محبت ہوگی، تم اسی کے ساتھ ہو گے۔ حضرت انسؓ نے پوچھا، یہ بشارت ہمارے لئے بھی ہے (یا صرف اس دیہاتی کے لئے) حضورؐ نے فرمایا، ہاں تمہارے لئے بھی ہے۔ اس پر اس دن ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوئی۔

ترمذی کی روایت میں اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے صحابہؓ کو اس سے زیادہ کسی اور چیز سے خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک آدمی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! ایک آدمی دوسرے سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ وہ نیک عمل کرتا ہے لیکن یہ خود وہ نیک عمل نہیں کرتا (تو کیا یہ بھی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوگا؟) حضورؐ نے فرمایا، آدمی جس سے محبت کرے گا، اسی کے ساتھ ہوگا۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۰۹)

جس سے محبت کرو گے

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرسکتا (کیا یہ بھی ان کے ساتھ ہوگا؟) حضورؐ نے فرمایا، اے ابوذر!

تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرو گے۔ میں نے کہا، مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم جس سے محبت کرو گے، اسی کے ساتھ ہو گے۔ میں نے اپنا جملہ پھر دہرایا تو حضورؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۰)

صدیق اکبرؓ کی تمنا

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ اپنے والد حضرت ابوقحافہؓ کو فتح مکہ کے دن ہاتھ پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے کر آئے کیونکہ وہ بوڑھے بھی تھے اور نابینا بھی۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، ارے تم نے ان بڑے میاں کو گھر ہی کیوں نہ رہنے دیا، ہم ان کے پاس چلے جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو (خود چل کر حاضر خدمت ہونے کا) اجر عطا فرمائے۔ مجھے اپنے والد کے اسلام لانے سے جتنی خوشی ہو رہی ہے (آپؐ کے چچا) ابوطالب کے اسلام لانے سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی کیونکہ اس سے آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا میری زندگی کا مقصود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو (تمہارے دل میں یہی بات ہے)

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۶)

سب سے بڑا غمگین کون؟

حضرت عبدالرحمان بن سعید بن یربوعؓ فرماتے ہیں:

ایک دن حضرت علی بن ابی طالبؓ آئے انہوں نے سر پر کپڑا ڈالا ہوا تھا اور بہت غمگین تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کیا بات؟ بڑے غمگین نظر آ رہے ہو۔ حضرت علیؓ نے کہا مجھے وہ زبردست غم پیش آیا ہے جو آپ کو نہیں آیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے

فرمایا کیا کہہ رہے ہیں! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہارے خیال میں کوئی آدمی ایسا ہے جسے مجھ سے زیادہ حضور ﷺ کا غم ہوا ہو؟ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۱)

حضرت ابوبکرؓ کا جذبہ حُبّ رسولؐ

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ حجر اسود کے پاس کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہے تم تو ایک پتھر ہو، نہ نقصان دے سکتے ہو اور نہ نفع اور پھر حضورؐ نے اس کا بوسہ لیا۔ پھر (حضورؐ کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے حج کیا اور حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا، مجھے یہ معلوم ہے کہ تم تو ایک پتھر ہو نہ نقصان دے سکتے ہو اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور ﷺ کو تمہارا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہارا بوسہ نہ لیتا۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۷)

مرا نصیب ہوئیں تلخیاں زمانے کی

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا، وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے، اخفاء کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی مقدار انتالیس تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اول انکار فرمایا مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اصرار پر قبول فرما لیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد کعبہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضورِ اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اسی دن اسلام

لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مسلم تھی، اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا، ناک کان سب لہولہان ہو گئے تھے، پہچانے نہ جاتے تھے۔ جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا، سب ہی کچھ کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بے ہوش ہو گئے۔ بنو تمیم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی، وہ وہاں سے اٹھا کر لائے۔ کسی کو بھی اس میں تردّد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وحشیانہ حملہ سے زندہ بچ سکیں گے۔

بنو تمیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اگر اس حادثہ سے وفات ہو گئی تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے۔ عتبہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا۔ شام تک حضرت ابوبکرؓ کو بے ہوشی رہی۔ باوجود آوازیں دینے کے، بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضورِ اقدس ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ ان ہی کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضورؐ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لے۔

لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپؓ کی والدہ اُمّ خیرؓ سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کر دیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا مگر حضرت ابوبکرؓ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ حضورؐ پر کیا گزری؟ ان کی والدہ نے فرمایا، مجھے تو خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ اُمّ جمیلؓ (حضرت عمرؓ) کی بہن کے

پاس جا کر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے؟ وہ بے چاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُمِّ جمیلؓ کے پاس گئیں اور محمد ﷺ کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ فرمانے لگیں، میں کیا جانوں کون محمد (ﷺ) اور کون ابوبکرؓ، تیرے بیٹے کی حالت سنکر رنج ہوا اگر تو کہے تو میں چل اس کی حالت دیکھوں۔ اُمِّ خیر نے قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کرسکیں، بے تحاشا رونا شروع کردیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کیۓ کی سزا دے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پھر پوچھا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے؟ اُمِّ جمیلؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو تو اُمِّ جمیلؓ نے خیریت سنائی اور عرض کیا، بالکل صحیح سالم ہیں۔ آپؓ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا جب تک حضورؐ کی زیارت نہ کرلوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا۔ اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمدورفت بند ہو جائے، مبادا کوئی دیکھ لے اور کوئی اذیت پہنچ جائے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گزر گیا تو حضرت ابوبکرؓ کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں ارقمؓ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضورؐ سے لپٹ گئے۔ حضورِ اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں، آپؐ ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اوّل دعا فرمائی، اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی،

وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ (فضائل اعمال ۱۸۱)

مرا نصیب ہوئیں تلخیاں زمانے کی
کسی نے خوب سزا دی ہے دل لگانے کی

صدیق کے لئے ہے خدا تعالیٰ کا رسولؐ بس

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

نبی علیہ السلام نے ہمیں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے سوچا، آج میں ابو بکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے آدھا مال صدقہ کیا۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا، اہل خانہ کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا، مثلہ (اس کے برابر)۔ اتنے میں ابو بکرؓ بھی اپنا مال لے کر آئے۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا:

ما ابقيت لاهلک قال ابقيت لهم الله ورسوله.

''اہل خانہ کے لئے کیا چھوڑا؟'' عرض کیا، ''اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ کر آیا ہوں۔''

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا:

لا اسابقک فی شئی ابداً

''میں تمہارے ساتھ کسی چیز میں مقابلہ نہ کروں گا۔''

علامہ اقبال نے اس واقعے کو عجیب انداز میں پیش کیا ہے۔

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس کا چشم جہاں میں ہو اعتبار

بولے حضورؐ چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۸)

کمالِ ادب

حضرت ابوبکرؓ ایک مرتبہ اپنے گھر میں رو رو کر دعا مانگ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو تو اہل خانہ نے پوچھا کہ کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ:

میرے پاس کچھ مال ہے جو میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں مگر دینے والے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ میں اپنے آقاؐ کی اتنی بے ادبی نہیں کرنا چاہتا، اس لئے رَبّ کائنات سے رورور کر دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ! میرے محبوبؐ کے دل میں یہ بات ڈال دے کہ وہ ابوبکرؓ کے مال کو اپنا مال سمجھ کر خرچ کریں، چنانچہ دعا قبول ہوئی۔

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ نبی علیہ السلام ابوبکرؓ کے مال کو اپنے مال کی طرح خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان من امن الناس علی فی صحبته وماله ابوبکرؓ.

''بے شک لوگوں میں سب سے بڑا محسن خدمت اور مال کے اعتبار سے

ابوبکرؓ ہے۔" (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۷)

از محبت تلخہا شیریں شود

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ابوبکرؓ کو پھٹے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا۔ ابوبکرؓ! تم پر ایک وقت خوشحالی کا تھا، اب تمہیں دین کی وجہ سے کتنی مشقتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ ابوبکرؓ تڑپ کر بولے:

اما لو عشت عمر الدنيا واعذب به جميعا اشد العذاب لا يفرجني فرج الملح.

اگر ساری زندگی اسی مشقت میں گزار دوں اور شدید عذاب میں مبتلا رہوں حتیٰ کہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی نہ لگے۔ اے محبوبؐ! آپؐ کی معیت کے بدلے یہ کچھ برداشت کرنا میرے لئے آسان ہے۔ (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۷)

عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

حضرت ابوبکر صدیقؓ عشق رسولؐ میں اتنا کمال حاصل کر چکے تھے کہ:

اب ان کو اپنے محبوبؐ کی شان میں ذرا سی گستاخی بھی برداشت نہ تھی۔ چنانچہ ایمان لانے سے پہلے ایک مرتبہ ان کے والد نے نبی علیہ السلام کی شان میں کوئی نازیبا بات کر دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۹)

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات

ایک مرتبہ ابوجہل نے نبی علیہ السلام کی شان میں کوئی گستاخی کی تو ابوبکرؓ شیر کی

طرح اس پر جھپٹے اور فرمایا:

''تو دفع ہو جا اور جا کر لات و منات کی شرمگاہ کو چاٹ۔''

یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ عشق اچھے برے انجام کا نہیں سوچتا۔

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۹)

عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق

جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمالیا تو اطرافِ مدینہ کے بعض قبائل دین اسلام سے پھر گئے، سیاسی حالات نے سنگینی اختیار کر لی۔ اکثر صحابہؓ کی رائے تھی کہ لشکر اسلام کو واپس بلا لیا جائے جس کو نبی علیہ السلام قیصر روم کے مقابلے کے لئے روانہ کر چکے تھے لیکن ابو بکرؓ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ابو بکرؓ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس لشکر کو واپس کرے جس کو اللہ کے محبوبؐ نے آگے بھیجا ہے۔ میں اس لشکر کو واپس ہرگز نہیں بلاؤں گا اگرچہ مجھے یقین ہو کہ کتے میری ٹانگیں کھینچ کر لے جائیں گے۔''

عشق کا فیصلہ عقل سے متصادم تھا لیکن دنیا نے دیکھا کہ خیر اسی میں تھی۔ سازشیں خود بخود ختم ہو گئیں، دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے، سیاسی حالات کا رخ بدل گیا۔ عشق ایک مرتبہ پھر جیت گیا۔ (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۹)

عشق اوّل عشق آخر

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پیشتر سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی علیہ السلام کی فات کس دن ہوئی اور کتنے کپڑوں میں دفن کیا گیا؟ مقصد یہ تھا کہ مجھے بھی یومِ

وفات اور کفن دفن میں نبی علیہ السلام کی موافقت نصیب ہو۔ زندگی میں تو مشابہت تھی ہی سہی، فوت ہونے میں بھی مشابہت مطلوب تھی۔

اللہ اللہ یہ شوق انتہا ہے آخر
تھے جو صدیق اکبرؓ بلکہ عاشق اکبر

حضرت ابوبکرؓ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو روضہ اقدس کے دروازے پر لے جا کر رکھ دینا، اگر دروازہ کھل جائے تو وہاں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب آپؓ کا جنازہ دروازہ پر رکھا گیا تو:

انشق القفل و انفتح الباب.

''تالہ کھل گیا اور دروازہ بھی کھل گیا۔''

اور ایک آواز صحابہؓ نے سنی۔ کہا:

ادخلو الحبیب الی الحبیب.

''ایک دوست کو دوسرے دوست کی طرف لے آؤ۔''

جان ہی دے دی جگر نے آپ پائے پار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۱۹)

آنحضرتؐ کی وفات پر حضرت عمرؓ کی حالت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

جب حضور ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کے حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے اس وقت حضرت عمرؓ مسجد میں لوگوں میں بیان کررہے تھے حضرتؓ نے اللہ کی حمد وثناء اور کلمہ شہادت کے بعد فرمایا:

امابعد! تم میں سے جو آدمی حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہیں گے ان کو موت نہیں آسکتی اور اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

ومامحمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم . (سورۃ آل عمران ۱۴۴)

''اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں آپؐ سے پہلے اور بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہی جاویں تو لوگ الٹے پھر جاؤ گے۔''

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا لوگ حضرت ابوبکرؓ کی تلاوت سے پہلے اس آیت کو جانتے ہی نہیں تھے کہ یہ بھی اتری ہے۔ تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس آیت کو ایک دم لیا اور ہر آدمی اسے پڑھنے لگا اور حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اللہ کی قسم! جوں ہی میں نے حضر ابوبکرؓ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو دہشت کے مارے کانپنے لگ گیا اور میرے پیروں میں اٹھانے کی سکت نہ رہی اور میں زمین پر گر گیا اور جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تب مجھے پتہ چلا کہ حضورؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۰)

نہ چھیڑ اے ہم نشین کیفیت صہبا کے افسانے

حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں:

ایک رات حضرت عمر بن خطابؓ دیکھ بھال کرنے نکلے تو انہوں نے ایک گھر میں چراغ چلتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس گھر کے قریب گئے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا کاتنے کے لئے اپنا اون تیر سے دن رہی ہے اور حضور ﷺ کو یاد کر کے یہ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت محمد ﷺ پر نیک لوگوں کا درود ہو (یا رسول اللہؐ) آپؐ پر چنے ہوئے بہترین لوگ درود بھیجیں۔''

''آپؐ راتوں کو خوب عبادت کرنے والے اور صبح سحری کے وقت (اللہ کے سامنے) بہت زیادہ رونے والے تھے۔ موت کے آنے کے بہت سے راستے ہیں۔''

''اور کاش میں جان لیتی کہ کیا میں اور میرے حبیب حضور (ﷺ) کسی گھر میں کبھی اکٹھے ہو سکیں گے؟''

یہ (محبت بھرے اشعار) سن کر حضرت عمرؓ بیٹھ کر رونے لگے اور بڑی دیر تک روتے رہے۔ آخر انہوں نے اس عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس بڑھیا نے کہا، کون ہے؟ انہوں نے کہا، عمرؓ بن خطاب۔ اس بڑھیا نے کہا، مجھے عمرؓ سے کیا واسطہ اور عمرؓ اس وقت یہاں کس وجہ سے آئے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا، اللہ تم پر رحم فرمائے، تم دروازہ کھولو، تمہارے لئے کوئی ایسی خطرے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ اس بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ اندر گئے اور فرمایا، ابھی تم جو اشعار پڑھ رہی تھی، ذرا مجھے دوبارہ سنانا۔ چنانچہ اس نے وہ اشعار دوبارہ حضرت عمرؓ کے سامنے پڑھے۔ جب وہ آخری شعر پر پہنچی تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا، تم نے آخری شعر میں اپنا اور حضورؐ کا تذکرہ کیا ہے، کسی طرح تم مجھے بھی اپنے دونوں کے ساتھ شامل کرلو۔ اس نے یہ شعر پڑھا:

وعمر فاغفر لہٗ یا غفار.

”یعنی اے غفار! عمرؓ کی بھی مغفرت فرما۔“

اس پر حضرت عمرؓ خوش ہوگئے اور واپس آگئے۔(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۵)

میں نے حضورؐ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے نیا کرتا پہنا، پھر مجھ سے چھری منگوا کر فرمایا، اے میرے بیٹے! میرے کرتے کی آستین کو پھیلاؤ اور میری انگلیوں کے کنارے پر دونوں ہاتھ رکھ کر جو انگلیوں سے زائد کپڑا ہے اسے کاٹ دو۔ چنانچہ میں نے چھری سے دونوں آستینوں کا زائد کپڑا کاٹ دیا (وہ چھری سے سیدھا نہ کٹ سکا اس لئے) آستین کا کنارہ ناہموار، اونچا نیچا ہوگیا۔ میں نے ان سے عرض کیا، اے ابا جان! اگر آپؓ اجازت دیں تو میں قینچی سے برابر کردوں۔ انہوں نے فرمایا، اے میرے بیٹے! ایسے ہی رہنے دو، میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ چنانچہ وہ کرتا حضرت عمرؓ کے بدن پر اسی طرح رہا، یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا اور میں نے کئی دفعہ اس کے دھاگے پاؤں پر گرتے ہوئے دیکھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۶)

حضرت عمرؓ کا جذبہ اطاعت

حضرت اسلمؒ کہتے ہیں:

حضرت عمر بن خطابؓ نے حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ سن لے اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور ﷺ کو تیرا استلام کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تیرا استلام نہ کرتا (استلام یہ ہے کہ حجر

اسود کو آدمی چومے یا اسے ہاتھ یا لکڑی لگا کر اسے چومے) پھر حجر اسود کا استلام کیا۔ اس کے بعد فرمایا، ہمیں رمل سے کیا لینا؟ (رمل طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنے کو کہتے ہیں) ہم نے تو رمل مشرکوں کو (اپنی قوت) دکھانے کے لئے کیا تھا، اب اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا (لہٰذا اب بظاہر ضرورت نہیں ہے) پھر فرمایا، رمل ایک ایسا کام ہے جسے حضور ﷺ نے کیا، اس لئے ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۷)

مجھے مبارکباد کیوں نہیں دیتے؟

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

جب حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی سے شادی کر لی تو میں نے سنا کہ وہ لوگوں کو فرما رہے ہیں، تم مجھے مبارکباد کیوں نہیں دیتے ہو؟ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن میرے سسرالی رشتہ اور میرے نسب کے علاوہ ہر سسرالی رشتہ اور ہر نسب ٹوٹ جائے گا (اور اس شادی سے مجھے حضورؐ کا سسرالی رشتہ حاصل ہو گیا ہے، اس لئے مبارکباد دو) (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۸۸)

حیاتِ مصطفیٰؐ کو سوچنا اوّل سے آخر تک

صاحب احیاء نے لکھا ہے کہ:

حضور اقدسؐ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ رو رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، ایک کھجور کا تنا جس پر سہارا لگا کر آپؐ منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور آپؐ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا آپؐ کے فراق سے رونے لگا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا جس سے اس کو سکون ہوا۔ (یہ حدیث شریف کا مشہور قصہ ہے) یا رسول اللہ ﷺ!

آپؐ کی امت آپؐ کے فراق میں رونے کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس تنے کے (یعنی امت اپنے سکون کے لئے توجہ کی زیادہ محتاج ہے) یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ کا عالی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر اونچا ہوا کہ اس نے آپؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

من يطع الرسول فقد اطاع الله.

''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی اونچی ہوئی کہ آپؐ سے مطالبہ سے پہلے معافی کی اطلاع فرما دی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

عفا الله عنک لم اذنت لهم.

''اللہ تعالیٰ معاف کرے تم نے ان منافقوں کو جانے کی اجازت دی ہی کیوں۔''

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ کا علوشان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے کہ آپؐ اگر چہ زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آئے لیکن انبیاء کی میثاق میں آپ کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

واذ اخذنا من النبيّين ميثاقهم ومنک ومن نوحٍ وابراهيم.

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ کی فضیلت کا اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ حال ہے کہ کافر جہنم میں پڑے ہوئے اس کی تمنا کریں گے کہ کاش آپؐ کی اطاعت کرتے اور کہیں گے:

يليتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا.

یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ اگر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ جل شانہٗ نے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ پتھر سے نہریں نکال دیں تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی انگلیوں سے پانی جاری کر دیا۔ (حضورؐ کا یہ معجزہ مشہور ہے) یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان کہ اگر حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا ان کے صبح کے وقت میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرا دے اور شام کے وقت میں ایک مہینہ کا طے کرا دے تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ آپؐ کا براق رات کے وقت میں آپؐ کو ساتویں آسمان سے بھی پرے لے جائے اور صبح کے وقت آپؐ مکہ مکرمہ واپس آجائیں۔

صلّی اللّٰہ علیک

اللہ تعالیٰ ہی آپؐ پر درود بھیجے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ اگر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ مردوں کو زندہ فرما دیں تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک بکری جس کے گوشت کے ٹکڑے آگ میں بھون دیئے گئے ہوں، وہ آپؐ سے یہ درخواست کرے کہ آپؐ مجھے نہ کھائیں اس لئے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قوم کے لئے ارشاد فرمایا:

رَبِّ لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً

''اے رَبّ! کافروں میں سے زمین پر بسنے والا کوئی نہ چھوڑ۔''

اگر آپؐ بھی ہمارے لئے بددعا کر دیتے تو ہم میں سے ایک بھی باقی نہ رہتا۔ بے شک کافروں نے آپؐ کی پشت مبارک کو روندا (کہ جب آپؐ نماز میں سجدہ میں تھے، آپؐ کی پشت مبارک پر اونٹ کا بچہ دان رکھ دیا تھا اور غزوۂ احد میں) آپؐ کے چہرہ

مبارک کو خون آلود کیا، آپؐ کے دندان مبارک کو شہید کیا اور آپؐ نے بجائے بددعا کے یوں ارشاد فرمایا:

اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون.

''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں (جاہل ہیں)۔''

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ کی عمر کے بہت تھوڑے سے حصے میں (کہ نبوت کے بعد تیئس ہی سال ملے) اتنا بڑا مجمع آپؐ پر ایمان لایا کہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل عمر (ایک ہزار برس) میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے (کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار تو صحابہؓ تھے اور جو لوگ غائبانہ مسلمان ہوئے، حاضر نہ ہو سکے ان کی تعداد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) آپؐ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بخاریؒ کی مشہور حدیث ریف عرضت علی الامم میں ہے:

رایت سواداً کثیراً سدا الافق.

''کہ حضورؐ نے اپنی امت کو اتنی کثیر مقدار میں دیکھا کہ جس نے سارے جہاں کو گھیر رکھا تھا۔''

اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان والے بہت تھوڑے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وما اٰمن معه الا قلیل.

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ اگر آپؐ اپنے ہم جنسوں ہی کے ساتھ نشست و برخواست فرماتے تو آپؐ ہمارے پاس کبھی نہ بیٹھتے اور اگر

آپؐ نکاح نہ کرتے مگر اپنے ہی ہم مرتبہ سے تو ہمارے میں سے کسی کے ساتھ بھی آپؐ کا نکاح نہ ہوسکتا تھا۔ اور اگر آپؐ اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے مگر اپنے ہمسروں کو تو ہم میں سے کسی کو اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے۔ بے شک آپؐ نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھایا، ہماری عورتوں سے نکاح کیا، ہمیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ بالوں کے کپڑے پہنے (عربی) گدھے پر سواری فرمائی اور اپنے پیچھے دوسرے کو بٹھایا اور زمین پر (دسترخوان بچھا کر) کھانا کھایا اور کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو (زبان سے) چاٹا اور یہ سب امور آپؐ نے تواضع کے طور پر اختیار فرمائے۔ صلی اللہ علیک وسلم۔ اللہ ہی آپؐ پر درود وسلام بھیجے۔

(فضائل درود شریف ۱۱۶)

ہر مسلمان رگِ باطل کے لئے نشتر تھا

نبی علیہ السلام کے سامنے ایک مرتبہ ایک یہودی اور منافق کا مقدمہ پیش ہوا۔ یہودی چونکہ حق پر تھا لہٰذا نبی علیہ السلام نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ منافق نے سوچا کہ حضرت عمرؓ یہودیوں پر سخت گیر ہیں، ذرا ان سے بھی فیصلہ کروالیں۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام پہلے فیصلہ دے چکے ہیں ا۔ یہ منافق اپنے حق میں فیصلہ کروانے کی نیت سے میرے پاس آیا ہے۔ آپؓ اپنے گھر سے تلوار لائے اور منافق کی گردن اڑادی۔ پھر کہا، جو نبی علیہ السلام کے فیصلے کو نہیں مانتا، عمرؓ اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہے۔

(تاریخ الخلفا ص ۸۸)

آپ سے کیا غیرت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، میں نے

ایک روز خواب میں جنت کی سیر کی تو میں نے ایک عورت کو ایک محل کے قریب وضو کرتے دیکھا تو میں نے پوچھا، یہ محل کس کا ہے؟ اس نے کہا (حضرت) عمرؓ کا۔ (میں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا) لیکن تمہاری غیرت یاد آ گئی اس لئے میں واپس لوٹ آیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ رونے لگے اور پھر فرمایا، رسول اللہ ﷺ! آپؐ سے کیا غیرت، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ (رواہ ابن ماجہؒ ص ۱۱)

اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں

حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ عشاء کے وقت مسجدِ نبویؐ میں موجود تھے۔ اچانک کسی شخص کے ہنسنے کی آواز آئی۔ آپؓ نے اسے بلا کر پوچھا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، میں قبیلہ بنی ثقیف سے ہوں۔ یہ سن کر آپؓ نے پوچھا، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا، میں طائف کا رہنے والا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا، اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ یاد رکھو اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔ (وفاء الوفاء)

میں اس عہد پر پکا رہوں گا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

حضور ﷺ نے فرمایا۔ میرے پاس کسی صحابیؓ کو بلاؤ۔ میں نے کہا، حضرت ابوبکرؓ کو۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا، حضرت عمرؓ کو۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا، آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا، حضرت عثمانؓ کو۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ جب وہ آ گئے تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا، ذرا ایک طرف ہٹ جاؤ۔ پھر آپؐ نے حضرت عثمانؓ سے کان میں بات کرنی شروع کر دی اور حضرت عثمانؓ

کا رنگ بدل رہا تھا۔ جب یوم الدار آیا (جس دن حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا) اور حضرت عثمانؓ گھر میں محصور ہو گئے تو ہم نے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپؓ (باغیوں سے) جنگ نہیں کریں گے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا نہیں، حضور ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا۔ میں اس عہد پر پکا رہوں گا، جما رہوں گا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۰۳)

حضرت عثمانؓ کا حُبّ مدینہ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں؛

جن دنوں حضرت عثمانؓ گھر میں محصور تھے۔ میں ان کی خدمت میں گیا اور میں نے ان سے کہا۔ آپؓ تمام لوگوں کے امام ہیں اور یہ مصیبت جو آپؓ پر آئی ہے، وہ آپؓ دیکھ رہے ہیں۔ میں آپؓ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے آپؓ جو چاہیں اختیار فرمالیں۔ یا تو آپؓ گھر سے باہر آ کر ان باغیوں سے جنگ کریں کیونکہ آپؓ کے ساتھ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اور بہت زیادہ قوت ہے اور پھر آپؓ حق پر ہیں اور یہ باغی لوگ باطل پر ہیں۔ یا آپؓ اپنے اس گھر سے باہر نکلنے کے لئے پیچھے کی طرف ایک نیا دروازہ کھول لیں کیونکہ پرانے دروازے پر تو یہ باغی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور اس نئے دروازے سے (چپکے سے) باہر نکل کر اپنی سواری پر بیٹھ کر مکہ چلے جائیں کیونکہ یہ باغی لوگ مکہ میں آپؓ کا خون بہانا حلال نہیں سمجھیں گے یا پھر آپؓ ملکِ شام چلے جائیں۔ وہاں شام والے بھی ہیں اور حضرت معاویہؓ بھی ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے (ایک بھی تجویز قبول نہ فرمائی اور) فرمایا، میں گھر سے باہر نکل کر ان باغیوں سے جنگ کروں یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ حضور ﷺ کے بعد آپؐ کی امت میں سب سے پہلے (مسلمانوں کا) خون بہانے والا میں بنوں۔ باقی رہی یہ تجویز کہ میں مکہ چلا جاؤں، وہاں یہ باغی میرا خون

بہانا حلال نہیں سمجھیں گے تو میں اسے بھی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریش کا ایک آدمی مکہ میں بے دینی کے پھیلنے کا ذریعہ بنے گا، اس لئے اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں وہ آدمی بنوں اور تیسری تجویز کہ میں ملکِ شام چلا جاؤں، وہاں شام والے بھی ہیں اور حضرت معاویہؓ بھی ہیں، سو میں اپنے دارِ ہجرت اور حضورؐ کے پڑوس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۰۵)

گستاخ کے لئے پٹائی کا قانون

حضرت قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں:

حضرت عثمانؓ نے جو بہت سے نئے قانون بنائے۔ ان میں سے ایک قانون یہ بھی تھا کہ ایک آدمی نے ایک جھگڑے میں حضرت عباسؓ کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کیا۔ ل پر حضرت عثمانؓ نے اس کی پٹائی کی۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا تو اس سے فرمایا، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ تو اپنے چچا کی تعظیم فرمائیں اور میں ان کی تحقیر کی اجازت دے دوں؟ اس آدمی کی اس گستاخی کو جو اچھا سمجھ رہا ہے، وہ بھی حضورؐ کی مخالفت کر رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے اس نئے قانون کو تمام صحابہؓ نے بہت پسند کیا۔ (کہ حضورؐ کے چچا کے گستاخ کی پٹائی ہوگی) (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۷۱)

تو میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے نبی علیہ السلام کو اپنے گھر کھانے کے لئے مدعو کیا۔ جب نبی علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے تو حضرت عثمانؓ سارا راستہ نبی علیہ السلام کے قدم مبارک دیکھتے رہے۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ بات نبی علیہ السلام کو بتائی تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ سے اس کی وجہ دریافت کی۔

عرض کیا، اے اللہ کے محبوبؐ! آج میرے گھر میں اتنی مقدس ہستی آئی ہے کہ میری خوشی کی انتہا نہیں، میں نے نیت کی تھی کہ آپؐ جتنے قدم اپنے گھر سے چل کر یہاں آئیں گے، میں اتنے غلام اللہ کے راستے میں آزاد کروں گا۔ (جامع المعجزات)

فطرت او آتش اندوزد زعشق
عالم افروزی بیازد ز عشق

حضرت عثمان بن عفانؓ اور اہل بیت کی خدمت

حضرت عثمانؓ کو حضور ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ آپؓ پر اپنا سب کچھ خرچ کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپؐ کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے۔ ایک مرتبہ اہل بیت نبویؐ پر کئی روز فاقہ سے گزر گئے۔ حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے اور گندم، آٹا، بکری کا گوشت اور تین صد نقد لے کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کئے اور عرض کیا۔ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمان کو یاد کر لیا کریں۔ (کنز ج ۲ص ۳۷۶/ تاریخ اسلام ص ۲۴)

ادا اُن کی بھلاؤں تو کیسے؟

ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ:

ابان نے حضرت عثمانؓ سے کہا، اے میرے چچازاد بھائی! آپؓ نے بہت تواضع والی شکل وصورت بنا رکھی ہے، ذرا لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکاؤ جیسے کہ آپ کی قوم کا طریقہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا نہیں، ہمارے حضرت اسی طرح آدھی پنڈلیوں تک لنگی باندھتے ہیں۔ ابان نے کہا، اے میرے چچازاد بھائی! بیت اللہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، جب تک ہمارے حضرت کوئی کام نہ کر لیں اس وقت تک ہم وہ کام نہیں

کرتے، ہم تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ (اس لئے میں طواف نہیں کروں گا)

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۲)

آنحضرتؐ کے فاقہ پر حضرت علیؓ کی بے چینی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو سخت فاقہ کی نوبت آ گئی جس کی حضرت علیؓ کو خبر ہو گئی۔ وہ کسی کام کی تلاش میں نکلے تا کہ کھانے کی کسی چیز کا انتظام ہو جائے اور وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ چنانچہ وہ ایک یہودی کے باغ میں گئے اور پانی کے سترہ ڈول نکالے۔ ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور طے ہوئی تھی۔ یہودی نے اپنی تمام قسم کی کھجوریں حضرت علیؓ کے سامنے رکھ دیں کہ جس میں سے چاہیں لے لیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے سترہ ''عجوہ'' کھجوریں لے لیں اور جا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضورؐ نے پوچھا، اے ابوالحسنؓ! تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے مل گئیں؟ حضرت علیؓ نے کہا، یا نبی اللہ! مجھے آپؐ کے سخت فاقہ کی خبر ملی تو میں کسی کام کی تلاش میں گیا تا کہ آپؐ کے لئے کھانے کی کوئی چیز حاصل کر سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم نے ایسا اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کی وجہ سے کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا، جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ حضورؐ نے فرمایا، جو بندۂ بھی اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے، فقر و فاقہ اس کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے پانی کا سیلاب نچان کی طرف جاتا ہے لہٰذا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرے، اسے چاہئے کہ وہ بلا اور آزمائش کے لئے ڈھال (یعنی صبر، زُہد و قناعت) اختیار کر لے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۰)

حضرت علیؓ اور محبتِ رسولؐ

ایک دن حضرت علیؓ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ جب یہ بھوک کی شدت سے بے تاب ہوئے تو کچھ کام کی تلاش میں نکلے۔ یہ ایک باغ کی بیوہ مالکن کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ میں ایک غریب مزدور ہوں، کیا تم اپنا باغ سیراب کرانا چاہتی ہو؟ جو معاوضہ تم مجھے دوگی وہ قبول ہوگا۔

اس نے کہا، ہاں مجھے اپنے باغ میں ایک پانی دینے والے کی ضرورت ہے۔ حضرت علیؓ تمام رات اس باغ کو پانی دیتے رہے۔ جب فجر کا وقت ہوا تو آپؓ نے کام بند کر دیا۔ اس عورت نے آپ کو کچھ کھجوریں رات بھر کی اجرت کے سلسلے میں پیش کیں۔ آپؓ نے انہیں قبول کر لیا۔ بھوک کی شدت سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا، چاہا کہ تھوڑی کھجوریں کھا کر پانی پی لیں لیکن فوراً یہ خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ فاقے سے ہوں اور میں اپنی بھوک کو تسکین دوں۔ چونکہ ان کی نظر میں اعمال کا محور شکم نہیں بلکہ محبتِ رسولؐ تھا، اس لئے فوراً کھجوریں کھانے سے ہاتھ روک لی۔ اپنی ہر چیز کو محبوب کی راہ میں قربان کرنا ہی محبت کا مقصودِ زندگی ہوتا ہے بلکہ یہ تو راہِ محبت کی پہلی منزل ہے۔

غرض حضرت علیؓ کھجوروں کی پوٹلی بغل میں دبائے اس غرض سے مسجدِ نبویؐ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھجوریں کھائیں گے اور اپنی بھوک کو تسلی دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ابھی حجرے سے باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ مسجد کے ایک گوشہ میں فرشِ خاک پر دراز ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ اللہ کا وہ شیر ننگے بدن زمین پر پڑا سو رہا ہے، خاک جسم پر لپٹی

ہوئی ہے۔آپؐ نے فرمایا، اجلس یا ابا تراب ۔''یعنی اے مٹی کے مالک اٹھ۔'' حضرت علیؓ نے اٹھ کر کھجوروں کا نذرانہ خدمتِ اقدسؐ میں پیش کیا۔ (شرح اسرار خودی ۴۱۷)

ذوق وشوق دیکھ دل بے قرار کا

حضرت علیؓ نے نبی علیہ السلام کو آخری غسل دیتے وقت جو تاریخی الفاظ کہے، وہ پوری امت کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپؐ کی وفات سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی تھی یعنی وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ آپؐ کی جدائی عظیم صدمہ ہے۔ اگر آپؐ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہم آپؐ پر آنسو بہاتے تاہم درد و درمان اور زخم کا علاج پھر بھی نہ ہوتا۔''

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

جب رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تو اس وقت آپؐ کے پاس کفار کی امانتیں رکھی ہوئی تھیں جو آپؐ کو قتل کرنے پر آمادہ تھے۔ آپؐ نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لے کر مدینہ منورہ کو روانگی کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ چادر اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو جائیں، صبح ہونے پر تمام لوگوں کی امانتیں تقسیم کر دیں۔ جب تمام امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچ جائیں تو مدینہ کا سفر اختیار کریں۔

حضرت علیؓ جب صبح کو اٹھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نکل جانے پر کفار کے غصہ کو دیکھا۔ کفار نے یہ اعلان کر دیا کہ جو بھی محمدؐ کو زندہ یا مردہ پیش کرے گا، اس کو سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ کئی لوگ آپؐ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ قریش کا ایک بڑا قافلہ غارِ ثور تک جا پہنچا۔ حضرت علیؓ کلیجے پر پتھر رکھے اپنے حبیبؐ

کے متعلق ان سازشوں کو دیکھ اور سن رہے تھے۔اس سے ان کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت علیؓ نے جلدی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچائیں اور مدینہ منورہ کی طرف روانگی کا ارادہ کیا،سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا نہ تو وہ مدینہ روانگی کا ارادہ ظاہر کر سکتے تھے اور نہ مکہ میں ان کا کوئی مخلص مددگار بچا تھا ایک طرف مدینہ کا پانچ سو کلو میٹر کا دشوار گزار راستہ تھا جن میں دشوار گزار پہاڑ ہیں، ریت کے چلتے پھرتے ٹیلے تھے جن کو اڑا کر ہوا جگہ جگہ منتقل کرتی رہتی ہے، زہر آلودہ گرم ہوائیں، جنگلی جانور، گرمی، پیاس، نہ جانے کتنے ایسے خدشات جو زندگی کو ایک لمحہ میں ختم کر دیں دوسری طرف اپنے محبوب کی پیاری زندگی ان کے خیریت سے پہنچ جانے کی فکر تھی۔ان سے جدا ہو جانے کی تڑپ تھی جس نے بچپن سے ایک لمحہ آپ ﷺ سے الگ نہیں گزارا تھا اب کئی دن سے اس پرنور چہرے کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئیں تھیں اب وہ خوف وشوق کے دوراہے پر کھڑے تھے۔

خوف کہتا ہے کہ ''یثرب کی طرف اکیلا نہ چل''
شوق کہتا ہے کہ ''تو مسلم ہے بیباکانہ چل''

غرض ان کا شوق واشتیاق خوف واحتیاط کے جذبہ پر غالب آگیا اور وہ تن تنہا مدینہ کی طرف چل پڑے، بس ایک برہنہ تلوار ان کی ساتھی و مددگار تھی۔ابھی رسولؐ کا قافلہ مدینہ پہنچا ہی نہیں کہ حضرت علیؓ جا پہنچے۔یہ دیکھ کر ان کی خیرت کی انتہا نہ رہی کہ مکہ سے بے یار مددگار اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہنے والے نبی ﷺ جب مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو ان کا شاندار استقبال ہو رہا تھا اسلام کے متوالے خوشی سے جھوم رہے تھے۔نو جوان لڑکیاں دف بجا بجا کر نعت پڑھ رہی تھیں کہ ان پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔

لوگوں نے حضرت علیؓ کو دیکھا تو خوشی اور دوبالا ہوگئی۔حضرت علیؓ سے چلا نہیں

جارہا تھا۔ رسول اللہؐ نے خود ان کی طرف بڑھنا چاہا تو حضرت علیؓ دوڑ کر آپؐ سے لپٹ گئے آپؐ نے ان کی حالت دیکھ کر فرمایا ''علیؓ! یہ تمہارا کیا حال ہو گیا ہے؟ پیر سوجھے ہوئے ہیں، رنگ جلس کر سیاہ ہو گیا ہے، کمزوری سے کھڑا نہیں ہوا جارہا، ہونٹوں پر خشکی کی پرتیں جمی ہوئی ہیں، تم سے تو بولا تک نہیں جارہا۔'' عرض کیا'' یارسول اللہ ﷺ! بارہ دن سے لگاتار سفر کر رہا ہوں۔ رات کو سفر کرتا تھا اور دوپہر کو ریت کے ٹیلوں کی آڑ میں چھپا رہتا تھا، چلتے چلتے جب آپؐ کا خیال آتا تھا تو بھاگنا شروع کر دیتا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا، علی! کاش تم چند دن مکہ میں اور ٹھہرتے اور اطمینان سے سواری کا انتظام کر کے آتے۔ عرض کیا، یا رسول اللہؐ! میں نے سوچا مگر مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں ایک لمحہ بھی آپؐ کی جدائی برداشت نہ کر سکا۔ (تاریخ اسلام/تاریخ خلفاء)

(بحوالہ رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۲۴)

اللہ تعالیٰ اور رسولؐ بہتر جانتے ہیں

حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ:

رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور ابومرثد اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ہم سب گھڑ سوار تھے۔ فرمایا، تم چلو یہاں تک کہ روضہ خاخ (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچو۔ وہاں ایک مشرکہ عورت ہوگی، اس کے پاس حاطب کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا خط ہے (وہ وصول کرلو) ہم نے اس کو وہاں پالیا کہ وہ اونٹ پر سوار جارہی تھی۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی، ہم نے خط کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا، میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا اور تلاشی لی لیکن ہمیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا، ہم تجھ سے ضروری خط نکالیں گے ورنہ تیرے کپڑے اتاریں گے۔ جب

اس نے ہماری سختی دیکھی تو اس نے بالوں کی مینڈھیوں سے خط نکال دیا۔

ہم اس خط کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ عمر بن خطابؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ اس (حاطبؓ) نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی ہے، آپؐ مجھے اجازت دیجئے، میں اس کی گردن اڑا دوں۔

نبی ﷺ نے (حضرت حاطب سے فرمایا) تجھے خط لکھنے پر کس چیز نے ابھارا؟ حاطبؓ نے کہا، اللہ کی قسم! مجھے کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لاؤں۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں، مشرکین کے نرغے میں، وہ اس خط کی وجہ سے میرے اہل وعیال سے رعایت برتیں گے۔ اس لئے کہ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، حاطب نے سچ کہا، اسے بھلائی کی بات کے علاوہ کچھ نہ کہو۔

حضرت عمرؓ نے کہا، اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین سے خیانت کی ہے۔ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن ماروں۔ فرمایا، یہ ایک بات ہے، کیا وہ بدریین میں سے نہیں؟ فرمایا، بے شک اللہ رَبّ العزت نے اہل بدر کا خود امتحان لیا ہے۔ بس فرمایا، اب جیسا عمل کریں میں نے ان کے لئے جنت کو واجب کر دیا۔ فرمایا، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور موتیوں جیسے آنسو آنکھوں سے ڈھلک پڑے اور یوں غم بھری آواز میں گویا ہوئے، اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت علیؓ کی گواہی

حضرت اسیدؓ بن صفوان فرماتے ہیں کہ:

جس روز حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو مدینہ منورہ رونے والوں کی آوازوں

سے گونج اٹھا اور لوگ اس طرح پریشان تھے جس طرح حضورؐ کی فات کے روز پریشان تھے۔ تو حضرت علیؓ دوڑتے ہوئے، روتے ہوئے انا للہ پڑھتے اور فرمارہے تھے کہ آج نبوت کی خلافت ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ اس دروازے پر کھڑے ہوئے جس میں ابوبکرؓ تھے۔ پھر فرمانے لگے، اے ابوبکر! تم سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے اور خالص اسلام والے اور پختہ یقین والے اور بہت زیادہ قناعت والے تھے اور اسلام پر پکے اور حضورؐ کے بارے میں محتاط تھے اور بہترین ساتھی تھے اور زیادہ مناقب والے بلند درجات والے اور مجلس کے لحاظ سے حضورؐ کے زیادہ قریب تھے۔ شرافت اور اخلاق میں، رہنمائی میں حضورؐ کے زیادہ مشابہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے تمام مسلمانوں کی طرف سے کہ انہوں نے حضورؐ کی تصدیق کی، جب لوگ آپؐ کو جھٹلا رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپؓ کا نام صدیق رکھا۔ (اسد الغابۃ ج ۱ ص ۹۱)

کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟

حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں:

میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، کیا بات ہے مجھے آپؐ کا رنگ بدلا ہوا نظر آرہا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، تین دن سے میرے پیٹ میں ایسی کوئی چیز نہیں گئی جو کسی جاندار کے پیٹ میں جاسکتی ہے۔ یہ سنتے ہی میں وہاں سے چلا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک یہودی (کنوئیں سے پانی نکال کر) اپنے اونٹوں کو پلانا چاہتا ہے۔ میں نے ایک ڈول کے بدلہ میں ایک کھجور مزدوری پر اس کے اونٹوں کو پانی پلانا شروع کیا، بالآخر کچھ کھجوریں جمع ہوگئیں جو میں نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں جاکر پیش کر

دیں۔ آپؐ نے پوچھا، اے کعبؓ! کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، میرا باپ آپؐ پر قربان ہو۔ آپؐ نے فرمایا، جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اس کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے سیلاب نچان کی طرف جاتا ہے۔ اب تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئے گی، اس کے لئے ڈھال تیار کرلو۔ (اس کے بعد میں بیمار ہوگیا اور حضورؐ کی خدمت میں نہ جاسکا) جب حضورؐ نے مجھے چند دن نہ دیکھا تو صحابہؓ سے پوچھا، کعبؓ کو کیا ہوا؟ (نظر نہیں آرہا) صحابہؓ نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ سن کر آپؐ پیدل چل کر میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا، اے کعبؓ! تمہیں خوش خبری ہو۔ میری والدہ نے کہا، اے کعبؓ! تمہیں جنت میں جانا مبارک ہو۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ اللہ پر قسم کھانے والی عورت کون ہے؟ میں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ ہے۔ حضورؐ نے (میری والدہ کو) فرمایا اے اُمّ کعبؓ! تمہیں کیا معلوم؟ شاید کعبؓ نے کوئی بے فائدہ بات کہی ہو اور (مانگنے والے ضرورت مند کو) ایسی چیز نہ دی ہو جس کی خود کعبؓ کو ضرورت نہ ہو۔

کنز کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، شاید کعبؓ نے لایعنی بات کہی ہو یا ایسی چیز نہ دی ہو جس کی خود اسے ضرورت نہ ہو۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۱)

کوئی میرے آقا کو تکلیف نہ پہنچائے

حضرت حسین بن وحوحؓ فرماتے ہیں:

جب حضرت طلحہ بن براءؓ حضورؐ کی خدمت میں ملنے گئے تو وہ حضورؐ سے چمٹنے لگے اور آپؐ کے پاؤں مبارک کا بوسہ لینے لگے اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ مجھے جو چاہیں حکم دیں، میں آپؐ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت طلحہؓ نوعمر

لڑکے تھے اس لئے ان کی اس بات پر حضورؐ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس پر آپؐ نے ان سے فرمایا، جاؤ اور جا کر اپنے باپ کو قتل کردو۔ وہ اپنے باپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چل پڑے تو حضورؐ نے انہیں بلایا اور فرمایا، ادھر آجاؤ مجھے رشتے توڑنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ بیمار ہو گئے۔ حضورؐ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر گئے۔ سردی کا زمانہ تھا، خوب سردی پڑ رہی تھی اور بادل بھی تھے۔ جب آپؐ واپس آنے لگے تو حضرت طلحہؓ کے گھر والوں سے آپؐ نے کہا، مجھے تو طلحہؓ پر موت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہو تو مجھے خبر کر دینا تاکہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھ سکوں اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا۔

حضورؐ ابھی قبیلہ بنو سالم بن عوف تک نہیں پہنچے تھے کہ حضرت طلحہؓ کا انتقال ہو گیا اور رات کا وقت ہو گیا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے انتقال سے پہلے جو باتیں کیں، ان میں یہ وصیت بھی تھی کہ مجھے جلدی سے دفن کر کے مجھے میرے رب کے پاس پہنچا دینا اور حضور ﷺ کو نہ بلانا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ کہ حضورؐ میری وجہ سے رات کو ہی تشریف لائیں اور راستہ میں یہودی حضورؐ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں۔ چنانچہ (رات کو حضورؐ کو اطلاع دیئے بغیر نمازِ جنازہ پڑھ کر ان کے گھر والوں نے ان کو دفنا دیا) صبح کو جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ حضرت طلحہؓ کی قبر پر تشریف لے گئے اور آپؐ ان کی قبر پر کھڑے ہو گئے اور لوگ بھی آپؐ کے ساتھ صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! تیری ملاقات طلحہؓ سے اس حال میں ہو کہ تو اسے دیکھ کر ہنس رہا ہو اور وہ تجھے دیکھ کر ہنس رہا ہو۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۲)

وہ اللہ و رسولؐ سے محبت کرتا ہے

حضرت زہریؒ کہتے ہیں:

حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی یہ شکایت بیان کی گئی کہ وہ مذاق بہت کرتے ہیں اور بیکار باتیں کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو، اس میں ایک چھپی ہوئی خوبی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۴)

عشق حقیقی کا صلہ

حضرت ادرعؓ فرماتے ہیں:

میں ایک رات آکر حضور ﷺ کا پہرہ دینے لگا تو وہاں ایک آدمی اونچی آواز سے قرآن پاک پڑھ رہا تھا۔ حضورؐ باہر تشریف لائے۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ (اونچی آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا) ریاکار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا (نہیں) یہ تو عبداللہ ذوالبجادینؓ ہے۔ پھر ان کا مدینہ میں انتقال ہو گیا۔ جب صحابہؓ ان کا جنازہ تیار کر کے انہیں اٹھا کر لے چلے تو حضورؐ نے فرمایا، ان کے ساتھ نرمی کرو، اللہ نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کیا کرتے تھے۔ جب حضورؐ قبرستان پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، ان کی قبر خوب کھلی اور کشادہ بناؤ۔ اللہ نے ان کے ساتھ کشادگی کا معاملہ کیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کو ان کے مرنے کا بڑا غم ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۴)

آنحضرتؐ کو میری وجہ سے رات کو تکلیف نہ دینا

حضرت عبدالرحمٰن بن سعدؒ کہتے ہیں:

میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس تھا، ان کا پاؤں سو گیا۔ میں نے کہا، اے ابو

عبدالرحمٰن! آپؓ کے پاؤں کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا، یہاں سے اس کا پٹھا اکٹھا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا، آپؓ کو جس سے سب سے زیادہ محبت ہے، اس کا نام لے کر پکاریں (انشاء اللہ پاؤں ٹھیک ہو جائے گا) انہوں نے کہا، اے محمدؐ! اور یہ کہتے ہی ان کا پاؤں ٹھیک ہو گیا اور انہوں نے اسے پھیلا لیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۴)

تمہارا مسلمان ہونا مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ محبوب ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

جنگ بدر کے دن دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی قید ہوئے تھے۔ انہیں ایک انصاری نے قید کیا تھا۔ انصار نے انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ حضور ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا، آج رات میں اپنے چچا عباسؓ کی وجہ سے سو نہیں سکا کیونکہ انصار کہہ چکے ہیں کہ وہ عباسؓ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا میں انصار کے پاس جاؤں؟ (اور ان سے عباسؓ کو لے آؤں) حضورؐ نے فرمایا، ہاں جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جا کر انصار سے کہا، عباسؓ کو چھوڑ دو۔ انصار نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اگر ان کے چھوڑنے سے اللہ کے رسولؐ راضی اور خوش ہوں تو پھر؟ انصار نے کہا، اگر ان کے چھوڑنے سے اللہ کے رسولؐ راضی اور خوش ہیں تو پھر تم ان کو لے لو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انصار سے حضرت عباسؓ کو لے لیا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آ گئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، اے عباسؓ! مسلمان ہو جاؤ، اللہ کی قسم! تمہارا مسلمان ہونا مجھے (اپنے باپ) خطاب کے مسلمان ہونے سے زیادہ محبوب ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضورؐ کو تمہارا مسلمان ہونا

زیادہ پسند ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا، اسلام لے آؤ، تمہارا اسلام لانا مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضورؐ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اسلام لانے میں سبقت حاصل ہو جائے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۶)

ادب واحترام

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:

جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو شروع میں ہمارا دستور یہ تھا کہ جب ہم میں سے کسی کا انتقال ہونے لگتا، ہم لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر کرتے۔ حضورؐ اس کے پاس تشریف لے جاتے اور اس کے لئے استغفار فرماتے، یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہو جاتا تو حضورؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس تشریف لے آتے اور کبھی اس کے دفنانے تک وہیں تشریف رکھتے۔ اس طرح آپؐ کو بعض دفعہ وہاں بڑی دیر لگ جاتی۔ جب ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ اس طرح حضورؐ کو بڑی مشقت ہوتی ہے تو ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ہم حضورؐ کو انتقال ہو جانے کے بعد خبر دیا کریں تو اس سے حضورؐ کو زیادہ ٹھہرانے کی مشقت نہ ہوگی چنانچہ پھر ہم لوگ ایسے ہی کرنے لگ گئے اور حضور ﷺ کو ساتھی کے انتقال کے بعد خبر کرتے آپ تشریف لا کر اس کی نماز جنازہ پڑھتے۔ اس کے لیئے استغفار کرتے۔ کبھی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر آپؐ واپس تشریف لے جاتے اور کبھی دفن تک ٹھہرے رہتے ایک عرصہ تک ہمارا یہی دستور رہا۔

پھر ہم نے آپس میں کہا اللہ کی قسم! اگر ہم لوگ حضور ﷺ کو لانے کی زحمت نہ

دیا کریں بلکہ ہم جنازہ کو اٹھا کر حضورؐ کے گھر کے پاس لے جایا کریں، پھر حضورؐ کو خبر کیا کریں اور حضورؐ اپنے گھر کے پاس ہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیا کریں تو اس میں حضورؐ کو زیادہ سہولت ہوگی چنانچہ ہم نے پھر ایسا کرنا شروع کر دیا۔

حضرت محمد بن عمرؓ کہتے ہیں، اس وجہ سے اس جگہ کو جنازہ گاہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنازے اٹھا کر وہاں لائے جاتے تھے اور پھر اس کے بعد سے آج تک یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ لوگ اپنے جنازے وہاں لاتے ہیں اور وہاں ان پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۷)

آنحضرتؐ کا رُعب

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

میں کسی چیز کے بارے میں حضورؐ سے پوچھنے کا ارادہ کرتا لیکن حضورؐ کی ہیبت کی وجہ سے دو سال بغیر پوچھے گزار دیتا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۹)

صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

حضرت زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایک قابل اعتماد انصاری نے یہ بیان کیا ہے کہ:

حضور ﷺ جب وضو فرماتے یا کھنکارتے تو صحابہؓ جھپٹ کر وضو کا پانی اور کھنکار لے لیتے اور اسے اپنے چہرے پر مل لیتے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے پوچھا، تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہم اس سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کا محبوب بننا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ بات سچی کرے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۱۹)

میں نے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عروہ حضورؐ کے صحابہؓ کو بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! حضورؐ جب بھی تھوکتے تو اسے کوئی نہ کوئی صحابیؓ اپنے ہاتھ پر لے لیتا اور اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا اور حضور ﷺ جب انہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے تو صحابہؓ اسے فوراً کرتے اور جب آپؐ وضو فرماتے تو آپؐ کے وضو کے پانی کو لینے کے لئے صحابہؓ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے اور لڑنے کے قریب ہو جاتے اور جب آپؐ گفتگو فرماتے تو صحابہؓ آپؐ کے سامنے اپنی آوازیں پست کر لیتے اور صحابہؓ کے دل میں آپؐ کی اتنی عظمت تھی کہ وہ آپؐ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گئے اور ان سے کہا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے ایسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے درباری اتنی کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے صحابہؓ محمدؐ کی کرتے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۰)

آنحضرتؐ کے خون کی برکت

حضرت عامر بن عبداللہ زبن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ:

ان کے والد (حضرت عبداللہ بن زبیر) نے انہیں یہ قصہ سنایا کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں گئے تو حضورؐ اس وقت پچھنے لگوا رہے تھے۔ فارغ ہونے کے بعد حضورؐ نے فرمایا، اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور ایسی جگہ ڈال کر آؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ حضورؐ کے گھر سے باہر آ کر میرے والد نے وہ خون پی لیا۔ جب حضورؐ کی خدمت میں واپس پہنچے تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا، اے عبداللہ! تم نے خون کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا،

ایسی چھپی ہوئی جگہ میں ڈال کر آیا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ لوگوں میں سے کسی کو پتہ نہ چلے سکے گا۔ حضورؐ نے فرمایا، شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم نے خون کیوں پیا؟ لوگوں کو تم سے ہلاکت ہو اور تمہیں لوگوں سے (مروان اور عبدالملک کی طرف سے جو فتنہ پیش آیا اس کی طرف اشارہ ہے)

حضرت ابو عاصم نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں جو اتنی طاقت تھی، وہ اس خون کی برکت سے تھی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۰)

محبت کا تقاضا

حضرت سفینہؓ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے اور فرمایا، یہ خون لے جاؤ اور اسے ایسی جگہ دفن کر دو جہاں جانوروں، پرندوں اور انسانوں سے محفوظ رہے۔ میں خون لے گیا اور چھپ کر اسے پی لیا۔ پھر آ کر حضورؐ کو بتایا تو آپؐ ہنس پڑے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۰)

محبت میں ہم نے کیا کیا نہ کیا

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:

جب جنگِ اُحد کے دن حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا تو میرے والد حضرت مالک بن سنانؓ نے حضورؐ کے خون کو چوس کر نگل لیا۔ لوگوں نے ان سے کہا، ارے میاں! کیا تم خون پی رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، میں حضور ﷺ کا خون مبارک پی رہا ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا، ان کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے لہٰذا انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۲)

ایک خادمہ کی محبت

حضرت حکیمہ بنت امیمہ رضی اللہ عنہما اپنی والدہ سے نقل کرتی ہیں کہ:

حضورؐ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جسے آپؐ اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے اور کبھی (رات کو) اس میں پیشاب کرلیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے کھڑے ہو کر اسے تلاش کیا، وہ پیالہ نہ ملا۔ آپؐ نے پوچھا کہ پیالہ کہاں ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ حضرت اُمّ سلمہ کی خادمہ حضرت سرہؓ جوان کے ساتھ حبشہ سے آئی ہے، اس نے (اس پیالہ کا پیشاب) پی لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اس نے جہنم کی آگ سے بڑی مضبوط آڑ بنالی ہے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۴۲۲/۲)

آنحضرتؐ کی تکلیف کا خوف

حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے میرے ہاں قیام فرمایا۔ حضورؐ نیچے ٹھہرے ہوئے تھے اور میں (بمع اہل وعیال) اوپر کی منزل میں۔ جب رات ہوگئی **تو مجھے خیال آیا کہ میں اس کمرے کی چھت پر ہوں جس میں نیچے حضورؐ ہیں اور میں حضورؐ کے** اور وحی کے درمیان حائل ہو رہا ہوں۔ اس لئے ساری رات مجھے نیند نہ آئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سونے کی حالت میں اوپر ہم کچھ ہلیں جلیں اور اس سے غبار حضورؐ پر گرے جس سے حضورؐ کو تکلیف ہو۔ صبح کو میں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آج ساری رات نہ مجھے نیند آئی اور نہ میری بیوی اُمّ ایوب کو۔ حضورؐ نے فرمایا، اے ابوایوبؓ! کیوں؟ میں نے عرض کیا، مجھے یہ خیال آ گیا کہ میں اس کمرے کی چھت پر ہوں جس میں آپؐ مجھ سے نیچے ہیں، میں کچھ ہلوں گا تو اس سے غبار آپؐ پر گرے گا جس

سے آپؐ کو تکلیف ہوگی اور دوسری بات یہ کہ میں آپؐ کے اور وحی کے درمیان حائل رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، اے ابوایوب! ایسا نہ کرو، کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھا دوں کہ جب تم انہیں صبح اور شام دس دس مرتبہ کہو گے تو تمہیں دس نیکیاں ملیں گے اور تمہارے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن تمہیں دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور وہ کلمات یہ ہیں:

لا اله الا الله له الملک وله الحمد لا شریک له.

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۲)

دل کی بازی میں دونوں نے اپنا حصہ ڈال دیا

حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں:

جب حضورؐ میرے مہمان بنے تو میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اوپر ہوں اور آپؐ نیچے۔ حضورؐ نے فرمایا، ہمیں سہولت اسی میں ہے کہ ہم نیچے رہیں کیونکہ ہمارے پاس لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات دیکھا کہ ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا اور اس کا پانی فرش پر پھیل گیا۔ میں اور اُمّ ایوب دونوں اپنا کمبل لے کر کھڑے ہو گئے اور اس کمبل سے وہ پانی خشک کرنے لگے۔ ہمیں یہ ڈر تھا کہ ہماری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے حضورؐ کو تکلیف ہو یعنی چھت سے پانی کہیں حضورؐ پر نہ ٹپکنے لگ جائے۔ اس کمبل کے علاوہ ہمارے پاس اور لحاف بھی نہیں تھا۔ (وہ کمبل گیلا ہو گیا اور ہم نے ساری رات جاگ کر گزاری) ہم کھانا تیار کر کے حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے جب آپ بچا ہوا کھانا واپس کرتے تو ہم اس جگہ سے خاص طور سے کھانا کھاتے جہاں آپؐ کی مبارک انگلیاں لگی ہوتیں، یوں ہم حضورؐ کی برکت

حاصل کرنا چاہتے۔ ایک رات آپؐ نے کھانا واپس کیا، ہم نے اس میں لہسن یا پیاز ڈالا تھا، ہمیں اس میں حضورؐ کی انگلیوں کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ میں نے جا کر حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم آپؐ کی انگلیوں والی جگہ سے برکت کے لئے کھانا کھایا کرتے تھے لیکن آج آپؐ نے کھانا ویسے ہی واپس کر دیا ہے، اس میں کچھ نہیں کھایا۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے اس کھانے سے لہسن یا پیاز کی بو محسوس ہوئی اور میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہوں اور فرشتوں سے بھی بات کرتا ہوں، اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے کسی طرح کی بو آئے لیکن آپ لوگ یہ کھانا کھالو۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۲)

حضرت عباسؓ کے مکان کا پرنالہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

حضرت عباسؓ کے گھر کا پرنالہ حضرت عمرؓ کے راستہ پر گرتا تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن حضرت عمرؓ نے نئے کپڑے پہنے۔ اس دن حضرت عباسؓ کے لئے دو چوزے ذبح کئے گئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اس پرنالے کے پاس پہنچے تو ان چوزوں کا خون اس پرنالے سے پھینکا گیا جو حضرت عمرؓ پر گرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس پرنالے کو اکھیڑ دیا جائے اور گھر واپس جا کر وہ کپڑے اتار دیئے اور دوسرے پہنے۔ پھر مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے یہ پرنالہ لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا، میں آپؓ کو قسم دیتا ہوں کہ آپؓ میری کمر پر چڑھ کر یہ پرنالہ وہاں ہی لگائیں جہاں حضورؐ نے لگایا تھا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۴)

حضور ﷺ کے جسم مبارک کا بوسہ لینا

حضرت ابولیلیٰؓ کہتے ہیں:

حضرت اسید بن حضیرؓ بڑے نیک، ہنس مکھ اور خوبصورت آدمی تھے۔ایک مرتبہ وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ اتنے میں حضورؐ نے ان کے پہلو میں انگلی ماری۔انہوں نے کہا، آپؐ کے مارنے سے مجھے درد ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، بدلہ لے لو۔انہوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ نے تو قمیص پہنی ہوئی ہے اور میرے جسم پر کوئی قمیص نہیں تھی۔حضورؐ نے اپنی قمیص اوپر اٹھالی۔یہ (بدلہ لینے کی بجائے) حضورؐ کے سینے سے چمٹ گئے اور حضورؐ کے بوسے لینے شروع کر دیئے اور پھر یوں کہا، یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میرا مقصد تو یہ تھا (بدلہ لینے کا تذکرہ تو میں نے ویسے ہی کیا تھا، مقصد آپؐ کا بوسہ لینا تھا) (حیاۃ الصحابہؓ ۴۲۵/۲)

حضرت سوادؓ کی محبت کا عجیب انداز

حضرت حبان بن واسعؒ اپنی قوم کے چند عمر رسیدہ لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ:

حضورؐ نے جنگِ بدر کے دن اپنے صحابہؓ کی صفوں کو سیدھا کیا۔آپؐ کے ہاتھ میں نوک اور پر کے بغیر کا ایک تیر تھا جس سے آپؐ لوگوں کو برابر کر رہے تھے۔۔آپؐ حضرت سواد بن غزیہؓ کے پاس سے گزرے۔یہ بنوعدی بن نجار قبیلہ کے حلیف تھے اور صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔حضورؐ نے ان کے پیٹ میں وہ تیر چبھو کر فرمایا، اے سواد! سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کے تیر چبھونے سے مجھے درد ہو گیا اور اللہ نے آپؐ کو حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے لہٰذا آپؐ مجھے بدلہ

دیں۔اس پر آپؐ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر فرمایا،لو بدلہ لے لو۔وہ حضورؐ سے چمٹ گئے اور حضورؐ کے پیٹ کے بوسے لینے لگے۔حضورؐ نے فرمایا،اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟انہوں نے کہا،یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ دیکھ ہی رہے ہیں کہ لڑائی کا موقع آ گیا ہے(شاید میں اس میں شہید ہو جاؤں) تو میں نے چاہا کہ میری آپؐ سے آخری ملاقات اس طرح ہو کہ میری کھال آپؐ کی کھال سے مل جائے۔اس پر آپؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

تمنائے سفارش

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ کی ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جس نے (کپڑوں پر) زرد رنگ لگا رکھا تھا۔حضورؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔حضورؐ نے اس سے فرمایا،یہ ورس رنگ اتار دو (ورس یمن کی زرد رنگ کی بوٹی کا نام ہے) پھر آپؐ نے وہ ٹہنی اس آدمی کے پیٹ میں چبھو کر فرمایا،کیا میں نے تم کو اس سے روکا نہیں تھا؟ٹہنی چبھونے پر اس کے پیٹ پر نشان پڑ گیا لیکن خون نہیں نکلا۔اس آدمی نے کہا،یا رسول اللہ ﷺ! بدلہ دینا ہوگا۔ لوگوں نے کہا،کیا تم اللہ کے رسولؐ سے بدلہ لو گے؟اس نے کہا،کسی کی کھال میری کھال سے بڑھیا نہیں ہے۔حضورؐ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر فرمایا،لو بدلہ لے لو۔اس آدمی نے حضورؐ کے پیٹ کا بوسہ لیا اور کہا،میں اپنا بدلہ چھوڑتا ہوں تاکہ آپؐ قیامت کے دن میری سفارش فرمائیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۶)

آپؐ کے ہوتے ہوئے کسی کی پرواہ نہیں

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

جنگ اُحد کے دن اہل مدینہ کو شکست ہوگئی تو لوگوں نے کہا، حضرت محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ (یہ خبر سن کر سب مردوں، عورتوں نے رونا شروع کر دیا) اور مدینہ کے کونے کونے سے رونے والی عورتوں کی آوازیں بہت آنے لگیں۔ چنانچہ ایک انصاری عورت پردے میں مدینہ سے نکلی (اور میدان جنگ کی طرف چل پڑی) ان کے والد، بیٹے، خاوند اور بھائی چاروں اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے، یہ ان کے پاس سے گزریں۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ ان میں سے پہلے کس کے پاس سے گزریں۔ جب بھی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتیں تو پوچھتیں، یہ کون ہے؟ لوگ بتاتے کہ یہ تمہارے والد ہیں، بھائی ہیں، خاوند ہیں، بیٹے ہیں۔ وہ جواب میں یہی کہتیں کہ اللہ کے رسولؐ کا کیا ہوا؟ لوگ کہتے، حضورؐ آگے ہیں یہاں تک کہ وہ حضورؐ تک پہنچ گئی اور حضورؐ کے کپڑے کے ایک کونے کو پکڑ کر کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ جب آپؐ صحیح سالم ہیں تو مجھے اپنے مر جانے والوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۷)

ایک عورت کی بے قراری

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں:

جنگِ اُحد کے دن میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہا، اس دن حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کوئی بھی مدینہ منورہ میں نہیں رہا تھا (سارے ہی جنگ میں شریک تھے، جنگ بہت سخت تھی) اور شہداء کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اتنے میں ایک آدمی نے چیخ کر کہا، محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ (یہ سن کر) عورتیں رونے لگ گئیں۔ ایک عورت نے کہا، رونے میں جلدی نہ کرو، میں دیکھ کر آتی ہوں۔ چنانچہ وہ عورت پیدل چل پڑی اور اس کو

صرف حضورؐ ہی کا غم تھا اور وہ صرف حضورؐ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/ ۴۲۸)

محبوب کی حفاظت کے لئے جان کی بازی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

جنگِ اُحد کے دن حضرت ابوطلحہؓ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہوکر (دشمن پر) تیر چلا رہے تھے اور حضورؐ ان کے پیچھے تھے اور وہ حضورؐ کے لئے ڈھال بنے ہوئے تھے اور وہ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو حضورؐ اوپر ہوکر دیکھتے کہ تیر کہاں گرا ہے اور حضرت ابوطلحہؓ اپنا سینہ اوپر کر کے کہتے، یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ ایسے ہی نیچے رہیں، کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپؐ کی حفاظت کے لئے حاضر ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ حضورؐ کے سامنے خود کو ڈھال بنائے ہوئے تھے اور آپؐ کی حفاظت کی خاطر خود کو شہید ہونے کے لئے پیش کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے یارسول اللہ ﷺ! میں بہت مضبوط اور طاقتور ہوں، آپؐ مجھے اپنی تمام ضرورتوں میں استعمال فرمائیں اور جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/ ۴۲۸)

حضورؐ کی جدائی یاد آجانے پر صحابہ کرامؓ کا رونا

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ مرض الوفات میں ایک دن ہمارے پاس باہر تشریف لائے، ہم لوگ مسجد میں تھے۔ آپؐ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپؐ سیدھے منبر کی طرف تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے چل کر آپؐ کے پاس بیٹھ گئے اور آپؐ نے فرمایا، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں اس وقت حوض

کوثر پر کھڑا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی لیکن اس نے آخرت کو اختیار کرلیا ہے۔ اور تو کوئی نہ سمجھ سکا (کہ اس بندے سے کون مراد ہے؟) البتہ حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے (کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں) اور ان کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رو پڑے اور یوں کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، ہم اپنے ماں باپ اور اپنا مال اور جان سب آپؐ پر قربان کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ (منبر سے) نیچے تشریف لائے اور پھر انتقال تک منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۲۹)

جدائی کا غم

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ:

جب حضور ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو حضورؐ ان کو ہدایات دینے کے لئے ان کے ساتھ خود بھی (شہر سے) باہر نکلے۔ حضرت معاذؓ سواری پر سوار تھے اور حضورؐ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب حضورؐ ہدایات دینے سے فارغ ہوگئے تو فرمایا، اے معاذؓ! شاید اس سال کے بعد آئندہ تم مجھ سے نہ مل سکو اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ حضورؐ کی جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر حضور ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فرمایا، قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب متقی لوگ ہوں گے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (اس کے لئے کسی خاص قوم میں سے ہونا یا میرے شہر میں رہنا ضروری نہیں) (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۳۱)

آپؐ کی وفات کے خوف سے صحابہ کرامؓ کا رونا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انصار کے مرد اور عورتیں مسجد میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ حضورؐ نے پوچھا، وہ کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ اس ڈر سے رو رہے ہیں کہ کہیں آپؐ کا انتقال نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس پر حضورؐ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے منبر پر بیٹھ گئے۔ آپؐ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے اور آپؐ سر پر ایک میلی پٹی باندھے ہوئے تھے۔ حمد وثناء کے بعد آپؐ نے فرمایا:

''اما بعد! اے لوگو! آئندہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے، یہاں تک کہ انصار لوگوں میں ایسے ہو جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ لہٰذا جو بھی انصار کے کسی کام کا ذمہ دار بنے، اسے چاہئے کہ ان کے بھلا کرنے والے کی بھلائی کو قبول کرے اور ان کے برے سے درگزر کرے۔'' (حیاۃ الصحابہؓ ۴۳۲/۲)

کیوں رو رہی ہے؟

حضرت اُمّ فضلؓ بنت حارثؓ فرماتی ہیں:

میں حضور ﷺ کے مرض الوفات میں حضورؐ کی خدمت میں آئی اور میں رونے لگی۔ حضورؐ نے سر اٹھا کر فرمایا، کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کے انتقال کے خوف سے اور اس وجہ سے کہ پتہ نہیں آپؐ کے بعد ہمیں لوگوں کی طرف سے کیسا رویہ برداشت کرنا پڑے گا۔ حضورؐ نے فرمایا، تمہیں میرے بعد کمزور سمجھا جائے گا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۴۳۲/۲)

حضور ﷺ کا صحابہ کرامؓ اور امت کو الوداع کہنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ہمارے محبوب نبی کریم ﷺ (میرے والد اور میری جان ان پر قربان ہو) کے انتقال سے چھ دن پہلے ہمیں ان کے انتقال کی خبر ہو گئی تھی۔ جب جدائی کا وقت قریب آیا تو حضورؐ نے ہمیں اماں جان حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع فرمایا۔ ہمارے اوپر آپؐ کی نظر پڑی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور فرمایا، مرحباً! تمہیں خوش آمدید ہو، اللہ تمہاری عمر دراز کرے، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے، اللہ تمہیں ٹھکانہ دے، اللہ تمہاری مدد فرمائے، اللہ تمہیں بلند فرمائے، اللہ تمہیں ہدایت دے، اللہ تمہیں رزق دے، اللہ تمہیں توفیق عطا فرمائے، اللہ تمہیں سلامت رکھے، اللہ تمہیں قبول فرمائے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے اور تمہارے کام اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ میں تمہیں اس واضح بات سے ڈراتا ہوں کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کے بندوں کے متعلق اس کی زمین پر تکبر نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اور تم سے فرمایا ہے:

تلک الدار الأخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقین. (سورۃ قصص ۸۳)

''یہ عالمِ آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الیس فی جهنم مثویً للمتکبرین. (سورۃ زمر ۶۰)

''کیاان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا، اللہ کا مقرر کردہ وقت اور اللہ تعالیٰ سدرۃ المنتہیٰ (ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت ہے، فرشتوں کے پہنچنے کی حدو ہیں تک ہے اور یہ ایک مرکزی مقام ہے، عرش الٰہی سے احکام یہیں پہنچتے ہیں) جنت الماویٰ (متقیوں کی آرام گاہ والی جنت) لبریز پیالے اور سب سے بلند رفیق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس جانے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے۔ ہم نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت آپؐ کو غسل کون دے؟ آپؐ نے فرمایا، میرے خاندان کے مرد، سب سے زیادہ قریب کے رشتے والا، پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ پھر ہم نے پوچھا، ہم آپؐ کو کس میں کفن دیں؟ آپؐ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو میرے ان ہی کپڑوں میں دفن دے دینا یا یمنی جوڑے میں یا مصری کپڑوں میں کفن دے دینا۔ پھر ہم نے کہا، ہم میں سے کون آپؐ کی نمازِ جنازہ پڑھائے؟ یہ کہہ کر ہم بھی رو پڑے اور حضورؐ بھی۔ آپؐ نے فرمایا، ذرا ٹھہرو، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور تمہیں تمہارے نبیؐ کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو اور میرے جنازہ کو میرے اس کمرے میں قبر کے کنارے پر رکھ دو تو پھر تم تھوڑی دیر باہر چلے جانا کیونکہ سب سے پہلے میرے خلیل اور ہم نشین حضرت جبرائیل علیہ السلا میری نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر حضرت میکائیل، پھر حضرت اسرافیل، پھر ملک الموت علیہم السلام اپنے پورے لشکر کے ساتھ، پھر سارے فرشتے نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم ایک ایک جماعت بن کر اندر آنا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور کسی عورت کو نوحہ کر کے نہ رونے دینا اور نہ شور مچانے دینا اور نہ بلند آواز سے رونے دینا ورنہ مجھے تکلیف ہوگی۔ پہلے میرے خاندان کے مرد اندر آ کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں، پھر تم لوگ۔ تم میری طرف سے اپنے لئے سلام قبول کر لو اور جتنے میرے بھائی اس وقت غائب ہیں، انہیں میرا سلام کہہ دینا اور میں

تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرے بعد جو بھی تمہارے دین میں داخل ہو، میں اسے بھی سلام کر رہا ہوں اور آج سے لے کر قیامت تک جو بھی میرے دین کا اتباع کرے گا، میں اسے بھی سلام کہہ رہا ہوں۔ پھر ہم نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون آپؐ کو قبر میں اتارے؟ آپؐ نے فرمایا، میرے خاندان کے مرد اور ان کے ساتھ بہت سے فرشتے ہوں گے۔ وہ فرشتے تو تمہیں دیکھ رہے ہوں گے لیکن تم انہیں نہ دیکھ سکو گے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۳۲)

حضرت عثمانؓ کا غم

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں:

حضورؐ کا انتقال ہوا تو حضورؐ کے صحابہؓ کو اس کا اتنا زیادہ رنج و صدمہ ہوا کہ بعض صحابہؓ کو تو (یہ وسوسہ بھی آنے لگ گیا کہ اب اسلام مٹ جائے گا) میں بھی ان ہی لوگوں میں تھا۔ ایک دن میں مدینہ کی ایک حویلی میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہو چکی تھی کہ اتنے میں حضرت عمرؓ میرے پاس سے گزرے لیکن شدت غم کی وجہ سے مجھے ان کے گزرنے کا بالکل پتہ نہ چلا۔ حضرت عمرؓ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے خلیفہ رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایک عجیب بات نہ بتاؤں؟ میں حضرت عثمانؓ کے پاس سے گزرا اور میں نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۱)

رونق شام و سحر گئی

حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں:

حضور ﷺ (کا انتقال ہو چکا تھا اور ان) کا جنازہ ہمارے گھروں میں رکھا ہوا

تھا۔ ہم سب ازواج مطہرات جمع تھیں اور رو رہی تھیں اور اس رات ہم بالکل نہ سوئی تھیں۔ ہم آپ کو چارپائی پر دیکھ کر خود کو تسلی دے رہی تھیں کہ اتنے میں آخر شب میں حضورؐ کو دفن کردیا گیا اور قبر پر مٹی ڈالنے کے لئے ہم نے پھاوڑوں کے چلنے کی آواز سنی تو ہماری بھی چیخ نکل گئی اور مسجد والوں کی بھی اور سارا مدینہ اس چیخ سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی تو جب انہوں نے اذان میں حضورؐ کا نام لیا یعنی ''اشھد ان محمداً رسول اللہ'' کہا تو زور زور سے رو پڑے اور اس سے ہمارا غم اور بڑھ گیا۔ تمام لوگ آپؐ کی قبر کی زیارت کے لئے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے، اس لئے دروازہ اندر سے بند کرنا پڑا۔ ہائے.. کتنی بڑی مصیبت تھی۔ اس کے بعد جو بھی مصیبت ہمارے اوپر آئی تو حضورؐ (کے جانے) کی مصیبت کو یاد کر کے وہ مصیبت ہلکی ہوگئی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۴۴۲/۲)

مدینہ منورہ والوں کا رونا

حضرت ابوذؤیب ہذلیؓ فرماتے ہیں:

میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دیکھا کہ مدینہ والے اونچی آواز سے ایسے ایسے زور زور سے رو رہے ہیں جیسے کہ سارے حاجی احرام کی حالت میں زور سے لبیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا، حضور ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے۔ (اس وجہ سے سب لوگ رو رہے ہیں) (حیاۃ الصحابہؓ ۴۴۲/۲)

ویران ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
آپؐ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

شدت غم

حضرت عبیداللہ بن عمیرؓ فرماتے ہیں:

جب حضور ﷺ کا انتقال ہوا۔ اس وقت مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کے امیر حضرت عتاب بن اسیدؓ تھے۔ جب مکہ والوں کو حضورؐ کے انتقال کی خبر ملی تو مسجدِ حرام میں بیٹھے ہوئے سارے مسلمان زور زور سے رونے لگ گئے اور شدتِ غم کی وجہ سے حضرت عتابؓ تو مکہ مکرمہ سے باہر ایک گھاٹی میں چلے گئے (تا کہ تنہائی میں بیٹھ کر روتے رہیں) حضرت سہیل بن عمروؓ نے آ کر حضرت عتابؓ کو کہا (تنہائی چھوڑو اور کھڑے ہو کر لوگوں میں بات کرو۔ انہوں نے کہا، حضورؐ کے انتقال کی وجہ سے مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں۔ حضرت سہیلؓ نے کہا، آپؓ میرے ساتھ چلیں، آپؓ کی جگہ میں بات کرلوں گا۔ چنانچہ دونوں اس گھاٹی سے نکل کر مسجدِ حرام آئے اور حضرت سہیلؓ نے کھڑے ہو کر بیان کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اپنے بیان میں وہ تمام باتیں کہہ دیں جو حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ میں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک بات بھی نہ چھوڑی (اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ والوں کے سنبھالنے کا ذریعہ بنالیا)۔

جنگِ بدر کے موقع پر حضرت سہیل بن عمروؓ بھی کافر قیدیوں میں تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے آگے کے دانت نکالنا چاہتے تھے تو ان سے حضورؐ نے فرمایا تھا۔ اے عمرؓ! تم کیوں ان کے آگے کے دانت نکالنے لگے ہو؟ انہیں چھوڑ دو۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں (اپنے دین کی خدمت کے لئے) کھڑے ہونے کا ایسا زبردست موقع دے جس سے تمہیں بہت زیادہ خوشی ہو۔ چنانچہ یہ وہی موقع تھا جس کی حضورؐ نے خبر دی تھی اور ان کے اس بیان کا بہت اثر ہوا اور مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقے کے مسلمان سنبھل گئے اور حضرت عتابؓ کی امارت اور مضبوط ہوگئی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۴۴۳/۲)

خوشیاں رخصت ہوگئیں

حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور ﷺ (کے انتقال) کے بعد کبھی حضرت فاطمہؓ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں صرف تھوڑا سا مسکرا لیتیں جس سے چہرے کی ایک جانب ذرا لمبی ہو جاتی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۳)

تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں؟
شام و سحر کا نام ہے شام و سحر کہاں؟

ایمانی حالت

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کے انتقال پر لوگ رونے لگے اور کہنے لگے، اللہ کی قسم! ہماری تمنا یہ تھی کہ ہم حضورؐ سے پہلے مرجاتے کیونکہ اب ہمیں خطرہ ہے کہ آپؐ کے بعد کہیں ہم فتنوں میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ اس پر حضرت معن بن عدیؓ نے فرمایا، لیکن اللہ کی قسم! میری تمنا تو یہ نہیں تھی کہ حضورؐ سے پہلے مرجاتا بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جیسے میں نے حضورؐ کی زندگی میں حضورؐ کو سچا مانا اور ان کی تصدیق کی، ایسے ہی ان کے انتقال کے بعد ان کی تصدیق کروں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۵)

حضرت فاطمہؓ کا غم

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

جب نبی کریم ﷺ کی بیماری اور بڑھ گئی اور آپؐ بہت زیادہ بے چین ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے کہا، ہائے ابا جان کی بے چینی۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا، آج کے بعد تمہارے والد پر کبھی بے چینی نہیں آئے گی۔ پھر جب حضورؐ کا انتقال ہو گیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، ہائے میرے ابا جان نے ربّ کی دعوت قبول کر لی، ہائے میرے ابا جان کا

ٹھکانہ جنت الفردوس بن گیا، ہائے میرے ابا جان! ان کی موت پر ہم حضرت جبرائیلؑ سے تعزیت کرتے ہیں۔ پھر جب حضورؐ دفن ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اے انسؓ! تمہارے دل حضورؐ پر مٹی ڈالنے کے لئے کیسے آمادہ ہو گئے۔

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اے انسؓ! تمہارے دل کیسے آمادہ ہو گئے کہ تم حضورؐ کو مٹی میں دفنا کر واپس آ گئے؟ حضرت حماد کہتے ہیں، جب حضرت ثابتؓ یہ حدیث بیان کرتے تو اتنا روتے کہ پسلیاں ہلنے لگتیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۵)

حضرت صفیہؓ کے درد بھرے اشعار

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں:

(حضورؐ کی پھوپھی) حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے حضورؐ کی وفات پر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''جب ہم حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس گئے تو ہماری گردن کے بال غم کی وجہ سے سفید ہو گئے۔''

''جب ہم نے آپؐ کے گھر والوں کو دیکھا کہ اب وہ وحشت ناک ہو گئے ہیں اور میرے حبیبؐ کے بعد اب ان میں کوئی نہیں رہا۔''

''تو اس سے مجھ پر بہت بڑا غم طاری ہو گیا جو بہت دیر تک رہے گا اور جو میرے دل میں ایسا پیوست ہوا کہ وہ دل رعب زدہ ہو گیا۔''

اور یہ اشعار بھی حضرت صفیہؓ نے کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''غور سے سنو، یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ ہمارے ساتھ سہولت کا معاملہ کرنے والے تھے، آپؐ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے اور سخت معاملہ کرنے والے نہ تھے۔''

''آپؐ ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرنے والے اور نہایت مہربان اور ہمارے نبیؐ تھے اور ہر رونے والے کو آج آپؐ پر رولینا چاہئے۔''

''میری زندگی کی قسم! میں نبی کریمؐ کی موت کی وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ آپؐ کے بعد آنے والے فتنوں اور اختلافات کی وجہ سے رو رہی ہوں۔''

''حضرت محمد ﷺ کے تشریف لے جانے اور ان کی محبت کی وجہ سے میرے دل پر گرم لوہے سے داغ لگے ہوئے ہیں۔''

''اے فاطمہؓ! حضرت محمد ﷺ کا ربّ اللہ تعالیٰ اس قبر پر رحمت بھیجے جو یثرب میں آپؐ کا ٹھکانہ بنی ہے۔''

''میں حضرت حسنؓ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپؐ نے اسے یتیم کر دیا اور اسے اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ رو رو کر دور چلے جانے والے اپنے نانا کو پکار رہا ہے۔''

''میری ماں، خالہ، چچا اور میری جان اور میری آل اولاد سب اللہ کے رسولؐ پر قربان ہیں۔''

''آپؐ نے صبر فرمایا اور انتہائی صداقت کے ساتھ آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور آپؐ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ آپؐ دین میں مضبوط اور آپؐ کی ملت واضح اور آپؐ کا دین بالکل صاف ستھرا ہے۔''

''اگر عرش کا مالک آپؐ کو ہم میں باقی رکھتا تو ہم بڑے خوش قسمت ہوتے لیکن (آپؐ کے انتقال فرمانے کا) اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔''

''اللہ کی طرف سے آپؐ پر سلام اور تحیہ ہو اور آپؐ کو خوشی خوشی جنات عدن میں داخل کیا جائے۔''

حضرت محمد بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں، جب حضورؐ کا انتقال ہوا تو حضرت صفیہؓ (حضورؐ کے سامنے) اپنی چادر سے اشارہ کر کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''آپؐ کے بعد پریشان کن حالات اور سخت مصیبتیں پیش آ گئی ہیں، اگر آپؐ
اس موقع پر تشریف فرما ہوتے تو یہ حالات اور مصیبتیں اتنی زیادہ نہ ہوتیں۔''

حضرت غنیم بن قیسؒ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے والد کو سنا کہ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''ہوش سے سنو! حضرت محمد ﷺ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے
میں ہلاک ہو گیا۔ حضورؐ کی زندگی میں میرا خاص ٹھکانہ تھا۔''
''جہاں میں ساری رات صبح تک امن و چین سے گزارتا تھا۔''

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۵)

قدم قدم پر غموں کے میلے

حضرت عاصم بن محمدؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

جب بھی حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کا تذکرہ کرتے تو ایک دم بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۵)

عشق لافانی ہے

حضرت مثنیٰ بن سعید ذارعؒ کہتے ہیں:

میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ہر رات اپنے حبیب ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہوں اور یہ فرما کر رونے لگ پڑے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۴۸)

گستاخ رسولؐ کا انجام

حضرت کعب بن علقمہؒ کہتے ہیں:

حضرت غرفہ بن حارث کندیؓ کو نبی کریم کی صحبت حاصل تھی۔ یہ ایک آدمی سے پاس سے گزرے جس کے ساتھ امن دینے کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ حضرت غرفہ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہہ دیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عاصؓ نے ان سے کہا، یہ لوگ معاہدے کی پابندی کی وجہ سے ہم سے مطمئن تھے (تم نے قتل کر کے معاہدہ توڑ دیا) حضرت غرفہ نے کہا، ہم نے ان سے اس بات پر امن کا معاہدہ نہیں کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں (برا بھلا کہہ کر) ہمیں تکلیف پہنچائیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۰)

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی اطاعت رسولؐ

حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو (بطن) نخلہ مقام پر بھیجا اور ان سے فرمایا، تم وہاں جاؤ اور قریش کے بارے میں کچھ خبر لے کر آؤ۔ حضورؐ نے انہیں لڑنے کا حکم نہیں دیا اور یہ اشہر حرم یعنی جن مہینوں میں کافر لوگ آپس میں لڑا نہیں کرتے تھے، ان مہینوں کا واقعہ ہے۔ حضورؐ نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے کہاں جانا ہے بلکہ انہیں ایک خط لکھ کر دیا (جو کہ بند تھا) اور ان سے فرمایا، تم اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤ اور جب چلتے چلتے دو دن ہو جائیں تو یہ خط کھول کر دیکھ لینا اور اس میں، میں نے تمہیں جس چیز کا حکم دیا ہو اس پر عمل کر لینا۔ (خط پڑھنے کے بعد) اپنے کسی ساتھی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرنا۔ دو دن سفر کرنے کے بعد انہوں نے وہ خط کھولا اور اسے پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا

کہ یہاں سے چل کر مقامِ نخلہ پر پہنچو اور قریش کے بارے میں تمہیں جو خبریں پہنچیں، تم وہ لے کر ہمارے پاس آؤ۔ خط پڑھ کر حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میں تو اللہ کے رسولؐ کی بات سنوں گا بھی اور مانوں گا بھی۔ تم میں سے جسے شہادت کا شوق ہو، تو وہ میرے ساتھ چلے۔ میں تو وہاں جا رہا ہوں اور حضورؐ کے حکم کو پورا کروں گا اور جسے شوق نہ ہو، وہ واپس چلا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے مجبور کر کے ساتھ لے جانے سے مجھے منع کیا ہے لیکن وہ تمام صحابہؓ اُن کے ساتھ نخلہ گئے۔ (ان میں سے کوئی واپس نہ گیا)

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۰)

شوقِ اطاعت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں:

ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے سنا کہ حضورؐ فرما رہے ہیں، بیٹھ جاؤ۔ یہ وہیں مسجد سے باہر اسی جگہ بیٹھ گئے اور خطبہ ختم ہونے تک وہیں بیٹھے رہے۔ جب حضورؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے ان سے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کا شوق تمہیں اور زیادہ نصیب فرمائے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۷)

اطاعت کا عجیب انداز

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے، آپؐ نے لوگوں سے فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت مسجد کے دروازے پر پہنچ چکے تھے، یہ سنتے ہی وہیں بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا، اے عبداللہؓ! اندر آ جاؤ۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۷)

مال وزر جہاں کی تمنا نہیں ہے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے، ہم بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ایک اونچا قبہ دیکھا تو پوچھا، یہ کس کا ہے؟ آپؐ کے صحابہؓ نے عرض کیا، فلاں انصاری کا ہے۔ حضورؐ سن کر خاموش ہو رہے اور آپؐ نے دل میں یہ بات رکھی۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور لوگوں کی موجودگی میں انہوں نے سلام کیا۔ حضورؐ نے اعراض فرمایا (اور سلام کا جواب بھی نہ دیا) چند بار ایسے ہی ہوا کہ وہ سلام کرتے، حضورؐ اعراض فرمالیتے۔ آخر وہ سمجھ گئے کہ حضورؐ ناراض ہیں اس لئے اعراض فرمارہے ہیں۔ انہوں نے صحابہؓ سے اس کی وجہ پوچھی اور یوں کہا، اللہ کی قسم! میں آج اللہ کے رسولؐ کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے۔ صحابہؓ نے بتایا کہ حضورؐ باہر تشریف لائے تھے تو تمہارا قبہ دیکھا تھا۔ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور قبہ کو گرا کر بالکل زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا۔ (پھر آکر حضورؐ سے عرض بھی نہ کیا) ایک دن حضورؐ کا اس جگہ گزر ہوا تو آپؐ کو وہاں وہ قبہ نظر نہ آیا۔ آپؐ نے پوچھا، اس قبہ کا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، قبہ والے انصاری نے آپؐ کے اعراض کا ہم سے ذکر کیا تھا، ہم نے اسے بتادیا تھا، انہوں نے آکر اسے بالکل گرادیا۔ حضورؐ نے فرمایا، ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے مگر وہ تعمیر جو سخت ضروری اور مجبوری کی ہو۔

ابن ماجہ میں یہ ہے کہ اس کے بعد کسی موقع پر حضورؐ کا وہاں سے گزر ہوا۔ حضورؐ کو وہ قبہ وہاں نظر نہ آیا۔ حضورؐ نے اس کے بارے میں پوچھا تو صحابہؓ نے بتایا کہ جب ان انصاری کو پتہ چلا تو انہوں نے اس قبہ کو گرادیا۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ اس پر رحم کرے، اللہ اس

پر رحم کرے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۸)

مال و زر جہاں کی تمنا نہیں ہے مجھے
عشق رسولؐ میری متاع حیات ہے

حضورؐ کے ایک اشارے پر

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:

میں حضورؐ کے ساتھ عقبہ اذاخر کیا (یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) میرے اوپر سرخ رنگ کی ایک چادر تھی۔ حضورؐ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، یہ کیسا کپڑا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ حضورؐ کو یہ چادر پسند نہیں آئی۔ میں اپنے گھر واپس آیا، گھر والے تنور میں آگ جلا رہے تھے، میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے پوچھا، اس چادر کا کیا ہوا؟ میں نے کہا، میں نے اسے تنور میں ڈال دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے گھر والوں میں سے کسی کو کیوں نہ دے دی؟ (عورتوں کے لئے اس رنگ کے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے) (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۸)

آنحضرتؐ کی خوشنودی کے لئے

حضرت سہل بن حنظلیہ عبشمیؓ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا، خریم اسدی بہت اچھا آدمی ہے، اگر اس میں دو باتیں نہ ہوں۔ ایک تو اس کے سر کے بال بہت بڑے ہیں، دوسرے وہ لنگی ٹخنوں کے نیچے باندھتا ہے۔ حضرت خریمؓ کو حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا تو فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۹)

ارشاد نبویؐ پر عمل

حضرت جثامہ بن مساحق بن ربیع بن قیس کنانی رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کی طرف سے ہرقل کے پاس قاصد بن کر گئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

میں ہرقل کے پاس جا کر بیٹھ گیا، میں نے خیال نہ کیا کہ میرے نیچے کیا ہے؟ میں کس پر بیٹھ رہا ہوں؟ وہ سونے کی کرسی تھی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں فوراً اس سے اٹھ کر نیچے بیٹھ گیا تو ہرقل ہنس پڑا اور اس نے مجھ سے پوچھا، ہم نے یہ کرسی تمہارے اکرام کے لئے رکھی تھی، تم اس سے کیوں اٹھ گئے؟ میں نے کہا، میں نے حضور ﷺ کو اسی جیسی چیزوں سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۵۹)

ایک لڑکی کا جذبہ اطاعت

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں:

میں نے انصار کی ایک لڑکی سے منگنی کی اور پھر حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اسے دیکھ لو، اس سے تم دونوں کے درمیان محبت اور جوڑ بڑھے گا۔ میں نے اس لڑکی کے گھر جا کر اس کے والدین سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ دونوں (حیران ہو کر) ایک دوسرے کو دیکھنے لگے (اور لڑکی دکھانے میں شرم محسوس کرنے لگے) اس لئے میں کھڑا ہو کر گھر سے باہر آ گیا۔ اس پر اس لڑکی نے کہا، اس آدمی کو میرے پاس لاؤ اور وہ خود پردے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا، اگر حضور ﷺ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ آپ مجھے دیکھیں تو ضرور دیکھ لیں ورنہ میری طرف سے دیکھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اسے دیکھا اور پھر میں نے اس سے شادی کی۔ میں نے جتنی عورتوں سے شادی کی، ان میں سے

سب سے زیادہ مجھے اسی سے محبت تھی اور اس کی قدر میری نگاہ میں سب سے زیادہ تھی۔ حالانکہ میں نے ستر عورتوں سے شادی کی ہے۔(ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں ہوتی تھیں) (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۶۶۰)

حضرت ابو حذیفہؓ کی ندامت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے جنگِ بدر کے دن اپنے صحابہؓ سے فرمایا، مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بنو ہاشم اور بعض دوسرے قبیلے کے لوگوں کو یہاں زبردستی لایا گیا ہے، وہ ہم سے لڑنا نہیں چاہتے لہٰذا تم میں سے جس کے سامنے بنو ہاشم کا کوئی آدمی آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے اور جس کے سامنے ابوالبختری بن ہشام بن حارث بن اسد آجائے، وہ اسے قتل نہ کرے اور جس کے سامنے عباس بن عبدالمطلب حضورؐ کے چچا آجائیں، وہ انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ بھی مجبوراً آئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ نے کہا، ہم تو اپنے باپ، بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر عباسؓ میرے سامنے آگئے تو میں تو تلوار سے ان کے ٹکڑے کر دوں گا۔

حضورؐ کو جب یہ بات پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، اے ابو حفصؓ! حضرت عمرؓ کہتے ہیں، اللہ کی قسم! یہ پہلا دن تھا جس دن حضورؐ نے میری کنیت ابو حفص رکھی (کنیت سے پکارنے کے بعد آپؐ نے فرمایا) یا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار کا وار کیا جائے گا؟ حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیں، میں تلوار سے ابو حذیفہؓ کی گردن اڑا دوں۔ اللہ کی قسم! وہ منافق ہو گیا ہے۔(اس وقت جوش میں حضرت ابو حذیفہؓ یہ بات کہہ بیٹھے لیکن بعد میں) حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا، میں اس دن جو (غلط) بات

کہہ بیٹھا تھا، میں اب تک اپنے آپ کو (عذابِ خداوندی کے) خطرے میں محسوس کررہا ہوں اور مجھ پر خوف طاری ہے اور میرے اس گناہ کا کفارہ صرف اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت ہی ہوسکتی ہے، چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۶۶)

حضرت ابولبابہؓ کی پشیمانی

حضرت معبد بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ:

حضور ﷺ نے بنوقریظہ (کے یہودیوں) کا پچیس دن تک محاصرہ فرمایا، یہاں تک کہ اس محاصرے سے وہ سخت پریشان ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے بنوقریظہ پر تین باتیں پیش کیں۔ یا تو ایمان لے آؤ یا اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے اپنی موت کی تلاش میں قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں سے میدانِ جنگ میں لڑو یا ہفتہ کی رات میں مسلمانوں پر شبخون مارو۔ بنوقریظہ نے (سردار کی تینوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے) کہا، ہم ایمان بھی نہیں لا سکتے اور (چونکہ ہفتہ کی رات میں دشمن پر حملہ کرنا ہماری شریعت میں حرام ہے اس لئے) ہم ہفتہ کی رات میں لڑائی کو حلال قرار نہیں دے سکتے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو خود قتل کردینے کے بعد ہماری کیا زندگی ہوگی؟

یہ یہودی (زمانہ جاہلیت میں) حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کے حلیف تھے، اس لئے انہوں نے ان کے پاس آدمی بھیج کر ان سے حضورؐ کے فیصلے پر اترنے کے بارے میں مشورہ مانگا۔ انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ حضورؐ تمہارے ذبح کئے جانے کا فیصلہ کریں گے (اس وقت تو وہ حضورؐ کی بات بتا گئے لیکن) بعد میں ان کو ندامت ہوئی۔ جس پر وہ حضورؐ کی مسجد نبویؐ میں گئے، اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا،

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۶۷)

حضرت ثابت بن قیس کی بے چینی

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو چند دن نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں ابھی اس کا پتہ کر کے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ صحابیؓ حضرت ثابت کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا، کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا، بڑا برا حال ہے کیونکہ مجھے اونچی آواز سے بولنے کی عادت ہے اور میری آواز حضورؐ کی آواز سے اونچی ہو جاتی تھی۔ (اور اب اس بارے میں قرآن پاک کی آیات نازل ہو چکی ہیں جن کے مطابق) میرے پہلے تمام اعمال برباد ہو چکے ہیں اور میں دوزخ والوں میں ہو گیا ہوں۔ ان صحابیؓ نے حاضر خدمت ہو کر حضورؐ کو بتایا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ بن انس راوی کہتے ہیں، حضورؐ نے ان صحابیؓ سے فرمایا، جا کر حضرت ثابتؓ سے کہہ دو کہ تم جہنم والوں میں سے نہیں ہو بلکہ جنت والوں میں سے ہو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر حضرت ثابتؓ کو یہ زبردست بشارت سنائی۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۶۷)

شمع ہدایت کی پیروی

حضرت انس بن مالکؓ نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک دن چاندی کی انگوٹھی دیکھی (اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھی) تو لوگوں نے انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں۔ بعد میں حضورؐ نے وہ انگوٹھی اتار دی تو لوگوں نے بھی اتار دیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، حضورؐ سونے کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ ایک دن آپؐ نے وہ اتار دی اور فرمایا، آئندہ میں یہ انگوٹھی کبھی نہیں پہنوں گا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار دیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۰)

کسی کی ادائے ہوش رُبا یاد آگئی

حضرت ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے پاس جب پہنچتے تو اس کے نیچے دوپہر کو آرام فرماتے اور اس کی وجہ یہ بتایا کرتے کہ حضور ﷺ نے اس درخت کے نیچے دوپہر کو آرام فرمایا تھا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۹)

حضرت قرہؓ کی اطاعت رسولؐ

حضرت قرہؓ فرماتے ہیں:

میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم آپؐ سے بیعت ہوئے۔ جب ہم آپؐ سے بیعت ہوئے، اس وقت آپؐ کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے آپؐ کے کرتے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر مہر نبوت کو چھوا۔

حضرت عروہ راوی کہتے ہیں، میں نے دیکھا کہ (حضرت قرہ کے صاحبزادے) حضرت معاویہ کی اور حضرت معاویہ کے بیٹے کی گھنڈیاں گرمی سردی ہر موسم میں ہمیشہ کھلی رہا کرتی تھیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۸۲)

میں وہ کر چکا ہوں

حضرت محمد بن سلمہؓ فرماتے ہیں:

حضورؐ نے فرمایا، جب تم دیکھو کہ لوگ دنیا پر لڑ رہے ہیں تو تم اپنی تلوار لے کر

پتھریلے میدان میں چلے جانا اور وہاں سب سے بڑی چٹان پر اپنی تلوار مار مار کر توڑ دینا، پھر اپنے گھر آ کر بیٹھ جانا یہاں تک کہ یا تو (ناحق قتل کرنے والا) خطا کار ہاتھ تمہیں قتل کر دے یا طبعی موت تمہارا فیصلہ کر دے۔ حضورؐ نے مجھے جس بات کا حکم دیا تھا، میں وہ کر چکا ہوں۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۱۷)

تعمیل ارشاد

حضرت محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے مجھے ایک تلوار عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا، اے محمد بن مسلمہ! اس تلوار کو لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے رہو اور جب تم دیکھو کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے لگی ہیں تو یہ تلوار پتھر پر مار کر توڑ دینا اور پھر اپنی زبان اور ہاتھ کو روکے رکھنا یہاں تک کہ یا تو موت آ کر فیصلہ کر دے یا خطا کار ہاتھ تمہیں قتل کر دے۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور لوگوں میں آپس میں لڑائی شروع ہو گئی تو حضرت محمد بن مسلمہ اپنے گھر کے صحن میں رکھی ہوئی چٹان کے پاس گئے اور اس پر مار کر وہ تلوار توڑ دی۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۱۷)

جنت میں آپؐ کی رفاقت

حضرت ربیعہؓ کہتے ہیں کہ:

میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گزارتا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک، مصلیٰ وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! جنت میں آپؐ کی رفاقت۔ آپؐ نے فرمایا اور کچھ۔ عرض کیا کہ بس یہی چیز مطلوب ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت سے۔ (ابوداؤد فضائل اعمال ۶۸)

یہ حضورؐ کے مہمان ہیں

ایک صحابیؓ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا، کہیں کچھ نہ ملا تو حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے۔ ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں مہمانی کروں گا۔ ان کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضورؐ کے مہمان ہیں، جو اکرام کر سکے اس میں کسر نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا، خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابیؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دیجیو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تو چراغ کو درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا۔ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گزری جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یؤثرون علیٰ انفسھم.

''اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔''

(فضائل اعمال ۷۰)

انفاق کا جذبہ

حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ:

مجھے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ

کا بچہ ایک سالہ واجب تھا۔ میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگا کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام کا۔ انہوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں۔ البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضورِ اقدس ﷺ سفر میں ہیں اور آج کا پڑاؤ فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو اگر منظور فرمالیا تو مجھے انکار نہیں ورنہ میں معذور ہوں۔

وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضورِ اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس آپؐ کے قاصد زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم! مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرف فرمایا ہو، اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضورؐ ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ ہی کا نفع ہے، نہ سواری کا۔ اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہیں فرمایا، اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتلائی مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ مال دو تو قبول ہے، اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضورؐ نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ **(فضائل اعمال ۱۷)**

حضورؐ نے دیکھنے سے منع فرمادیا

حضورِ اقدس ﷺ کے چچا حمزہؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اور بے درد کافروں نے آپؓ کے کان، ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے

ظلم کیے۔ لڑائی کے اختتام پر حضورِ اکرم ﷺ اور دوسرے صحابہؓ شہیدوں کی نعشیں تلاش فرما کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھا، نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہؓ تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت دیکھیں۔ حضورؐ نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں، ایسے ظلموں کو دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا۔ ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضورؐ نے دیکھنے سے منع فرما دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک، کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے، اللہ کے راستے میں یہ کون سی بڑی بات ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیرؓ نے جا کر اس کلام کا ذکر کیا تو حضورؐ نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی۔ آ کر دیکھا، انا اللہ پڑھی اور ان کے لئے استغفار اور دعا کی۔ (فضائل اعمال ۷۳)

سوئے مقتل چل دیئے

حضرت وہبؓ بن قابوسؓ ایک صحابیؓ ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے۔ اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسّی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، پوچھا کہ:

حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی۔ حضورؐ نے فرمایا، جو ان کو منتشر کر دے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے۔ حضرت وہبؓ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش

آئی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حضورؐ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی، اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہید ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہبؓ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی اور شہید ہونے کے بعد حضورؐ کو میں نے دیکھا کہ وہبؓ کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں۔ اس کے بعد حضورؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے دفن فرمایا باوجودیکہ اس لڑائی میں حضورِ اقدس ﷺ خود بھی زخمی تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہبؓ کے عمل پر آیا۔ میں دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہنچوں۔

(فضائل اعمال ۷۶)

جو رستہ ادھر کو جاتا ہے مقتل سے گزر کر جاتا ہے

غزوۂ بدر میں حضورِ اقدس ﷺ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور متقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن الحمامؓ ایک صحابی ہیں، وہ بھی سن رہے تھے۔ کہنے لگے، واہ واہ۔ حضورؐ نے فرمایا، واہ واہ کس بات پر کہا۔ عرض کیا، یا رسول اللہؐ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا، تم بھی ان میں سے ہو۔ اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہیں، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک

لڑتے رہے۔ (فضائل اعمال ۸۹)

ہاں جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجئے
جو رستہ ادھر کو جاتا ہے مقتل سے گزر کر جاتا ہے

حضرت ابن عمروؓ کا چادر کو جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے اوپر ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے دیکھ کر فرمایا، یہ کیا اوڑھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضورؐ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے۔ گھر والوں کے پاس واپس ہوتا تو انہوں نے چولہا جلا رکھا تھا۔ میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا، وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی، عورتوں کے پہننے میں تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ (فضائل اعمال ۱۱۴)

صحابہؓ کا سرخ چادروں کو اتارنا

حضرت رافعؓ کہتے ہیں کہ:

ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضورِ اقدسؐ کے ہمرکاب تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دم ایسے گھبرا کے اٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتار دیں۔ (فضائل اعمال ۱۱۶)

حضرت وائلؓ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ:

میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا، میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔

میں سامنے آیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

ذباب......ذباب

میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن یہ اچھا کیا۔ (فضائل اعمال ۱۱۶)

شوق تعبداری

دمشق میں سہل بن حنظلیہ نامی ایک صحابیؓ رہا کرتے تھے جو نہایت یکسو تھے۔۔ بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں مسجد میں آتے جاتے۔ راستہ میں حضرت ابوالدرداءؓ پر جو مشہور صحابی ہیں، گزر ہوتا۔ ابوالدرداؓ فرماتے کہ:

کوئی کلمہ خیر سناتے جاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہیں ہمیں نفع ہو جائے گا۔ تو وہ کوئی واقعہ حضورؐ کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح جا رہے تھے، ابوالدرداؓ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ خریم اسدی اچھا آدمی ہے اگر دو باتیں نہ ہوں۔ ایک سر کے بال بہت بڑھے رہتے ہیں، دوسرے لنگی ٹخنوں سے نیچے باندھتا ہے۔ ان کو حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا، فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلی تک

باندھنا شروع کر دی۔ (فضائل اعمال ۱۱۷)

حضرت ابن عمرؓ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابن عمرؓ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنا لیں گی، آزادی اور فساد و آوارگی کا۔ حضرت ابن عمرؓ بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضورؐ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ان صاحبزادے سے بولنا چھوڑ دیا۔

(فضائل اعمال ۱۱۸)

جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ:

قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ برادرزادہ اللہ جل شانہ نے حضورِ اقدسؐ کو نبی بنا کر بھیجا، ہم لوگ انجان تھے، کچھ نہیں جانتے تھے۔ بس جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا ہے، وہ کریں گے۔ (فضائل اعمال ۱۱۸)

تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا

عبداللہ ابن مغفلؓ کا ایک نوعمر بھتیجا خذف سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ:

برادرزادہ ایسا نہ کرو۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں، نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضورؐ کا ارشاد سناتا ہوں تو پھر اسی کام کو کرتا ہے، خدا کی قسم! تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے۔ خدا کی قسم! نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت کروں گا۔ (فضائل اعمال ۱۱۹)

اب کسی کو نہیں ستاؤں گا

حکیم بن حزامؓ ایک صحابی ہیں، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ طلب کیا۔ حضورؐ نے عطا فرمایا۔ پھر کسی موقع پر کچھ مانگا، حضورؐ نے پھر مرحمت فرمادیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ حضورؐ نے عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ:

حکیم یہ مال سبز باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے مگر اس کا دستور یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغنا سے ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیمؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حکیمؓ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بار بار اصرار کیا مگر انہوں نے انکار ہی فرمادیا۔ (فضائل اعمال ۱۱۹)

یہی بہت ہے تری چشم انتخاب ہوں میں

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ:

غزوۂ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکہ کے کفار اور ان کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لئے تیار تھے اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنوقریظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تلے ہوئے تھے جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل وعیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضورِ اقدس ﷺ ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔

اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی، نہ اس کے بعد اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم تین سو کا مجمع اسی جگہ تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے اور اس اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس سے حضورؐ کا گزر ہوا، میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں بیوی کی تھی۔ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، کون ہے؟ میں نے عرض کیا، حذیفہ۔ مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ

اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے؟ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا مگر تعمیل ارشاد میں اٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضورؐ نے دعا دی:

اللّٰھم احفظہٗ من بین یدیہ ومن خلفہٖ وعن یمینہٖ وعن شمالہٖ ومن فوقہٖ ومن تحتہٖ.

''یااللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے۔''

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضورؐ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو۔ چپ چاپ دیکھ کر آجاؤ کہ کیا ہو رہا ہے؟ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔ ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ پر پھیرتا ہے اور ہر طرف سے واپس چل دو، واپس چل دو کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے۔

ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا، آگ پر سینک رہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں۔ ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا مگر پھر حضورؐ کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا اس لئے تیر کو ترکش میں رکھ دیا۔ ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے تم میں کوئی جاسوس ہے۔ ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا، تو کون ہے؟

وہ کہنے لگا، سبحان اللہ! تو مجھے نہیں جانتا، میں فلاں ہوں۔ میں وہاں سے واپس آیا، جب آدھے راستہ پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے۔ انہوں نے کہا، اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا ہے، بےفکر رہیں۔ میں واپس پہنچا تو حضورؐ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضورؐ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا، عرض کر دیا۔ جاسوس کا قصہ سن کر دندان مبارک چمکنے لگے۔ حضورؐ نے مجھے اپنے پاؤں کے قریب لٹا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینے کو حضورؐ کے تلوؤں سے چمٹا لیا۔ (فضائل اعمال ۱۲۰)

گوارا ہو نہیں سکتا یہ کام اسلام کے اندر

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ حضورِ اقدس ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی، وہاں جا کر خاوند مرتد ہو گیا اور اسی حالتِ ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گزارا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا۔

نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں ان کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضورؐ سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا۔ اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمّ حبیبہؓ نے وہ بستر الٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا؟ اس لئے لپیٹ دیا یا میں بستر کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا کہ یہ

اللہ تعالیٰ کے پاک اور پیارے رسولؐ کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرف ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہوگئیں مگر اُمّ حبیبہؓ کے دل میں حضورؐ کی جو عظمت تھی، اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا کرسکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک باپ ہو یا غیر ہو، حضورؐ کے بستر پر بیٹھ سکے۔

ایک مرتبہ حضورؐ سے چاشت کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھادیا۔ (فضائل اعمال ۱۳۱)

فضا میں گونج اٹھی پھر صدا اللہ اکبر کی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مشہور اور بڑے صحابہؓ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرسکتے، میرے دونوں جانب بچے ہیں، یہ کیا مدد کرسکیں گے۔ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا، چچا جان! تم ابوجہل کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں پہچانتا ہوں، تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے اس سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا

اور جو پہلے نے کہا تھا، وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا نظر آیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کرر ہے تھے، وہ جا رہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی، یہاں تک کہ اس کو گرا دیا۔ (فضائل اعمال ۱۴۵)

شرطِ ایمان...... مصطفیٰ ﷺ سے والہانہ پیار ہے

۵ھ میں بنو المصطلق کی مشہور جنگ ہوئی۔ اس میں ایک مہاجری اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہوگئی، معمولی بات تھی مگر بہت بڑھ گئی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہوگئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ گرم ہو جائے کہ درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرا دی۔ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا، اس لئے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا۔

اس کو جب اس قصے کی خبر ہوئی تو اس نے حضورِ اقدسؐ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانہ دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا، اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ اگر مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت زید بن ارقمؓ نوعمر بچے تھے، وہاں موجود تھے۔ یہ سن کر تاب نہ لا سکے۔ کہنے لگے کہ خدا کی قسم! تو ذلیل ہے، تو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تیرا

کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد ﷺ عزت والے ہیں، رحمٰن کی طرف سے بھی عزت دیئے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کہ اچھا چپ کارہ، میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ مگر حضرت زیدؓ نے جا کر حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے مگر حضورؐ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔

عبداللہ بن ابی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضورؐ تک یہ قصہ پہنچ گیا ہے تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زیدؓ نے جھوٹ نقل کر دیا۔ انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے، انہوں نے بھی سفارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے، ایک بچہ کی بات اس کے مقابلے میں قابل قبول نہیں۔ ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضورؐ نے اس کا عذر قبول فرمالیا۔

حضرت زیدؓ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے کو سچا ثابت کر دیا اور زیدؓ کو جھٹلا دیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ حضورؐ کی مجلس میں بھی ندامت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زیدؓ کی سچائی اور عبداللہ بن ابی کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا۔ حضرت زیدؓ کی وقعت موافق، مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن ابی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا۔

جب مدینہ منورہ قریب آیا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں تھے۔ مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد ﷺ کے عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادے

ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے مگر حضورؐ کے مقابلہ میں تحمل نہ کر سکے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں، اس کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہو سکا۔ (فضائل اعمال ۱۷۱)

حضرت ابن زبیرؓ کا خون پینا

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا، وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں۔ وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، کہاں؟ عرض کیا، میں نے پی لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون جائے گا، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔ (فضائل اعمال ۱۸۸)

حضرت ابو عبیدہؓ کا خون پینا

اُحد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہؓ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنا شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہؓ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضورؐ کے پاس جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والدِ ماجد مالک بن سنانؓ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ (فضائل اعمال ۱۸۹)

نہیں مجھ سا باوفا کوئی زمانے میں

حضرت زید بن حارثہؓ زمانہ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے۔ بنو قیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید بھی تھے، ان کو مکہ کے بازار میں لا کر بیچا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے ان کو خرید لیا۔ جب حضورؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو انہوں نے حضرت زیدؓ کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔ زیدؓ کے والد کو ان کے فراق کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے۔ وہ زیدؓ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ:

"میں زیدؓ کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تا کہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زیدؓ! نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اسی کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔ میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا۔ اونٹ چلنے سے اکتا جائیں تو اکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گزار دوں گا۔ ہاں میری موت ہی آ گئی تو خیر کہ موت ہی ہر

چیز کو فنا کر دینے والی ہے، آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگا دے، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زیدؓ کو ڈھونڈتے رہیں۔''

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انہوں نے زیدؓ کو پہچانا، باپ کا حال سنایا، شعر سنائے، ان کی یاد اور فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زیدؓ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ:

''میں یہاں مکہ میں ہوں خیریت سے ہوں۔ تم غم اور صدمہ نہ کرو میں بڑے کریم لوگوں کی مہربانی میں ہوں۔''

ان لوگوں نے جا کر زیدؓ کی خیر وخبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زیدؓ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زیدؓ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ تحقیق کی، پتہ چلایا۔ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ اے ہاشم کی اولاد! اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے پڑوسی۔ تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں، ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔

حضورؐ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ عرض کیا، زیدؓ کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، بس اتنی سی بات ہے۔ عرض کیا کہ حضورؐ بس یہی غرض ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کر سکتا جو خود نہ جانا

چاہے۔انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا، یہ بات خوشی سے منظور ہے۔

حضرت زیدؓ بلائے گئے۔آپؐ نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو۔عرض کیا، جی ہاں پہچانتا ہوں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔حضورؐ نے فرمایا، میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔حضرت زیدؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں آپؐ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں، آپؐ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زیدؓ غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو۔زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں (حضورؐ کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی کو بھی پسند نہیں کر سکتا۔حضورؐ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔زیدؓ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت زیدؓ اس وقت بچے تھے۔بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز و اقربا کو غلامی پر قربان کر دینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے، وہ ظاہر ہے۔ (فضائل اعمال ۱۸۰)

کس طرح ان کے بغیر اپنا گزارہ ہوگا؟

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ:

حضورؐ بھی شہید ہو گئے۔اس وحشتناک خبر سے جو اثر صحابہؓ پر ہونا چاہئے تھا، وہ ظاہر ہے۔اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے۔حضرت انس بن نضرؓ چلے جا رہے

تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انسؓ نے پوچھا، یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان نظر آ رہے ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ پھر حضورؐ کے بعد تم بھی زندہ رہ کر کیا کرو گے، تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ۔

چنانچہ حضرت انسؓ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوئے۔ (فضائل اعمال ۱۹۱)

بساطِ عشق پر جانیں بچھا دیں جانثاروں نے

اسی اُحد کی لڑائی میں حضورِ اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ:

سعد بن ربیعؓ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گزری؟ ایک صحابیؓ کو تلاش کے لئے بھیجا، وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں۔ پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضورؐ نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیعؓ کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی۔ یہ اس طرف بڑھے، جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے۔ جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعدؓ نے کہا کہ حضورؐ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپؐ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضورؐ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جاں بحق ہو گئے۔ (فضائل اعمال ۱۹۱)

جان ہی دے دی

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آ کر عرض کیا کہ:

مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرا دو۔ حضرت عائشہؓ نے حجرۂ شریف کھولا۔ انہوں نے زیارت کی اور زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ (فضائل اعمال ۱۹۲)

سیّد الکونین کے عشاق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ:

آپؓ کو حضورِ اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضورؐ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ (فضائل اعمال ۱۹۲)

میری آرزو محمدؐ میری جستجو مدینہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہ جلیل القدر تابعی ہیں اور خلیفہ راشد ہیں۔ شام سے مدینہ منورہ کو خاص قاصد بھیجتے ہیں کہ ان کی طرف سے روضہ شریف پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے۔ (فضائل درود شریف ۹۴)

اتباع نبویؐ

حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو دیکھ کر کہا تھا کہ:

تو ایک پتھر ہے۔ تو نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا اور یہ کہہ کر اس کو بوسہ دیا۔

(کتاب الشفاء ۲/۱۱)

میں نے بھی کرلیا

کسی نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ:

وہ ایک مقام پر اپنے ناقہ کو پھرا رہے ہیں تو اس نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے یہ کیا تو میں نے بھی کرلیا۔ (کتاب الشفاء ۲/۱۱)

بچھڑے ہوئے لمحے بھی کبھی لوٹ کے آئے

خالد بن معدان کے صاحبزادے عبیدہ سے مروی ہے کہ:

خالد کبھی اپنے بستر پر جاگزیں نہ ہوئے تھے مگر وہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ مہاجرین و انصار کی جانب ان کا نام لے لے کر اپنا شوق ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہی لوگ میری اصل اور فرع ہیں اور انہیں کی جانب میرا دل مشتاق ہو رہا ہے اور ان کے شوق میں عرصہ گزر گیا ہے۔ سوائے اللہ! تو مجھ کو جلدی سے اپنی جانب قبض کرلے۔ اور وہ برابر یہی کہتے رہتے یہاں تک کہ ان پر نیند غالب آجاتی اور وہ سو رہتے۔

(کتاب الشفاء ۲/۱۶)

رسول اللہؐ کے دیوانے پروانے

حضرت انسؓ سے مروی ہوا ہے کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور حجام آپؐ کے بال اتار رہا تھا اور آپؐ کو صحابہؓ نے گھیر رکھا تھا۔ سو وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ کا کوئی بال گرنے پاوے مگر کسی کے ہاتھ میں۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۲)

ادبِ رسولؐ

حدیث مغیرہ میں ہے کہ:

اصحابِ رسول اللہ ﷺ ناخنوں سے اپنا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے (یعنی بہت آہستہ سے) اور براء بن عازبؓ نے کہا ہے کہ میں جب کسی امر کو رسول اللہ ﷺ سے پوچھنا چاہتا تھا تو آپؐ کی ہیبت اور جلال کے سبب میں اس کو برسوں ٹالتا تھا۔

(کتاب الشفاء ۲/۳۳)

بے قراری

قتادہؒ سے مروی ہوا ہے کہ:

جب وہ کوئی حدیث شریف سنتے تو روتے اور روتے روتے بے قرار ہو جاتے۔

(کتاب الشفاء ۲/۳۵)

حدیث شریف کے لئے وضو

ابو مصعب نے کہا ہے کہ:

مالک بن انسؒ تعظیم اور توقیر نبی کریم ﷺ کے سبب کبھی آپؐ کی حدیث پاک کو بے وضو بیان نہ کرتے تھے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۶)

حدیث شریف کی تعظیم

مصعب بن عبداللہ نے کہا ہے کہ:

جب مالک بن انسؒ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پاک بیان کرتے تو وضو کرتے اور تیاری فرماتے اور اپنے کپڑے پہنتے، پھر حدیث شریف بیان کرتے۔ مصعب نے کہا کہ کسی نے آپؒ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپؒ نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے (اس کی تعظیم اور توقیر ضروری ہے)۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۶)

حضرت ابن عباسؓ کا احترام

شعبی سے مروی ہوا ہے کہ:

زید بن ثابت نے اپنی والدہ کے جنازہ پر نماز پڑھی، پھر ان کے قریب ان کا خچر لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہوں تو اتنے میں ابن عباسؓ آگئے۔ انہوں نے ان کی رکاب تھام لی تو زید نے ان سے کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! آپؓ اس کو چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو علماء کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہوا ہے۔ زیدؓ نے ابن عباسؓ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۹)

محبتِ رسولؐ کو ترجیح

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ کا تین ہزار اور اسامہؓ بن زید کا ساڑھے تین ہزار وظیفہ مقرر کیا تو عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد سے عرض کیا کہ تم نے مجھ پر ان کو کیوں فضیلت دی، واللہ یہ کسی موقع پر مجھ سے پہلے حاضر نہیں ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے

ان کو جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو زید تیرے باپ سے اور اسامہ تجھ سے زیادہ پیارے تھے۔ میں نے محبت رسول اللہ ﷺ کو اپنی محبت پر ترجیح دی ہے اور اس کو مقدم رکھا ہے۔

(کتاب الشفاء ۲/۴۱)

حضرت ابن عباسؓ کی اتباع رسولؐ

کسی نے ابن عباسؓ سے کہا تھا کہ:

فلانی بی بی انتقال کر گئیں اور ازواجِ مطہرات نبی اللہ ﷺ میں سے ایک بی بی کا نام لیا تو وہ سجدہ میں گر پڑے۔ کسی نے کہا کہ کیا آپؓ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو۔ ازواج مطہرات نبی اللہ ﷺ کے جانے سے زیادہ اور کون نشانی بڑی ہوگی۔

(کتاب الشفاء ۲/۴۲)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا احترام

جب حلیمہ سعدیہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں تو آپؐ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور ان کی حاجت کو پورا فرمایا۔ جب آنحضرت ﷺ دنیا سے وفات فرما گئے تو وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس آئیں تو ان دونوں حضرات نے بھی ایسا ہی کیا۔

(کتاب الشفاء ۲/۴۲)

ابومحذورہ کا عشق رسولؐ

ابومحذورہ کے سر کے اگلے حصہ میں ایک بالوں کا جوڑا تھا کہ جب وہ بیٹھتے اور اس کو چھوڑ دیتے تو وہ زمین سے جا لگتا۔ کسی نے ان سے کہا کہ تم ان کو منڈوا کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کو منڈوا نہیں سکتا کیونکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ لگا ہے اور

آپؐ نے ان کو چھوا ہے۔ (کتاب الشفاء ۲/ ۴۷)

ابن عمرؓ کا عشق رسولؐ

کسی نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ:

انہوں نے ممبر نبی کریم ﷺ پر آپؐ کے بیٹھنے کی جگہ اپنا ہاتھ رکھا اور پھر اس کو اپنے منہ پر رکھ لیا۔ (کتاب الشفاء ۲/ ۴۷)

احمد بن فضلویہ کا عشق رسولؐ

ابو عبدالرحمٰن اسلمی نے احمد بن فضلویہ زاہد سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

میں نے کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا جب سے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے کمان کو ہاتھ میں لیا ہے۔ (کتاب الشفاء ۲/ ۴۷)

موت ہے عیش جاوداں

جنگِ اُحد میں جب کفار نے نبی علیہ السلام پر حملے کی پرزور کوشش کی تو چند نوجوان صحابہؓ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ گئے، ان میں اکثر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ایک صحابیؓ کو زخموں سے چور حالت میں دیکھا گیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپؓ کو کیا چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ آخری لمحے میں اپنے محبوب ﷺ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ان کو اٹھا کر نبی علیہ السلام کے پاس لائے۔ انہوں نے جب چہرۂ انور کو دیکھا تو آخری ہچکی لی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (مسلم غزوۂ احد)

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی ہے دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اس مضمون کو کسی دوسرے شاعر نے دوسرے انداز سے باندھا ہے:

تیرے قدموں میں سر ہو اور تار زندگی ٹوٹے
یہی انجامِ الفت ہے، یہی مرنے کا حاصل ہے

اسی مضمون کو ایک شاعر نے تیسرے انداز سے باندھا ہے:

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۲۷)

حضرت بلالؓ کی خوشی

حضرت بلالؓ کا وقت وفات قریب آیا تو بیوی نے کہا، واحـــزنـــاہ (ہائے غم) آپ نے فرمایا وافرحتاہ غدا نلقی محمدا و اصحابہ۔ ''واہ خوشی کے کل ہم محمدؐ اور ان کے اصحاب سے ملیں گے'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس طرح دیوانہ وار نبی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے۔ (شفاء شریف)

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۲۷)

سب چہروں سے محبوب چہرہ

اہل یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ بن اثال نے ایمان لا کر کہا، یا رسول اللہؐ! میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھے آپؐ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا مگر آج وہی چہرہ مجھے روئے زمین کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری شریف/ باب وفد بنی حنیفہ)

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۲۸)

حضورؐ کی بشارت

جب نبی علیہ السلام غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خثیمہؓ اپنے کاموں اور مصروفیات کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان کی دو خوبصورت اور حسین وجمیل بیویاں تھیں۔ انہوں نے دوپہر کے کھانے بنائے اور کمرے کو خوشبو سے معطر کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے جوں ہی کھانوں کو دیکھا تو فرمایا سبحان اللہ، اللہ کے محبوب تو شدید گرمی میں جہاد کے لئے جائیں اور عبداللہؓ بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے کھاتا رہے۔ اللہ کی قسم! جب تک میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں نہیں پہنچوں گا ان بیویوں سے کلام نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اونٹ پر سوار ہوئے اور تبوک کی طرف چل دیئے جب قافلے کے قریب پہنچے تو نبی علیہ السلامنے دور سے دیکھ کر فرمایا عبداللہ بن خثیمہ ہوگا۔ چنانچہ جب آپ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''ابن خثیمہ کیا ہی اچھی بات ہے تم فانی لذتوں کو چھوڑ کر رضائے الٰہی کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۰)

میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ کبھی کبھی مسجد نبوی میں اذان دیتے تھے۔ جب انہوں نے آپؐ کی وفات کی خبر سنی تو اس قدر غم زدہ ہوئے کہ اپنے نابینا ہونے کی دعا مانگی جو قبول ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا ایسا کیوں؟ فرمایا میری آنکھوں کی بینائی اس لئے تھی کہ میں نبیؐ کا دیدار کروں۔ جب محبوب نے پردہ کر لیا تو بینائی کی کیا ضرورت ہے۔

(شواہد النبوۃ ص 179) (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۰)

دل کی تمام رونقیں اس کے ہی دم سے تھیں
ڈوبا جو چاند ہم نے دیا ہی بجھا دیا

اہل وفا کا شیوہ

غزوہ بدر میں جب نبی علیہ السلام نے کفار کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ کو طلب کیا تو حضرت مقدادؓ بولے، ہم وہ نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں کہ تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور لڑو۔ بلکہ ہم آپؐ کے دائیں سے، بائیں سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ آپؐ نے یہ جانثارانہ فقرے سنے تو خوشی کی زیادتی سے چہرہ مبارک چمک اٹھا۔

(بخاری کتاب المغازی)

سبحان اللہ یہ شیوہ نہیں ہے باوفاؤں کا
پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرت والی ماؤں کا
نبیؐ کا حکم ہو تو کود جائیں ہم سمندر میں
جہاں کو محو کر دیں نعرہ اللہ اکبر میں

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۱)

ہم آغوش ہونے کی سعادت

حضرت اسیدؓ بن حضیر ایک شگفتہ مزاج صحابیؓ تھے۔ ایک روز نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:

جس کا مجھ پر حق ہو، وہ لے سکتا ہے۔ حضرت اسیدؓ نے حضیر نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میرا حق ہے، ایک مرتبہ جہاد کی صف بنا کر کھڑے تھے، آپؐ صفیں درست کروا رہے تھے، آپؐ نے اپنی چھڑی سے مجھے پیچھے ہٹالیا تو مجھے اس کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، اچھا تم بھی بدلہ لے سکتے ہو۔ وہ کہنے لگے، اے اللہ کے نبیؐ! اس وقت میرے بدن پر قمیص نہ تھی۔ نبی علیہ السلام نے بھی کپڑا اٹھا دیا۔ حضرت اسیدؓ نے بدلہ

لینے کی بجائے آگے بڑھ کر پہلے مہر نبوت کو چوما، پھر نبی علیہ السلام کے سینہ انور سے لپٹ گئے اور کہا، اے اللہ کے رسولؐ! کب سے طبیعت مچل رہی تھی اس کام کے لئے مگر موقع نہ ملتا تھا۔ آج میرے بخت جاگے کہ محبوب سے ہم آغوش ہونے کی سعادت ملی۔ (ابوداؤد)

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۲)

محبّ صادق کے لئے نعمت عظمیٰ

ایک مرتبہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں عبداللہ بن عباسؓ نبی علیہ السلام کے دائیں طرف بیٹھے تھے۔ حضرت میمونہؓ دودھ لائیں تو نبی علیہ السلام نے نوش فرمایا اور بچے ہوئے دودھ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ حق تو تمہارا ہی ہے لیکن ایثار کرو تو خالد کو دے سکتے ہو۔ عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوبؐ! میں آپؐ کا بچا ہوا دودھ کسی کو نہیں دے سکتا، یعنی عاشق صادق کے لئے تو یہ نعمت عظمیٰ تھی۔ (ترمذی)

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۲)

ہم نے دیکھی ہیں وہ آنکھیں

ایک صحابیؓ ایمان لائے اور کچھ عرصہ صحبتِ نبویؐ میں رہنے کے بعد گھر واپس گئے۔ وہاں ان کے کسی عورت کے ساتھ مراسم اور تعلقات تھے۔ وہ عورت ان سے ملنے کے لئے آئی، انہوں نے رخ پھیر لیا۔ وہ کہنے لگی، کیا بات ہوئی؟ وہ بھی وقت تھا جب تم میری محبت میں بے قرار ہو کر گلیوں کے چکر لگاتے تھے، مجھے ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپتے تھے، میری ملاقات کے شوق میں ٹھنڈی آہیں بھرتے تھے۔ جب میں تم سے ملاقات کرتی تھی تو قسمیں کھا کھا کر اپنی محبت کی یقین دہانیاں کرواتے تھے۔ اب میں خود چل کر تمہارے پاس ملنے کے لئے آئی ہوں تو تم نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ فرمانے لگے کہ میں ایک ایسی ہستی کو

دیکھ کر آیا ہوں کہ اب میری نگاہیں کسی غیر پر نہیں پڑ سکتیں۔ میں دل کا سودا کر چکا ہوں۔ وہ عورت ضد میں آ کر کہنے لگی، اچھا ایک مرتبہ میری طرف دیکھ تو لو۔ اس صحابیؓ نے فرمایا، اے عورت! چلی جا، ورنہ میں تلوار سے تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ سبحان اللہ۔

ہم نے دیکھی ہیں وہ آنکھیں ساقی
جام مے کی مجھے حاجت ہی نہیں

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۴)

اتباعِ سنت کے لئے سخت تکلیف اٹھانا

ایک حبشی صحابیؓ کے سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ وہ غسل کرنے کے بعد چاہتے تھے کہ سر کے بالوں میں مانگ نکالیں مگر نہ نکلتی۔ انہیں بہت حسرت رہتی کہ میرا سر بھی نبی علیہ السلام کے سر مبارک سے مشابہہ ہونا چاہئے۔ ایک دن فرط جذبات میں انہوں نے لوہے کی سلاخ گرم کی اور سر کے درمیان پھیر دی۔ چمڑا اور بال جلنے کی وجہ سے سر کے درمیان ایک لکیر نظر آنے لگی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپؓ نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ فرمایا، تکلیف تو بھول جاؤں گا جب میرے سر پر یہ مانگ اسی طرح نظر آئے گی جس طرح نبی علیہ السلام کے سر پر نظر آتی ہے۔ (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۶)

صحابیہؓ کا معصوم بچے کو پیش کرنا

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ:

وہ جہاد کی تیاری کریں۔ مدینہ منورہ کے ہر گھر میں جہاد کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ایک گھر میں ایک صحابیہؓ اپنے معصوم بچے کو گود میں لئے زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کے خاوند پہلے کسی جہاد میں شہید ہو گئے تھے۔ اب گھر میں کوئی بھی ایسا مرد نہ تھا کہ جس کو وہ

تیار کر کے نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد میں بھیجتی۔ جب بہت دیر تک روتی رہی اور طبیعت بھر آئی تو اپنے معصوم بیٹے کو سینے سے لگایا اور مسجدِ نبویؐ میں نبیؐ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ اپنے بیٹے کو نبیؐ کی گود میں ڈال کر کہا، اے اللہ کے رسولؐ! میرے بیٹے کو جہاد کے لئے قبول فرمائیں۔ نبیؐ نے حیران ہو کر فرمایا، یہ معصوم بچہ جہاد میں کیسے جا سکتا ہے؟ وہ رو کر کہنے لگی کہ میرے گھر میں کوئی بڑا مرد نہیں کہ جس کو بھیج سکوں، آپؐ اسی کو قبول کر لیں۔ آپؐ نے کہا، یہ بچہ کیسے جہاد کرے گا؟ وہ صحابیہؓ کہنے لگی کہ میرے اس بچے کو کسی ایسے مجاہد کے حوالے کر دیجئے جس کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو تا کہ جب وہ مجاہد تیروں سے بچنے کے لئے میرے بیٹے کو آگے کر دے۔ میرا بیٹا تیروں کو روکنے کے کام آ سکتا ہے۔ سبحان اللہ۔ تاریخ انسانیت ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے کہ عورت اور ماں جیسی شفیق ہستی فرمانِ نبویؐ کو سن کر اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے اتنی بے قرار ہوئی ہے کہ معصوم بچے کو شہادت کے لئے پیش کر دیتی ہے۔ (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۳۹)

مجھے نہ دیکھ بھیجنے والے کو دیکھ

ایک صحابی حضرت ربیعہ اسلمیؓ نہایت غریب نوجوان تھے۔ ایک مرتبہ تذکرہ چھڑا کہ:

انہیں کوئی اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے انصار کے ایک قبیلے کی نشاندہی کی کہ ان کے پاس جا کر رشتہ مانگو۔ وہ گئے اور بتایا کہ میں نبی علیہ السلام کے مشورے سے حاضر ہوا ہوں تا کہ میرا نکاح آپ کی بیٹی سے کر دیا جائے۔ باپ نے کہا، بہت اچھا ہم لڑکی سے معلوم کر لیں۔ جب پوچھا گیا تو لڑکی کہنے لگی، ابو جان! یہ مت دیکھو کہ کون آیا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ بھیجنے والا کون ہے چنانچہ فوراً نکاح کر دیا گیا۔

کب میں کہتی ہوں کہ اس کے رنگ کالے کو تو دیکھ
میں تو کہتی ہوں اس کے بھیجنے والے کو دیکھ
کالا ہے وہ، حسن بھی ماند ہے
بھیجنے والا تو لیکن چودھویں کا چاند ہے
تیری بیٹی اس کے کالے رنگ پہ مسرور ہے
کالی کملی والے کی مرضی مجھے منظور ہے

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۴۰)

محبتِ رسولؐ میں خواہش کی قربانی

فاطمہ بن قیسؓ ایک حسین وجمیل صحابیہؓ تھیں، ان کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے دولت مند صحابی کا رشتہ آیا۔ جب انہوں نے نبی علیہ السلام سے مشورہ کیا تو آپؐ نے فرمایا، اسامہ سے نکاح کرلو۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنادیا اور عرض کیا، اے رسول اللہ! میرا معاملہ آپؐ کے اختیار میں ہے جس سے چاہیں نکاح کردیں۔ یعنی میرے لئے یہی خوشی کافی ہے کہ آپؐ کے ہاتھوں سے میرا نکاح ہو۔ (نسائی کتاب النکاح)

(رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۴۲)

صدیقؓ کا رحلتِ رسول کریمؐ کے بعد آپؐ کو یاد کر کے رونا

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت بیان کرتے ہوئے کہا:

میں نے اس منبر پر ابوبکرؓ کو فرماتے ہوئے سنا، میں نے گزشتہ سال اسی دن رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا۔ پھر ابوبکرؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر ارشاد فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

''کلمہ اخلاص کے بعد تمہیں عافیت جیسی کوئی نعمت نہیں دی گئی۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ آنسوؤں نے تین مرتبہ ان کی آواز کو دبا دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ (رسول اللہؐ سے سچی محبت اور اس کی علامات ۵۲) (امام احمد)

ایک صحابیؓ کا واقعہ

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

وہ (عمرؓ) ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ حج کو نکلے، یہاں تک کہ ابواء مقام پر پہنچے تو وہاں ایک بوڑھا راستے کے قریب بیٹھا ہوا ملا۔ اس نے آواز دی، او قافلہ والو! ٹھہر جاؤ۔ قافلہ اس کے لئے ٹھہر گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اے بوڑھے کہہ جو کہنا ہے۔ اس نے کہا: کیا تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں؟ اہل قافلہ نے کہا، نہیں وہ اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اس نے کہا، کیا وہ وفات پا چکے؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ تو وہ رو پڑا اس قدر کہ ہمیں خیال یہ ہونے لگا کہ اس کے جسم سے روح نکل جائے گی۔ پھر اس نے کہا، آپؐ کے بعد امت کا والی (امیر) کون بنا؟ انہوں نے کہا، ابوبکرؓ۔ اس نے کہا، بنو تمیم کا سردار۔ انہوں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، کیا وہ تم میں موجود ہیں؟ انہوں نے کہا، وہ بھی وفات پا چکے ہیں۔ اس نے کہا، وفات پا چکے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ رویا حتیٰ کہ ہم نے اس کے رونے میں ہچکیاں سنیں اور پھر کہا۔ اسکے بعد کون امت کا ولی (امیر) مقرر ہوا۔ انہوں نے کہا، عمرؓ بن الخطاب۔ اس نے کہا، بنی امیہ کی سفیدی کہاں ہے؟ اس کی مراد عثمانؓ بن عفان تھے۔ اس لئے کہ وہ زیادہ نرم مزاج اور نرم خو ہیں۔ پھر اس نے کہا، اگر ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ ولی بنے ہیں تو معاملہ بہتر کے سپرد ہوا ہے۔ کیا، وہ تم میں موجود ہیں؟

انہوں نے کہا، وہ آج صبح سے آپ سے مصروفِ گفتگو ہیں۔ اس نے کہا، آپ میری مدد کریں اس لئے کہ میرا کوئی مددگار نہیں۔ (عمرؓ نے) فرمایا، تو کون ہے جو مددگار کی تلاش میں ہے۔ اس نے کہا، میں ابوعقیل بنوملیک میں سے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میری ملاقات ہوئی، آپؐ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں ایمان لایا اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی۔ آپؐ نے مجھے اپنے بچے ہوئے ستو پلائے۔ پہلے آپؐ نے پیا، مجھے دیا۔ (اس کی برکت سے) جب بھی مجھے بھوک لگی میں نے سیری محسوس کی اور جب بھی پیاس لگی، سیرابی اور خوشبو محسوس کی۔ جب بھی گرمی ہوئی اس کی وجہ سے ٹھنڈک محسوس کی۔ پھر میں بکریوں کا ریوڑ لے کر جنگل کو چل نکلا۔ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتا اور رمضان المبارک کے روزے رکھتا اور سال کے بعد دسویں ذی الحجہ کو بکری ذبح کرتا۔ یہاں تک کہ اس سال سوائے ایک بکری کے باقی سب ختم ہوگئیں۔ اس کو بھی گزشتہ شب بھیڑیا لے گیا۔ اس کی بچت ہمیں ملی اور ہم نے وہ کھائی اور اب ہم آپ تک پہنچے۔ آپ ہماری مدد کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے مددگار ہوں۔ عمرؓ نے فرمایا، آپ مدد کو پہنچ گئے، مجھے پانی کی اطلاع دیں کہ پانی کہاں ہے؟

راوی کہتے ہیں، ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور ہم نے اپنے زادِ راہ کا بقیہ جمع کیا۔ (راوی کہتا ہے) گویا کہ میں عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ سڑک کے قریب چادر اوڑھے ہوئے اس کی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے، اس بوڑھے کا انتظار کر رہے تھے شدت سے۔ جب قافلے کے کوچ کا وقت آیا، حضرت عمرؓ نے پانی والے کو بلایا اور اس شیخ کی صفات اور تعارف کرایا اور فرمایا، جب یہ تیرے پاس آئے تو اس کا اور اس کے اہل و عیال کا خرچہ دے دیا کر، یہاں تک کہ میں تیرے پاس لوٹ کر آؤں گا انشاء اللہ (راوی نے کہا) ہم نے حج کے احکام پورے کئے اور واپس لوٹنے لگے۔ جب ہم اسی پڑاؤ کی جگہ

پہنچے، حضرت عمرؓ نے چشمے والے کو بلایا اور فرمایا، کیا تو نے اس بوڑھے سے اچھا معاملہ کیا؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ وہ آپ کے وعدے پر میرے پاس آیا اور بیمار ہوا، میرے پاس تین دن رہا اور وفات پا گیا۔ میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔

(راوی کہتا ہے) گویا کہ وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں کہ اپنے قدموں کو حرکت دی اور تھوڑی دور اس کی قبر پر جا کے اس پر نمازِ جنازہ پڑھی، پھر گردن جھکالی اور رو پڑے۔ پھر فرمایا، اللہ رَبّ العزت نے اس کے لئے تمہاری مدد نا پسند فرمائی اور اسے اپنے پاس موجود نعمتوں سے نوازا۔ پھر اس کے اہل وعیال کے بارے میں کفالت کی ذمہ داری کا حکم فرمایا، ان پر ہمیشہ خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ رضی اللہ عنہ۔ (رواہ الطبری فی مناقب العشرہ)

حضرت ابن عباسؓ کا آنحضرتؐ کو یاد کر کے رونا

حضرت ابن عباسؓ مسجد میں اعتکاف میں تھے۔ ایک شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، اے فلاں تم پریشان کیوں ہو؟ اس نے کہا، فلاں کا میرے اوپر حق ہے اور میں اس کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوں۔ آپؓ نے فرمایا، میں تیری طرف سے اس سے بات چیت کروں؟ اس نے کہا، اگر آپؓ پسند فرمائیں۔ یہ کہہ کر جوتا پہنا اور مسجد سے نکل گئے۔ اس شخص نے عرض کیا، حضرت آپؓ اعتکاف بھول گئے۔ فرمایا نہیں لیکن میں نے اس صاحب قبر ﷺ سے سنا ہے اور ابھی زمانہ قریب ہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں چلے، پھر اس میں کوشش کرے، یہ بات دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (اخرج الطبرانی کذا فی الترغیب ج ۲ ص ۲۷۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کا آنحضرتؐ کی حالت پر رونا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! آپؐ کوئی تکلیف ہے کہ آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! بھوک میں۔ یہ سن کر میں رو پڑا (یعنی آنسو جاری ہو گئے) آپؐ نے فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! رو نہیں، قیامت کے دن حساب کی سختی بھوک کو برداشت کرنے والے کو نہ لگے گی بشرطیکہ اس نے ثواب کی نیت سے اس کو برداشت کیا ہو۔

(اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ والخطیب وابن عساکر وکذاف فی الکنز ج ۴ ص ۴۱)

ایک حدیث شریف سناتے وقت حضرت ابو ہریرہؓ کا بے ہوش ہو جانا

شفیاؒ کہتے ہیں:

میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو میں نے ایک شخص کے اردگرد بہت سے لوگوں کو جمع دیکھا۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا، یہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ میں ان کے قریب ہو گیا۔ جب تنہائی ہو گئی، میں نے عرض کیا۔ میں آپؓ کو حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپؓ ضرور مجھے ایسی حدیث شریف سنائیں جو آپؓ نے حضورؐ کی زبان مبارک سے سنی ہو اور اس کو جانا اور اس کو سمجھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، بے شک میں تجھے ایسی حدیث شریف سناؤں گا جو میں نے آپؐ کے منہ سے سنی ہے اور اس کو جانا ہے اور سمجھا ہے۔ یہ کہہ کر ایک آہ بھری اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش آیا تو وہی الفاظ دہرائے اور پھر بے ہوش ہو گئے، پھر وہی الفاظ دہرائے اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش آیا تو اپنا چہرہ صاف کیا، پھر حدیث شریف بیان فرمائی۔ (ترمذی)

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

ایک شخص حبشہ سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، پوچھو میں جواب دوں گا۔ اس نے عرض کیا، حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو صورت اور رنگت اور نبوت کے اعتبار سے تو ہم پر فضیلت دی ہی ہے۔ آپؐ یہ بتائیں کہ اگر میں ان لوگوں کی طرح ایمان لے آؤں اور عمل کروں تو کیا میں جنت آپؐ کے ساتھ داخل ہو جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ پھر آپؐ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ حبشی کا سفیدی خوبصورتی جنت میں ایک ہزار سال کی مسافت سے نظر آئے گی۔ یہ سن کر وہ حبشی (خوشی سے) رونے لگا اور فوت ہو گیا۔ حضورﷺ نے اس کو دفن فرمایا۔ (اسد الغابۃ)

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رونا شروع کر دیا

حضرت نوفل کہتے ہیں کہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہمارے پاس بیٹھا کرتے تھے اور بہترین جلیس تھے ایک روز وہ ہمارے پاس ایک بڑا پیالہ جس میں روٹی اور گوشت تھا، لایا گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رونا شروع کر دیا اور فرمایا، میں کیوں نہ روؤں حالانکہ آپؐ وفات پا گئے۔ آپؐ نے اور آپؐ کے گھر والوں نے کبھی جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔

(رواہ الترمذی کذافی الاصابۃ ج ۲ ص ۴۱۱ وکذافی الحلیۃ ج ۱ ص ۹۹)

ہمارا غم اور تازہ ہو گیا

حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ:

آپؐ کی وفات کی وجہ سے ہم رنج و مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے۔ اچانک ہم نے کدالوں کی آواز صبح ہی صبح سنی تو ہمارے رنج میں اور اضافہ ہو گیا۔ ادھر حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی۔ جب ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' کہا تو رو پڑے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے جس سے ہمارا غم اور تازہ ہو گیا۔ (البدایۃ ج ۵ ص ۲۷۱)

حضرت بلالؓ کا قبر مبارک پر رونا

حضرت بلالؓ نے ایک مرتبہ خواب میں حضورﷺ کی زیارت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے بلال! یہ کیا ظلم ہے، ہم سے ملنے نہیں آتے۔ حضرت بلالؓ پریشان ہو کر بیدار ہوئے اور سامان سفر باندھ کر سفر شروع کیا۔ مدینے پہنچ کر قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور دیر تک روتے رہے۔ (اسد الغابۃ ج ۱ ص ۲۰۸)

حضرت انس بن مالکؓ کی روزانہ آنحضرتؐ کی زیارت

حضرت مثنیٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ:

میں نے حضرت انسؓ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں، میں اپنے حبیبؐ کی زیارت نہ کرتا ہوں اور پھر رو دیئے۔ (ابن سعد ج ۷ ص ۲۰)

حضرت کعبؓ کا غم

حضرت کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ:

جب میں اور میرے دو ساتھی غزوۂ تبوک سے بلا عذر پیچھے رہ گئے تو حضورﷺ نے اعلان کروا دیا کہ ہم سے کوئی بات نہ کرے اور ہماری بیویوں سے ہمیں علیحدہ کروا دیا تو خدا کی قسم! زمین باوجود اپنی وسعت کے ہم پر تنگ ہو گئی۔ ہر شخص اجنبی بن گیا حتیٰ کہ سلام

تک کا جواب بھی کوئی نہ دیتا تھا۔ ایک دن میں حضرت قتادہؓ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ میرے چچا کے بیٹے تھے اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھے سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ پھر میں نے قسم دے کر سوال کیا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں کرتا؟ وہ خاموش رہے، میں نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا، وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے پھر سہ بارقسم دے کر سوال کیا تو انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتا ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، میں واپس آ گیا۔ (اخرج الطبرانی وکذا قال الہیثمی ج ۵ ص ۲۷۶)

حضرت حباب ابن ارثؓ کا کفن کو دیکھ کر رونا

ایک مرتبہ عیادت کرنے والوں سے حضرت حبابؓ نے فرمایا:

ایک زمانہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا اور میں ایک روپیہ کا بھی مالک نہ تھا۔ اب میری کوٹھڑی کے ایک کونہ میں چالیس ہزار درہم پڑے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا کفن لایا گیا۔ جب اسے دیکھا تو روئے اور فرمایا کہ حضرت حمزہؓ کو تو کفن بھی پورا میسر نہیں تھا، صرف ایک چادر تھی۔ (اخرج ابونعیم ج ۱ ص ۱۴۵)

غمِ عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ:

میں ہدایت کی تلاش میں شہر در شہر، ملک در ملک پھرا۔ یہود اور نصاریٰ کے احبار اور رہبانوں کے پاس گیا لیکن مقصود حاصل نہ ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ایک کھجوروں والی زمین ہے، اس جگہ خدا تعالیٰ کے آخری نبی آئیں گے، آپ وہاں چلے جائیں۔ کہتے ہیں کہ میں ایک قافلہ والوں کے ساتھ چلا، انہوں نے مجھے غلام بنا کر بیچ دیا۔

میں اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا اور کھجور پر چڑھا ہوا تھا۔ میرے آقا کے چچا کا بیٹا آیا اور اس نے کہا، اللہ تعالیٰ فلاں قبیلہ کو ہلاک کرے، میں ابھی ان سے گزر کر آرہا ہوں۔ وہ ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ﷺ ہے۔ فرماتے ہیں خدا کی قسم! جب میں نے یہ بات سنی تو مجھ پر خوشی چھا گئی اور میں کھجور سمیت حرکت میں آ گیا۔ قریب تھا کہ میں گر پڑتا اور میں تیزی سے اترا اور میں نے آتے ہی کہا، کیا بات ہے؟ اس نے میرے ایک تھپڑ مارا اور کہا، جا تو اپنا کام کر۔

فرماتے ہیں کہ میں اپنے کام پر چلا گیا۔ جب شام ہوئی تو میں نے کھجوریں جمع کیں اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا (کیونکہ میں سن رکھا تھا کہ وہ نبی اللہ ہدیہ قبول کرتے ہیں، صدقہ نہیں کھاتے اور ان کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے) اور عرض کیا۔ میں نے سنا ہے کہ آپؐ نیک سیرت انسان ہیں اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے ساتھی ہیں جو حاجت مند ہیں، اس لئے یہ صدقہ ہے۔ یہ کہہ کر میں نے پیش کر دیا تو آپؐ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔ صحابہؓ سے فرمایا، کھاؤ انہوں نے کھایا۔ میں نے اپنے دل میں یہ بات کہی کہ ایک نشانی تو پوری ہوگئی۔

پھر میں لوٹ آیا اور کچھ جمع کر کے چند روز بعد حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا، میں آپ لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں، یہ صدقہ نہیں ہے۔ تو حضورؐ نے اس سے تناول فرمایا اور صحابہؓ نے بھی کھایا۔ میں نے کہا، یہ دو نشانیاں ہوگئیں۔ پھر میں لوٹ آیا اور ایک موقع پر حضورؐ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے۔ آپؐ کے اردگرد آپؐ کے ساتھی بھی تھے۔ میں نے سلام کیا اور دائیں بائیں گھومنے لگا تا کہ مہر نبوت کو دیکھوں۔ پس حضورؐ نے میرے ارادے کو جان لیا اور اپنی چادر مبارک کو کندھے سے اتار دیا۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا اور بوسہ دیا اور خوشی سے رویا، یہاں تک کہ آنسو بہنے لگے۔

پھر آپؐ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور میں نے طلبِ ہدایت کا سارا قصہ سنایا، جیسے ابن عباس تجھے سنا رہا ہوں۔ (اسد الغابۃ ج ۲ ص ۳۳۰)

کاش ہم آپؐ سے پہلے مرتے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

جب حضور ﷺ کی وفات ہو گئی تو تمام صحابہ کرامؓ روئے اور کہا، خدا کی قسم! ہمیں یہ بات زیادہ پسندیدہ تھی کہ ہم آپؐ سے پہلے مرتے۔ اس لئے ہمیں ڈر ہے کہ ہم آپؐ کے بعد کہیں خوف میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (اخرج مالک)

آنحضرتؐ کی آخری گفتگو پر صحابہؓ کا رونا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:

حضور ﷺ نے جب آخری گفتگو شروع فرمائی تو صحابہؓ نے غسل وغیرہ کی کیفیت معلوم کی۔ پھر عرض کیا، حضرت ہم میں سے جنازہ کون پڑھائے گا، یہ کہہ کر ہم رو دیئے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھہرو۔ پھر آپؐ نے ساری ترتیب بیان فرمائی۔ (اخرج البزار کذا فی المجمع ج ۹ ص ۲۵)

آنحضرتؐ کے رونے پر صحابہؓ کا رونا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کی۔ آپؐ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ اس دوران حضور ﷺ رو دیئے۔ جب لوگوں نے آپؐ کو روتے دیکھا تو سب رو پڑے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ میت کو دل کے غم اور آنسوؤں کے جاری ہونے سے عذاب نہیں دیتا، بلکہ

زبان سے آہ وفریاد کرنے سے عذاب دیتا ہے۔ (کتاب الکبائر للذہبی ص ۱۴۰)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

جب حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کرو۔ جب سب مہاجر وانصار جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور پھر ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد ایسا فصیح اور بلیغ خطبہ پڑھا جس سے لوگوں کے دل ڈر گئے اور آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا، اے مسلمانوں کی جماعت! میں تمہارا نبی تھا اور نصیحت کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا تھا اور میں تمہارے لئے شفیق بھائی اور مہربان باپ کی طرح تھا۔ اگر کسی شخص پر میں نے ظلم کیا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اٹھے اور مجھ سے بدلہ لے لے۔

قیامت کے دن سے پہلے پس کوئی نہ اٹھا، آپؐ نے دو تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد عکاشہ بن محصن آپؐ کے سامنے کھڑے ہوئے اور پھر عرض کیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، اگر آپؐ بار بار ارشاد نہ فرماتے تو میں کھڑا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ میں سفر جہاد میں آپؐ کے ساتھ تھا، میری سواری آپؐ کی سواری کے برابر ہو گئی۔ تو اس وقت آپؐ نے وہ چھڑی اٹھائی جس سے اونٹنی کو ہانکتے تھے اور ماری میری کمر پر، نہ معلوم آپؐ نے قصداً مارا یا اونٹنی کو مارنے کے لئے چھڑی اٹھائی اور مجھے لگ گئی۔ تو حضورؐ نے فرمایا، اے عکاشہ! تعجب ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ تیرے مارنے کا قصد کرے۔ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ جاؤ فاطمہ کے گھر سے میری چھڑی لاؤ۔ پس بلالؓ مسجد سے اس حال میں نکلے کہ ان کا ہاتھ سر پر تھا (غم اور پریشانی کی وجہ سے) اور کہہ رہے تھے کہ حضرت محمد ﷺ آج اپنی طرف سے بدلہ دیتے ہیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، میرے والد آج چھڑی کو کیا کریں گے۔ عرض کیا، اپنی طرف سے بدلہ دیں گے۔ تو حضرت فاطمہؓ

نے فرمایا، وہ کون ہے جس کے دل نے حضور ﷺ سے بدلہ لینے کو گوارا کرلیا ہے؟

حضرت بلالؓ نے وہ چھڑی آپؐ کو پیش کردی تو حضورؐ نے چھڑی عکاشہؓ کو دے دی۔ جب یہ حالات حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے دیکھے تو کھڑے ہوگئے اور کہا، اے عکاشہ! ہم تیرے سامنے ہیں، حضورؐ کی جگہ ہم سے بدلہ لے لے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا مرتبہ پہچانا ہے۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا، میں زندہ ہوں، آ تو اپنے ہاتھ سے مجھ سے بدلہ لے لے۔ حضورؐ نے فرمایا، اے علی! پہچانا اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ اور نیت تیری۔ پھر کھڑے ہوئے حضرت حسنؓ اور حسینؓ اور فرمایا، اے عکاشہؓ ہم نواسائے رسولؐ ہیں، ہم سے بدلہ لینا گویا رسول اللہ ﷺ سے بدلہ لینا ہے تو آپؐ نے فرمایا، اے میرے نور العین تم بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا، سے اگر بدلہ لینا ہے تو لے لے تو حضرت عکاشہؓ نے کہا، یارسول اللہ! جس وقت آپؐ نے مارا تھا تو میرا بدن ننگا تھا۔ یہ سن کر حضورؐ نے بدن سے کپڑا اہٹا دیا۔ یہ دیکھ کر سب مسلمان رونے لگے۔ جب حضرت عکاشہؓ نے حضرت محمد ﷺ کے خوبصورت جسم کو دیکھا تو اس پر سر جھکا کر پیٹھ مبارک کا بوسہ لیا اور عرض کیا، میری جان آپؐ پر فدا ہو۔ اے اللہ کے رسولؐ! کون شخص آپ سے بدلہ لے کر خوش ہوگا۔ میں نے یہ سارا کام اس لئے کیا کہ میرا جسم آپؐ کے جسم سے مل جائے اور آپؐ کی برکت وحرمت سے اللہ تعالیٰ مجھ کو آگ جہنم سے بچالے۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا، جس نے جنتی شخص دیکھنا ہو، اس کو دیکھ لے۔ یہ سن کر سب لوگ حضرت عکاشہؓ کی پیشانی چومنے لگے اور مبارک باد دینے لگے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

آنحضرتؐ کی جدائی پر اہلِ مدینہ کی بے چینی

حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ:

ہم سب ازواج ایک جگہ جمع تھیں اور رو رہی تھیں۔ اس وقت نیند کا ہمارے پاس کام کیا تھا؟ حضورؐ ہمارے گھروں میں تھے، ہم آپؐ کو چارپائی پر دیکھ کر تسلی پکڑ رہے تھے۔ اچانک ہم نے کدالوں کی آواز صبح ہی صبح سنی۔ اس کے ساتھ ہی سب کی چیخ نکلی اور اہل مسجد بھی روے چلانے لگے۔ اس کے بعد تمام مدینہ میں ایک ہی چیخ و پکار تھی۔ حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی۔ جب اشہدان محمدا رسول اللہ کہا تو رو پڑے اور بہت پھوٹ کر روئے اور ہم سب کے حزن و ملال میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ لوگوں نے آپؐ کی قبر کی طرف داخلہ کا ارادہ کیا تو لوگوں کی آمد سے دروازہ بند کر لیا گیا۔ پس ہائے رے وہ مصیبت! اس مصیبت کے بعد جو مصیبت ہم کو پہنچتی ہے آسان ہو جاتی ہے جب کہ ہم آپؐ کے ساتھ کی مصیبت کو یاد کر لیتے ہیں۔

رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

بولنے کی طاقت نہیں

حضرت عبیداللہ بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو مکہ کے گورنر حضرت عتاب بن رسیدؓ تھے۔ جب اہل مکہ کو آپؐ کی وفات کی خبر پہنچی تو مسجدِ حرام سے بے اختیار رونے کی آواز نکلی۔ حضرت عتاب شہر چھوڑ کو پہاڑوں میں چلے گئے۔ حضرت سہیلؓ ان کے پاس گئے کہ تشریف لائیں اور لوگوں سے گفتگو فرمائیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضورﷺ کی وفات کے بعد اب بولنے کی طاقت نہیں رہی۔ (اخرج بن عساکر)

اہل مدینہ کا رونا

حضرت ابوذوہیب کہتے ہیں کہ:

میں مدینہ منورہ آیا اور تمام اہل مدینہ میں اس طرح رونے کی آواز تھی جیسا کہ احرام باندھنے والے حاجی ایک دم تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کی وفات ہوگئی۔ (البدایۃ ج۵ص۲۷۱)

آنحضرتؐ کی حالت پر حضرت فاطمہؓ کا رونا

حضرت ابوثعلبہؓ کہتے ہیں کہ:

حضور ﷺ سفر سے مدینہ طیبہ لوٹے تو مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے ملنے چلے گئے جیسا کہ آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ حضرت فاطمہؓ دروازہ پر استقبال کے لئے تشریف لائیں اور آپؐ کے چہرہ اور پیشانی کو چوما اور رونے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیوں روتی ہوں؟ عرض کیا، آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ مشقت سے متغیر ہونے اور پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر رونا آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے فاطمہ! رو نہیں، جس دین کو تیرا باپ لے کر آیا ہے، وہ ایک نہ ایک دن ہر کچے اور پکے اور ادنیٰ خیمہ میں پہنچ کر رہے گا۔ (طبرانی مستدرک کذافی الکنز ج۱ص۷۷)

سب پہلے جنت میں مجھ سے ملو گی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

جب سورہ "اذا جاء نصر اللہ والفتح." نازل ہوئی تو حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رو پڑیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا، رو نہیں، تم میرے اہل سے سب سے پہلے جنت میں مجھ سے ملوگی۔

(اخرج الطبرانی کذافی المجمع ج۹ ص۲۲)

حضرت فاطمہؓ رو رہی تھی

حضرت علی الہلالی کے والد کہتے ہیں کہ:

میں حضور ﷺ کی مرض الوفات میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا تو حضرت فاطمہؓ حضورؐ کے سر مبارک کے پاس بیٹھی رو رہی تھیں اور ان کی آواز بلند ہوگئی۔ یہ آواز سن کر حضورؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا، میری پیاری بیٹی! کیوں روتی ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا، آپؐ کے ضائع ہونے کے خوف سے۔ آپؐ نے فرمایا، اے میری پیاری بیٹی! کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین سے تیرے باپ کو چنا ہے اور پھر اہل زمین سے تیرے خاوند کو منتخب فرمایا اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تیرا نکاح حضرت علیؓ سے کر دوں۔

(اسد الغابۃ ج۴ ص۴۲)

آنحضرتؐ کی حالت پر حضرت زینبؓ کا رونا

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور ﷺ کو دورِ جاہلیت میں دیکھا کہ لوگوں سے کہہ رہے تھے۔ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پاؤ گے۔ حاضرین میں سے بعض لوگوں نے آپؐ کے چہرے مبارک پر تھوکا، کوئی گالی دیتا اور کوئی مٹی ڈالتا اور بعض لوگ آپؐ کی باتوں کو رَدّ کرتے، یہاں تک کہ سورج سر پر آجاتا۔ لوگ چلے جاتے۔ آپؐ گھر لوٹے اور آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ نے آپؐ کا چہرۂ مبارک صاف کیا اور دھویا اور روئیں۔ آپؐ نے فرمایا، بیٹی رو نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔ (اخرج البیہقی واخرج الہیثمی کذافی الکنز ج۳ ص۱۳۴)

حضرت عمرؓ کو جب خنجر مارا گیا تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی۔ ان میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن خطابؓ نے سلام عرض کیا ہے۔ (عمر امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ اس روز میں لوگوں کا امیر نہ ہوں گا) اور وہ اپنے دونوں ساتھی یعنی حضور ﷺ اور حضرت صدیقؓ کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ گئے اور سلام کیا اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اسی غم میں رو رہی ہیں۔ کہا کہ عمر بن خطابؓ نے سلام عرض کیا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں خود اس جگہ دفن ہونا چاہتی تھی لیکن آج میں ایثار کرتی ہوئی حضرت عمرؓ کو دفن کی اجازت دیتی ہوں۔ جب حضرت عبداللہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے بٹھا دو۔ پھر پوچھا، کیا لائے؟ عرض کیا، جو آپ کو پسند تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا، الحمد للہ یہ بات مجھے سب چیزوں سے زیادہ پسند تھی اور فرمایا، جب میں فوت ہو جاؤں تو ایک مرتبہ پھر میرے جنازے کو باہر روک کر اجازت طلب کر لینا۔ اگر اجازت مل جائے تو دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ (اسد الغابۃ ج ۴ ص ۷۵)

حضرت اُمّ فضل کا رونا

حضرت اُمّ فضل فرماتی ہیں کہ:

میں حضورؐ کے پاس ان کی بیماری میں حاضر ہوئی اور میں نے رونا شروع کر دیا۔ آپؐ نے دریافت کیا، تمہیں کس چیز نے رلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ پر موت کا خوف اور اس کا کہ آپؐ کے بعد لوگوں سے کیا سابقہ پڑے گا۔ (رواہ احمد کزانی المجمع ج ۹ ص ۳۴)

حضرت اُمّ ایمنؓ کا رونا

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اُمّ ایمنؓ کی زیارت کے لئے گئے تو وہ رو پڑیں۔ انہوں نے عرض کیا، آپ کیوں روتی ہیں۔ اُمّ ایمنؓ نے فرمایا، اس لئے روتی ہوں کہ اب آسمانوں سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔

(رواہ البیہقی)

آنحضرتؐ کے غم میں عورتوں کا رونا

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ:

غزوۂ اُحد میں کسی پکارنے والے نے باآواز بلند کہا کہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے۔ یہ سن کر تمام عورتیں مدینہ منورہ کی رو پڑیں۔ رونے والیوں کی آوازیں مدینہ منورہ کے گوشہ گوشہ میں سنی جاتی تھیں۔ (اخرج الطبرانی وکذافی المجمع ج ۴ ص ۱۱۵)

حضرت بلالؓ نے اذان چھوڑ دی

محمد بن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ:

جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت بلالؓ پہلے طریقہ پر اذان دیتے رہے اور جب ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' کہتے تو جو لوگ مسجد میں ہوتے، رو پڑتے۔ جب آپؐ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلالؓ نے فرمایا، آپؐ کے بعد کبھی بھی اذان نہ دوں گا۔ پھر شام تشریف لے گئے۔ (حلیۃ ج ۱ ص ۱۵۰)

آنحضرتؐ کی وصیت یاد آنے پر حضرت شدادؓ کا رونا

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ:

حضرت شہداد بن اوس مجھ پر گزرے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، پھر بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں بھی رونے لگا۔ جب حضرت سے وہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا، تو کیوں رو رہا تھا؟ میں نے عرض کیا، آپ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگا۔ فرمایا، مجھے تو حضورؐ کی ایک وصیت یاد آ گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے تم پر خفیہ شرک اور شہوت کا خوف ہے۔ خفیہ شرک یہ ہے کہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے عمل کئے جائیں اور خفیہ شہوت یہ ہے کہ صبح نفلی روزہ رکھا، پھر کسی چیز کو دیکھا تو روزہ توڑ دیا۔

(اخرج ابونعیم فی الحلیۃ ج ا ص ۲۶۸)

جہاد عشقِ رسالتؐ میں تیز گام ہوں میں

مدینہ منورہ میں قبیلہ بنوخطمہ میں عصماء نامی ایک عورت اسلامی فتوحات سے بہت زیادہ جلا کرتی تھی۔ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا، وہ کون ہے جو اس کا کام تمام کر دے۔ جب سیّد دو عالم ﷺ بدر تشریف لے گئے تو اس نے اسلام کے خلاف گندہ ذہنی کا بہت مظاہرہ کیا۔ اسی قبیلہ میں سے حضرت عمیر بن عدیؓ نے یہ قسم کھالی کہ اگر سیّد دو عالم ﷺ بدر سے کامران واپس تشریف لے آئے تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک کی رات کو حضرت عمیرؓ نے اس کے گھر جا کر اس کو قتل کر ڈالا اور نمازِ فجر حضورِ انور ﷺ کی اقتداء میں پڑھنے کا شرف حاصل کر لیا۔ حضورِ انورؐ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کر دیا۔ جس سے خود ہو کر سیّد دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ایسے سعادتمند کو دیکھنا ہو کہ جس نے بن دیکھے اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول (ﷺ) کی مدد کی ہوتو وہ عمیر کو دیکھ۔'' (رضی اللہ عنہ)

چونکہ حضرت عمیرؓ نورِ بصارت سے محروم تھے۔اس لئے آپ کو اندھا کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اسے عمیر البصیر کہا کرو۔(وہ عمیر جو نورِ بصارت والا ہے)

آپؓ جب دردبارِ رسالتؐ سے واپس لوٹے تو عصماء ملعونہ کو اس کے خاندان کے لوگ دفن کررہے تھے۔انہوں نے حضرت عمیرؓ کو دیکھ کر للکارتے ہوئے یہ کہا، کیا تو نے عصماء کو قتل کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا، میں نے ہی اسے قتل کیا ہے اور تم سے بھی کہتا ہوں کہ اگر تم وہی جرم کرو گے جو اس نے کیا ہے تو میں اکیلا تم سب کے ساتھ اس وقت تک لڑوں گا کہ یا تو تمہیں ختم کر ڈالوں اور یا خود شہید ہو جاؤں مگر ان کو جرأت نہ ہوئی۔اس واقعہ کے بعد اس خاندان میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ (الصارم، وفاء الوفاء)

ابو قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدیؓ سے مروی ہے کہ:

ایک روز رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے واسطے تشریف لے گئے۔جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے صدیق اکبرؓ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی۔اس عرصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف فرما ہو گئے اور صف میں قیام فرمایا۔جب نمازیوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو دستک دینے لگے۔اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ خبردار ہو جائیں کیونکہ ان کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف نہ دیکھتے تھے۔جب صدیق اکبرؓ نے دستک کی آواز سنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں لہٰذا پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہو۔صدیق اکبرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس

نوازش پر کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے امامت کا حکم فرمایا، اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اے ابوبکر! جب میں خود تمہیں حکم کر چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون چیز مانع ہوئی تھی۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ابی قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ:

ان یصلی بین یدی رسول اللہ ﷺ.

رسول اللہ ﷺ کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔

بجائے بزرگاں نشستن خطا است

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ آغازِ خلافت میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو منبر کے جس درجے پر رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر خطبہ القا فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سے نیچے کے درجے پر بیٹھے کہ:

بجائے بزرگاں نشستن خطا است

پھر جب حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں اسی منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا چاہا تو اس درجہ سے بھی نیچے کے درجے پر بیٹھے کیونکہ ان کے نزدیک مقامِ رسول اللہ ﷺ کے ادب کے ساتھ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے مقام کا ادب بھی واجب تھا۔

از خدا خواہم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضل ربّ

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف جنگِ حدیبیہ میں صلح کے واسطے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمانؓ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپؓ

نے طواف کرنے سے انکار کیا اور اپنے پروردگار کے حکم:

یآیھا الّذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللّٰہ ورسولہٖ.

اپنے آقائے نامدار کا ادب و تعظیم مدنظر رکھ کر فرمایا:

ما کنت لا فعل حتیٰ یطوف رسول اللّٰہ ﷺ.

یعنی میں طواف نہ کروں گا جب تک میرے مولا رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں گے۔

کنز العمال میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ:

میں اسلام میں چوتھا شخص ہوں اور میرے نکاح میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے دی ہیں اور میں نے جب سے اپنا داہنا ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک سے ملایا ہے، اس دن سے میں نے اپنی شرمگاہ کو کبھی نہیں چھوا۔

ہم تو اس نام کی تکریم کیا کرتے ہیں

صحیح مسلم میں براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو رسول اللہ ﷺ کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا، جس میں یہ عبارت تھی:

ھٰذا ما کاتب علیہ محمد رسول اللّٰہ.

تو مشرکوں نے کہا کہ لفظ "رسول اللہ" نہ لکھو کیونکہ اگر رسالت مسلم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں۔ لہٰذا حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا۔

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں

شفا قاضی عیاض میں مروی ہے کہ:

جنگ خیبر کی واپسی میں منزل صہبا پر رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر ادا فرمائی اور حضرت علیؓ جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو آپؐ نے اسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر آرام فرمایا۔ چونکہ حضرت علیؓ نے نمازِ عصر نہیں پڑھی تھی اس لئے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے کہ نمازِ عصر کا وقت گزر رہا ہے جو سب نمازوں سے افضل ہے اور جس کی تاکید قرآن مجید میں بتکرارِ عطف فرمائی:

حافظوا علی الصلوٰت الصلوٰۃ الوسطیٰ. (سورۂ بقرہ، ر ۳۱)

''یعنی حفاظت کرو اور نگاہ رکھو تم نمازوں کو اور نمازِ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر کو۔''

خندق کے دن خود رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر کے فوت ہو جانے پر کفار کے واسطے یہ بددعا فرمائی:

حبسونا عن صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملاء اللّٰہ بیوتھم وقبورھم ناراً.

''یعنی ان کفار نے ہم کو نمازِ وسطیٰ سے یعنی نمازِ عصر سے روکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔''

باوجود اتنی تاکید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمداً نمازِ عصر کو ترک کر دیا محض اس خیال سے کہ اگر میں اپنا زانو ہلاؤں گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو جائیں گے اور آپؐ کے خواب میں خلل آ جائے گا۔ لہٰذا آپؓ نے محض حضرت ﷺ کی اطاعت کے

باعث زانو کو نہ ہلایا حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا۔ مگر جب حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نماز کے فوت ہو جانے کا حال عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی کہ یا الٰہ العالمین! اگر علی تیری اطاعت میں تھا تو پھر آفتاب کو طلوع کر دے۔ پس اسی وقت ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نہایت تسکین کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی۔ پھر آفتاب حسبِ معمول غروب ہو گیا۔

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

رسول اللہؐ مجھ سے بڑے ہیں

بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں ابی الحویرثؓ سے روایت کی ہے کہ:

عبدالملک بن مروان نے قباث بن اشیمؓ سے پوچھا کہ تم اکبر ہو یا رسول اللہ ﷺ اکبر تھے۔

قال رسول اللہ ﷺ اکبر منی و انا اسن منہ.

انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے تھے اور میں عمر میں ان سے زیادہ ہوں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف عامِ فیل میں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لے کر کھڑی تھیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

ابوداؤد میں عبد بن فیروزؒ سے مروی ہے کہ:

براء بن عازبؓ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں؟

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ چار قسم کے جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں۔

۱: ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو۔

۲: دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو۔

۳: تیسرا وہ جس کا لنگ ظاہر ہو۔

۴: چوتھا وہ جو نہایت دبلا ہو۔

اس کو آپؐ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے تشریح فرمائی **لیکن میری انگلیاں** حضرت کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں پہلے دستِ مبارک کے اشارہ سے تعیین فرمادیا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست نہیں، پھر ان کی تفصیل۔ براء بن عازبؓ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا تو ادب نے اجازت نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کی جائے لہٰذا عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے۔ ظاہراً نہ اس میں کوئی مساوات کا شائبہ ہے نہ سوادب کا۔ باوجود اس کے ادب صحابیت نے دستِ مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی تھی، اب دوسرے آداب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا عشق رسولؐ

صحیح بخاری میں ابو رافعؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ:

ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا۔ چونکہ

میں اجنبی تھا اس لئے میں چھپ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمتِ اقدس ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! تم کہاں تھے؟ عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا۔ فرمایا:

سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس.

''یعنی پاک ہے اللہ تعالیٰ مؤمن نجس نہیں ہوتا۔''

حضرت اسلع بن شریک کا عشق رسولؐ

زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں یہ حدیثِ پاک نقل کی ہے۔ اسلع بن شریکؓ کہتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت مجھے نہایت تردّد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مر جانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہہ دیا کہ کجاوہ باندھے۔ پھر میں نے چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہا کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے جاملا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے اسلع! کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو میں متغیر پاتا ہوں؟ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نہیں باندھا تھا۔ فرمایا، کیوں؟ عرض کیا، اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا اس لئے کسی اور کو باندھنے کے لئے کہہ دیا۔ اسلعؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

''یا یھا الّذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصّلوٰۃ. (سورۂ مائدہ، ر۲)

جس سے سفر میں تیمّم کرنے کی اجازت ملی۔ (درمنثور طبرانی وغیرہ)

خالد بن ولیدؓ کا عشقِ رسولؐ

حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید والسلام کے چند موئے مبارک تبرکاً تھے۔ایک جنگ میں آپ کی وہ ٹوپی گر پڑی آپ نے اس کے حصول کے واسطے سخت جنگ کی۔حتیٰ کہ چند مسلمان بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔صحابہ کرام نے ان کو الزام دیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ میں نے یہ فعل ٹوپی کے واسطے نہیں کیا بلکہ ان موئے مبارک کے واسطے کیا جو اس میں تا کہ وہ ضائع نہ ہوں اور کفار کے ساتھ میں نہ جانے پائیں اور مجھ سے اس کی برکت جاتی نہ رہے۔

میرا سرمایہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت امیر معاویہؓ کے حال میں لکھا ہے:

وکانْ عندہ شئی من شعور رسول اللّٰہ علیہ وسلم وقلامۃ الاظفار فاوصیٰ ان تجعل فیہ وعینیہ وقال افعلوا ذٰلک وخلوبینی وبین ارحم الراحمین۔

"یعنی امیر معاویہؓ کے پاس جناب رسول اللہ ﷺ کے کچھ موئے مبارک اور تراشۂ ناخن محفوظ تھے۔جب وہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ یہ چیزیں میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دینا اور پھر میرا معاملہ ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔"

سر جھکائے بیٹھے تھے

مستدرک میں ہے۔عبدالرحمٰن بن قرطؓ کہتے ہیں کہ:

ایک بار میں مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں۔ یعنی سب لوگ حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مؤدبانہ سر جھکائے بیٹھے تھے کہ گردنوں پر سر نہیں دکھائی دیتے تھے اور ایک صاحب حدیث شریف بیان کرر ہے تھے۔ جب غور سے ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حذیفہؓ ہیں۔

مسجدِ نبویؐ میں چلا کر بولنے پر حضرت عمرؓ کا تعزیری حکم

مسجد نبویؐ میں اونچا بولنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مسجدِ نبویؐ میں بلند آواز کرنے والوں کو تنبیہ کی اور ڈانٹا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن السائب بن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فائتنی بهٰذین فجیت بهما قال من انتما او من این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لا وجعتکم ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله ﷺ. (رواہ البخاری)

"یعنی صحیح بخاری میں سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا۔ میں ایک بار مسجدِ نبویؐ میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری۔ دیکھا تو عمر بن خطابؓ ہیں۔ کہا جاؤ اوران دو شخصوں کو لے آؤ۔ جب ان دونوں کو میں ان کے پاس لے گیا تو پوچھا، تم کون ہو؟ کہاں سے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم طائف کے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر سے ہوتے تو میں تم کو ضرور اذیت پہنچاتا اور مارتا، اس واسطے کہ تم مسجدِ نبویؐ میں بلند آواز کرتے ہو۔"

حضرت فضیلہؓ کا عشق رسولؐ

ایک مرتبہ حضرت فضیلہ بن عبید اسلمیؓ اور حضرت ابن ورعؓ تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپؐ ان دونوں کو تیر اندازی میں مشغول دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر آپؐ نے حضرت فضیلہؓ سے فرمایا:

''اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو چونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ورعؓ کے ساتھ ہوں۔''

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت فضیلہؓ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپؐ ابن ورعؓ کے ساتھ ہیں تو ادب کی بناء پر میں مقابلے میں تیر نہیں پھینک سکتا۔ یعنی مقابلے کا لفظ برابری کے زمرے میں آتا ہے، مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپؐ کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکنے ہی میں کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف)

آقا کی موجودگی میں

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ:

جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دستر خوان پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک طعام کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی علی الصلوٰۃ والسلام شروع نہ فرماتے۔ چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اسی لئے صحابہ کرامؓ اجمعین کھانا کھانے میں بھی پہل نہ کرتے تھے۔

وفد عبدالقیس کی تعظیمِ رسولؐ

حضرت زراعؓ روایت کرتے ہیں کہ:

وفد عبدالقیس کے لوگ جب مدینہ منورہ آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاوں سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو (وفورِ محبت و ادب سے) چومنے لگے۔ (احمد/ابوداؤد)

حضرت علیؓ نے اپنے گھر کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا۔ آپؓ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ دروازہ تیار کرے گا تا کہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم ﷺ کو اذیت نہ پہنچے۔ جب دروازہ تیار ہو جائے تو اپنی جگہ پر نصب کر دیا جائے گا۔

دیوان گان نبویؐ کا انتظار واضطرار

مدینہ باسکینہ کے گلی کوچوں میں یہ فرحت انگیز خبر گونج رہی تھی کہ فخر کون ومکاں سرور زمین وزماں رحمتِ کائنات ﷺ کا سایہ عاطفت وشفقت اس شہر پہ جلوہ فگن ہونے کو ہے۔ شاہِ دوسرا کی سواری مکہ معظّمہ سے سوئے بطحا رواں دواں ہے۔ مدینہ باسکینہ کے پیر و جواں، صغیر وکبیر، عورتیں اور بچے حتیٰ کہ اشجار واحجار بھی ہمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے۔ معصوم بچے سرور وانبساط اور فرحت ونشان میں نغمہ سرا تھے، رحمتِ کائنات کی آمد آمد ہے۔

انتظار کی بے تابی اور لقائے رُخِ زیبا کا شوق اہالیان مدینہ باسکینہ کو ہر روز علی الصبح شہر سے دور راستہ میں لا کھڑا کر دیتا۔ مضطرب دل اور بے تاب نگاہیں کوسوں دور تک اپنا گوہر مقصود تلاش کرتیں۔ جب سورج میں تمازت اور گرمی میں شدت کا غلبہ ہو جاتا تو حسرت و یاس کے ساتھ واپس لوٹ جاتے۔ یہ ان کا معمول بن گیا تھا۔ ادھر وہ قدسی صفات کا قافلہ سنگلاخ راستوں کی جان لیوا صعوبتوں سے دوچار ہوتا، پہاڑیوں اور وادیوں

کے خاردار دامنوں سے گزرتا، مدینہ باسکینہ کی سرزمین پر جلوہ ریز ہوتا ہے۔ اہل مدینہ نے ایسا پرخلوص اور پرتپاک استقبال کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر، باطل کی تیرہ و تار فضاؤں سے نکل کر اسلام کے سایہ رحمت میں پناہ لینے والے اپنے ہادی اور محبوب آقا ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اُمڈ آئے۔

ان عاشقانِ رسولؐ نے ہجر کی گھڑیاں تڑپ تڑپ کر کاٹیں۔ ہجر کے دل گداز، جاں سوز اور پرشوق لمحات بالآخر گزر گئے۔ مطلع نور نظر نواز ہوا۔ وہ خورشید جہاں تاب، مہر رسالت، نورین، شمع صدق و یقین، جان حرم جلوہ نما ہوا۔ فخر موجودات، مقصود کائنات ﷺ کی تشریف آوری پر اہل مدینہ ہی نہیں، شجر حجر، چرند پرند بلکہ موجودات کی ہر چیز نے خوشیاں منائیں۔

اہالیانِ مدینہ کی مسرتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ خوشی سے تمتماتے ہوئے چہروں، شادمانی سے لبریز سینوں اور خوشی سے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کی منظرکشی الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔ ہر دل مہمان ذی شان کے لئے بے تاب و بے قرار اور ہر آنکھ اس تجلی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے مضطرب تھی۔

ایک دن حسبِ معمول جب انتظار بسیار کے بعد گھروں کو جاچکے تھے تو ایک یہودی کی نگاہ اچانک اس قدسی صفات قافلہ پر پڑی جس کے لئے سب بے تاب اور بے چین تھے۔ وہ ضبط سخن نہ کرسکا اور بے ساختہ پکار اٹھا۔ اہل عرب تمہیں جس مقصود کائنات کا انتظار تھا، وہ آگئے۔ حبیب لبیب، مدنی تاجدار، یارِ غار صدیق با اعتبار کی معیت میں سفید براق پوشاک زیب تن کئے مدینہ منورہ کے افق پر بدر منیر بن کر چمکے۔ ہر سمت اللہ اکبر کی ایمان افروز اور وجد آفرین صدا گونجنے لگی۔ انصار فرط سرور میں ہتھیار سجا سجا کر بے تابانہ گھروں سے نکل آئے اور سیّد کائنات ﷺ کا استقبال کرنے لگے۔

جس دن مدینہ کریمہ کے افق پر سراجاً منیراً اپنی عالمگیر درخشانی وتابانی کے ساتھ چمکا۔ مدینہ منورہ کی رنگینیوں اور نیرنگیوں میں عظیم انقلاب بپا ہو گیا۔ فضا معطر ہو گئی اور ہاطف نے رشد و ہدایت اور توحید ورسالت کے نشو نما اور ارتقا کی تاریخ سنہری حروف میں رقم کی۔

شاہِ تبع کا محل

ایک روایت میں ہے کہ:

جب تبع شاہ یمن مدینہ منورہ سے گزرا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے۔علماء نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انہیں اس سرزمین پاک میں رہ جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا جس پر علماء نے کہا، ہم نے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کا دارالہجرت یہ شہر ہوگا۔ بادشاہ نے نہ صرف انہیں وہاں قیام کی اجازت دے دی بلکہ ان سب کے لئے مکانات تعمیر کرائے، ان کے نکاح کرائے اور گزر اوقات کے لئے مال و دولت بھی عطا کیا اور مقصودِ کائنات ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے لئے بھی ایک عالی شان محل تعمیر کرایا اور آپؐ کے نام خط لکھا جس میں اپنے اسلام اواشتیاق دیدار کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔

شهدت علی احمد انه
رسول من الله باری النسم

''میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔''

فلو مد عمری الیٰ عمره
لکنت وزیرً له وابن عم

''اگر میری عمر نے وفا کی اور ان کی آمد تک خدا نے زندگی بخشی تو میں ان کا

معین و مددگار بنوں گا۔''

وجاھدت بالسیف اعداءہ
وفرجت عن صدرہ کل غم

''اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کر دوں گا۔''

بادشاہ نے اس خط کو سربمہر کر کے ایک عالم کو سپرد کیا اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزمان ﷺ کو پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا۔ بصورتِ دیگر یہ خط اپنی اولاد کے حوالے کر کے یہی وصیت کر دینا۔

چنانچہ وہ خط نسل در نسل چلتے چلتے سیّدنا ابوایوب انصاریؓ تک پہنچ گیا اور شاہِ تبع کا تعمیر کردہ محل بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا اور تعمیر در تعمیر کے مراحل طے کرتا ہوا سیّدنا ابوایوبؓ کے زیرِ تصرف آ گیا۔ چنانچہ جب خیر الخلائق سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دونوں چیزیں آپؐ کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔

استن حنانہ از ہجر رسولؐ

شفیع المذنبین رحمت للعالمین ﷺ کے لئے جب منبر تیار ہو گیا تو آپؐ حسبِ معمول جمعہ کے دن خشک تنا کے پاس سے گزر کر منبر پر رونق افروز ہوئے ہی تھے کہ وہ خشک لکڑی فراقِ محبوبؐ میں زار و قطار رونے لگی کیونکہ وہ اس سعادتِ عظمیٰ اور اس سرچشمہ راحت سے محروم ہو گئی، وہ مقدس و معجز جسم اس سے مس نہ ہوا تھا۔ جو سعادت اور عظمت کی نعمت بے پایاں اسے حاصل تھی، اس سے وہ یکسر محروم ہو گئی۔ اس دل فگار صدمہ کی شدت سے اس کا وجود شق ہو گیا اور رونے کی ایسی ہیبت ناک آواز آنے لگی جیسے گابھن اونٹنی آواز

کرتی ہے۔اس حیرت انگیز اور محیّر العقول واقع سے تمام حاضرین پر بھی رقت طاری ہوگئی۔

سیّدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اقدسؐ جس خشک تنا سے تکیہ لگایا کرتے تھے، منبر آجانے کے بعد ہم نے اس سے ایسی آواز سنی جیسے گابھن اونٹنی ولادت کے وقت آواز نکالتی ہے۔ چنانچہ سرورِ کونین ﷺ منبر سے اتر کر اس کے پاس آئے اور اپنا دستِ شفقت اس پر پھیرا اور وہ خاموش ہوگیا۔

سیّدنا جابر عبداللہؓ اس رقت انگیز منظر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

فصاحت النخلة صياح الصبى.

''وہ لکڑی بچے کی طرح چلا اٹھی۔''

رحمتِ کائنات ﷺ نے منبر سے اتر کر اسے گلے لگایا اور وہ بچے کی طرح سسکیاں بھرتی ہوئی خاموش ہوگئی۔ وہ لکڑی ذکرِ خداوندی کے سننے سے محرومی پر گریہ وزاری کر رہی تھی۔

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/ 1245ء سیّدنا عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا آخری حصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب سرورِ کون ومکان، فخرِ زمین وزمان ﷺ کھجور کے تنا کے پاس سے گزر کر منبر پر تشریف فرما ہونے لگے تو اس لکڑی نے چلانا شروع کردیا۔ اس کی آواز گائے کے بچھڑے کی طرح تھی اور تین مرتبہ یہ خوفناک آواز سنی گئی جس پر لوگ کھڑے ہوگئے۔ بعض آدمی ایڑھیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ کیا ہوگیا ہے۔ پھر حضورِ اقدسؐ نے اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا جس پر وہ خاموش ہوگئی۔

مولانا رومیؒ اس واقعہ کو اس طرح پیش فرماتے ہیں:

استن حنانہ از ہجر رسولؐ
نالہ می زد ہمچو ارباب عقول

''وہ تنا جسے استوانہ حنانہ کہا جاتا ہے رسول اکرم ﷺ کی جدائی سے اس طرح رو رہا تھا جیسے ارباب عقول یعنی انسان روتا ہے۔''

در تحیر ماندہ اصحابِ رسولؐ
کز چہ می نالد ستوں باعرض و طول

''اس آوازِ گریہ سے صحابہ کرامؓ تعجب میں پڑ گئے کہ یہ ستون اپنے پورے جسم طول وعرض سے کس طرح رو رہا ہے۔''

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں
گفت جانم از فراقت گشت خوں

''حضورِ اقدسؐ نے دریافت فرمایا کہ اے ستون! تو کیا چاہتا ہے؟ وہ کہنے لگا، یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کی جدائی کے صدمہ سے میری جان خون ہو رہی ہے۔''

از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں
چوں نالم بے توای جانِ جہاں

''آپؐ کی جدائی سے میری جان اندر ہی اندر جل رہی ہے پھر اس آتش غم کے ہوتے ہوئے آپؐ کے فراق سے میں کیوں نہ آہ وفغاں کروں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔''

مسندت من بودم از من تاختی
برسر منبر تو مسند ساختی

''میں آپؐ کے سہارا لگانے کی جگہ تھا۔ آپؐ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپؐ نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرما لیا۔''

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مبارک ستون! اگر تو چاہتا ہے تو تیرے

لئے دعا کروں کہ تو سرسبز وثمر بار درخت ہو جائے اور تیرے پھلوں سے ساری دنیا کے لوگ مستفید ہوں یا تو عالمِ آخرت میں سے کچھ چاہتا ہے اور تو ہمیشہ کے لئے تروتازہ ہونا چاہتا ہے۔ اسطوانہ حنانہ نے جواب میں عرض کیا، میں تو دائمی اور ابدی نعمت چاہتا ہوں۔

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں کہ غافلو! سن لو تمہیں اس لکڑی سے سبق لینا چاہئے کہ انسان ہو کر بھی تم دنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگردان ہو رہے ہو اور وہ خشک لکڑی ابدی نعمت کو فانی نعمت پر ترجیح دے رہی ہے۔

آں ستون را دفن کرد اندر زمیں
تاچو مردم حشر گردد یوم دیں

پھر اسطوانہ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تا کہ مثل انسانوں کے روزِ جزا اس کا حشر ہو۔

مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟

ایک سیاہ فام صحابیہؓ مسجدِ نبویؐ میں جھاڑو دینے کی خدمت ہمیشہ انجام دیا کرتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ اس کی وجہ سے رسول الثقلین ﷺ اس بڑھیا کی بے حد قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں راتوں رات دفن کر دیا اور ان کے انتقال کی اطلاع حضورِ اقدسؐ کو نہ دی۔ آپؐ نے جب اسے مسجد سے غیر حاضر پایا تو صحابہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ وہ انتقال کر گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضورؐ!

آپؐ استراحت فرمارہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا۔

آپؐ نے فرمایا، مجھے اس کی قبر بتائی جائے۔ چنانچہ آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

بعض روایات میں مذکورہ خادم کے مرد یا عورت ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت ''اُمِّ محجن'' تھی۔

حضرت تمیم داریؓ

سیّدنا ابی ہندؓ بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت تمیم داریؓ مسجد نبوی شریف کے لئے ملکِ شام سے قندیلیں، تیل اور قندیلیں لٹکانے کے لئے زنجیر لائے تھے۔ پھر انہیں مسجد میں آویزاں کرایا اور شبِ جمعہ کو روشن کی گئیں۔ جب رحمتِ کائنات ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا، یہ کس کا کارنامہ ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ انتظام تمیم داری نے کیا ہے۔ آپؐ کی زبانِ حق ترجمانی سے گہرفشانی ہوئی۔

نورت الاسلام نور اللّٰہ علیک فی الدنیا و الآخرۃ: امانۃ لو کانت لی ابنۃ لن وجتکھا.

''تم نے مسجدِ اسلام کو منور کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں جہاں منور فرمائے۔ افسوس! اگر میری کوئی بیٹی (طاقی) ہوتی تو اس خوشی میں تمہارے ساتھ اس کا نکاح کردیتا۔''

یہ سن کر حضرت نوفل بن الحارثؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے

ہاں بیٹی ہے جس کا نام مغیر ہے۔ اگر آپؐ اس کا نکاح تمیم داریؓ سے کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ چنانچہ آپؐ نے مغیر سے ان کا نکاح کر دیا۔

آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں

حضرت سلمان فارسیؓ نے 35ھ میں بعہد خلافت امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ وفات پائی۔ مرض الموت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی عیادت کے لئے گئے تو حضرت سلمانؓ زار زار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا، ابوعبداللہ (سلمان فارسیؓ کی کنیت) رونے کا کون

سا محل ہے۔ رسول کریم ﷺ تم سے راضی رخصت ہوئے، اب تو خلد بریں میں اپنے آقا سے ملاقات ہوگی۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ مجھے دنیا کی خواہش ہے بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا جمع نہ کرنا اور دنیا سے اس طرح جانا، جس طرح میں جاتا ہوں۔ اب میرے پاس اسباب جمع ہو گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اپنے آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں۔

یہ اسباب جس کی وجہ سے حضرت سلمانؓ گریہ وزاری کر رہے تھے۔ محض ایک بڑے پیالے، ایک لوٹے، ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلہ پر مشتمل تھا۔ تکیہ کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ (محبانِ رسولؐ ۱۲۵)

یادیں تازہ ہو گئیں

۱۱ھ میں سرورِ کائنات ﷺ نے سفر آخرت فرمایا تو حضرت بلالؓ پر غم واندوہ کا

پہاڑ ٹوٹ پڑا۔طبرانی نے عبداللہؓ بن محمد،عمرؓ اور عمارؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"اے خلیفہ رسول میں نے اپنے آقا کو یہ فرماتے سنا کہ مومنین کیلئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، میرا ارادہ ہے کہ اب میں تادم مرگ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا، "اے بلالؓ میں تمہیں خدا کا واسطہ اور اپنی حرمت اور اپنے حقوق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، میرے قواء کمزور ہو گئے ہیں اور میری وفات قریب ہے اس وقت تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

حضرت بلالؓ نے حضرت اکبرؓ کی بات مان لی اور مدینہ منورہ میں ہی ٹھہر گئے۔بیت المقدس کی تسخیر کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق ؓ کو بہ نفس نفیس شام جانا پڑا۔ان کے بیت المقدس پہنچنے پر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خلیفۃ المسلمین نے عیسائیوں سے معاہدہ صلح مرتب کیا۔اس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔سامعین میں حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔اے ہمارے سردار بلالؓ! آج اسلام کے قبلہ اوّل پر پرچم توحید لہرایا ہے،اس باعظمت موقع پر آپؓ اذان دیں تو ہم آپؓ کے شکر گزار رہوں گے۔

حضرت بلالؓ نے عرض کیا، امیر المومنین! میں عہد کر چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپؓ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں۔یہ کہہ کر اذان کے لئے کھڑے ہو گئے۔جب ان کے منہ سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ نکلے تو صحابہ کرامؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔انہیں رحمتِ عالم ﷺ کے عہد

مبارک کا سماں یاد آ گیا۔ جب وہ اشہدان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو صحابہ کرامؓ روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کو فراق رسول ﷺ نے تڑپا دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو بڑی مشکل سے ان عاشقان رسول ﷺ کو قرار آیا۔

(محبانِ رسولؐ ۱۳۳)

زخم جو تازہ ہو گئے

شام کے معرکوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے وہیں کے ایک گاؤں ''خولان'' میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ حضور پرنور ﷺ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ اے بلالؓ! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لئے آؤ۔ اس خواب نے اس عاشق صادق کو تڑپا کر رکھ دیا۔ آتش فراق بھڑک اٹھی، بے تابانہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو صبر و قرار کا یارانہ نہ رہا اور فراق حبیبؐ میں اس درد سے روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوبؐ کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار بار ان کا منہ اور سر چومتے تھے۔ انہوں نے خواہش کی کہ بابا بلالؓ! کل فجر کی اذان روضہ رسولؐ پر آپؓ دیں۔ بلالؓ اپنے آقا و مولا ﷺ کے جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ فجر ہوئی تو روضہ رسولؐ کے قریب اذان کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی، مدینہ منورہ کی پوری فضا حشر ساماں ہو گئی۔ رسول اکرم ﷺ کا عہدِ مبارک لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضہ اقدسؐ کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے اشہدان محمد رسول اللہ کہا

تو پردہ نشین خواتین بھی بے تاب ہو کر گھروں سے باہر نکل آئیں، روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا ہادی برحق سید کونین ﷺ نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا دلدوز اور پراثر منظر آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ (محبانِ رسولؐ ۱۴۴)

بے ادبی کا اندیشہ

سرورِ کونین ﷺ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو بالا خانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی اور روحانی اذیت کا باعث بھی۔ یہ روحانی اذیت ایک رات اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرورِ کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔ حضورؐ نے وجہ دریافت کی تو عرض کیا، ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان، ہم کو ہر لحظہ آپؐ کی بے ادبی کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ رات کو اس اندیشہ نے شدت اختیار کر لی۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم غلاموں پر کرم فرمایئے اور بالا خانے پر تشریف لے چلئے، حضورؐ کے غلاموں کے لئے آپؐ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے ابوایوبؓ کی درخواست قبول فرمالی اور آپؐ اوپر کی منزل پر منتقل ہو گئے۔ حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔ (محبانِ رسولؐ ۱۴۸)

انگلیوں کے نشانات

سرورِ کائنات ﷺ چھ یا سات مہینے ابوایوبؓ کے گھر مقیم رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمتِ دو عالم کی خدمت کی وہ ان کے عشق رسولؐ پر دلالت ہے۔ حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت ہادی اکرمؐ کی خدمت میں ماحضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آجاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضور ﷺ اسے حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے۔ ان کی عقیدت کیشی اور حب رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرورِ عالمؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے یہ خیال تبرک واتباع رسولؐ انہیں پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے تھے۔

(محبانِ رسولؐ ۱۳۸)

اگر تم نہیں کرسکتیں؟

حضرت ابوایوبؓ نہ صرف ذاتِ رسالتؐ کے عاشق تھے بلکہ وہ خاندان نبوت کے سبھی افراد سے بے حد محبت کرتے تھے۔ واقعہ افک میں جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تو ابوایوبؓ کی اہلیہ اُمّ ایوب نے ان سے پوچھا۔ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپؓ نے سنا؟ بولے، ہاں لیکن یہ سب جھوٹ ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ لوگ جس بات کو اُمّ المومنین کو متہم کر رہے ہیں، کیا تم ایسا کرسکتی ہوں؟

اُمّ ایوبؓ نے کہا، خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔ فرمایا، اگر تم ایسا نہیں کرسکتیں تو عائشہ صدیقہؓ کا درجہ اور کردار تو تم سے بہت بلند ہے۔ (محبانِ رسولؐ ۱۳۸)

ہرگز ایسا نہیں کروں گا

ایک دن امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو انہیں کھانے کی دعوت دی۔ دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ابوذرؓ جیسے مرد درویش بھلا انہیں کب کھا نا لگا سکتے تھے۔ دعوت قبول کرنے سے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے میرا کھانا ہفتہ بھر کے لئے ایک صاع جو رہا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس پر زیادتی نہیں کروں گا حتیٰ کہ اپنے خلیل رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچ جاؤں۔'' (محبانِ رسولؐ ۱۵۴)

ارشادِ محبوبؐ پر کامل یقین

حضرت ابوذر غفاریؓ ہنگامہ ہائے دنیا سے الگ تھلگ اپنی زندگی کے دن صبر و قناعت سے کاٹنے لگے۔ ۳۱ھ یا ۳۲ھ کے ایام حج میں حضرت ابوذر غفاریؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ ربذہ کے تمام لوگ حج کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور ابوذر غفاریؓ کے پاس صرف ان کی رفیقہ حیات اور ایک لڑکی موجود تھی۔ ابوذر غفاریؓ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی اہلیہ رونے لگیں۔ ابوذرؓ نے نحیف آواز میں پوچھا، روتی کیوں ہو؟ اہلیہ نے جواب دیا، آپؓ ایک ویرانہ میں دم توڑ رہے ہیں۔ نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے کہ آپؓ کو کفن دے سکوں نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپؓ کی ابدی خوابگاہ تیار کر سکوں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا، سنو ایک دن ہم چند لوگ رسول اکرمؐ کی خدمت میں شامل تھے حضورؐ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص صحرا میں جاں بحق ہوگا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شرکت کرے گی اس وقت جو لوگ

موجود تھے۔ وہ سب شہری آبادیوں میں وفات پا چکے ہیں اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ رسول اکرمؐ کی پیشگوئی کا مصداق نہ بنوں۔ تم باہر جا کر دیکھو حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آتی ہوگی۔'' پاس ہی ایک ٹیلہ تھا حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ اس پر چڑھ کر انتظار کرنے لگیں تھوڑی دیر بعد دور گرد اڑتی نظر آئی۔ پھر اس میں سے چند سوار نمودار ہوئے جب قریب آئے تو ابوذرؓ کی زوجہ نے انھیں پاس بلا کر کہا۔ ''بھائیو! قریب ہی ایک مسلمان سفر آخرت کی تیاری کر رہا ہے اس کے کفن دفن میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔'' قافلے والوں نے پوچھا ''وہ کون شخص ہے'' جواب دیا ''ابوذر غفاری'' ابوذرؓ کا نام سنتے ہی قافلے والے بے تاب ہو گئے اور ''ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں'' پکارتے ہوئے ان کی طرف لپکے۔

ادھر ابوذرؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا ''جان پدر ایک بکری ذبح کر اور گوشت کی ہنڈیا چولے پر چڑھا دے کچھ مہمان آنے والے ہیں جو میری تجہیز و تکفین کریں گے۔ جب وہ مجھے سپرد خاک کر چکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ یہ گوشت نہ کھالیں یہاں سے رخصت نہ ہوں''

جب قافلے والے حضرت ابوذرؓ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو ان کا دم واپسیں تھا۔ اکھڑی ہوئی آواز میں فرمایا ''تم لوگوں کو مبارک ہو تمہارے یہاں پہنچے کی خبر سالہا سال پہلے ہادی برحق ﷺ نے دے دی تھی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدہ دار ہو یا رہ چکا ہو'' اتفاق سے اس قافلہ میں ایک انصاری نوجوان کے سوا سب لوگ کسی نہ کسی صورت میں حکومت سے متعلق رہ چکے تھے اس نے آگے بڑھ کر کہا ''اے رسول اکرمؐ کے محبوب رفیق میں آج تک حکومت کی ملازمت سے بے تعلق ہوں میرے پاس دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کرتے بنے ہوئے ہیں اجازت ہو تو

ان میں آپ کو کفنا دوں۔ حضرت ابوذرؓ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر جان جانِ آفرین سپرد کر دی۔

اس قافلہ کے اکثر لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔ اتفاق سے ان کے ساتھ فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر سب نے مل کر اس آفتاب رشد و ہدایت کو سپردِ خاک کر دیا۔ (محبانِ رسولؐ ۱۵۴)

آپؐ سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی محبوب نہ رہا

۴۳ھ یا ۴۷ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ ان کے پاس ہی تھے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا:

''ابا جان آپؓ روتے کیوں ہیں۔ کیا آپؓ کو رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی تھیں؟''

حضرت عبداللہؓ بن العاص نے فرمایا:

''بیٹا ایک وقت تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ پھر وہ وقت آیا کہ آپؐ میرے لئے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہو گئے اور آپؐ سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی محبوب نہ رہا۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنت کی امید تھی۔ پھر زندگی کا تیسرا دور آیا جس میں، میں نے مختلف قسم کے اعمال کئے، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حشر ہوگا؟ وہاں میرے پاس سب سے قیمتی متاع لا الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہے۔ جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والی عورتیں میرے جنازہ کے ساتھ نہ جائیں، نہ جنازے کے آگے پیچھے جائیں۔ دفن کرتے وقت مٹی آہستہ

آہستہ ڈالنا۔ تدفین کے بعد اتنی دیر تک قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے..........۔''

نزع کے وقت ہوش وحواس پوری طرح قائم تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا، اباجان! آپؓ ذرا اپنی کیفیت تو بیان کریں کہ اس وقت آپؓ کیا محسوس کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

''بیٹا! یوں محسوس ہوتا ہے کہ جبل رضوی میری گردن پر ٹوٹا پڑتا ہے، میری آنتوں کو کھجور کے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہے اور میری جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے غسل دینا اور جسم کو کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا اور تیسری مرتبہ ایسے پانی سے جس کو کافور کی آمیزش ہو، پھر کپڑے سے خشک کرنا۔ کفناتے وقت ازار کس کے باندھنا، جنازہ کو نہ تیز تیز اور نہ آہستہ آہستہ لے جانا۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا اس کے آگے فرشتے چلتے ہیں اور پیچھے انسان، قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔''

(محبانِ رسولؐ ۱۷۶)

آپؐ مجھے دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہیں

حضرت معاذؓ بن جبل طویل القامت، روشن چہرے، بڑی سرمگیں آنکھوں والے گورے چٹے نوجوان تھے۔ ایک دن بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ رحمتِ عالم ﷺ کے ارشادات سن رہے تھے۔ یکایک حضورؐ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ لیا اور فرمایا:

''میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔''

حضرت معاذؓ نے فرط مسرت سے بے خود ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، مجھے بھی آپؐ سے غایت درجہ محبت ہے اور آپؐ مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہیں۔''

سید المرسلینؐ نے متبسم ہو کر فرمایا، اچھا تو تمام نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ بھولنا۔

''اے اللہ! اپنا ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔''

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! میں آپؐ کے ارشاد پر ہمیشہ عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی وصیت کروں گا۔'' (محبانِ رسولؐ ۱۸۳)

شاید نصیب نہ ہوں پھر وصال کے یہ دن

رحمتِ عالم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو بعض نو مسلم رؤسائے یمن کی طرف سے (جن کا تعلق حمیر کے شاہی خاندان سے تھا) ایک سفارت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور استدعا کی کہ اپنا کوئی نمائندہ یمن کی امارت پر مامور فرمایئے جو عام تبلیغ کے علاوہ لوگوں کو دینی مسائل بھی سکھائے اور ملک کا نظم و نسق بھی چلائے۔ اس اہم خدمت کے لئے حضورؐ کی نظر انتخاب حضرت معاذؓ بن جبل پر پڑی۔ آپؐ نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا کہ میرا ارادہ ہے، تمہیں اہل یمن پر حاکم بنا کر بھیجوں۔ وہاں تمہیں گونا گوں مسائل سے سابقہ پڑے گا۔ یہ بتاؤ جب تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟

حضرت معاذؓ نے عرض کیا، کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

حضورؐ نے پوچھا، اگر تمہیں کتاب اللہ میں کوئی نص صریح فیصلے کے لئے نہ ملے تو

پھر کیا کرو گے؟

عرض کیا، سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

حضورؐ نے پوچھا، اگر سنت نبویؐ میں بھی تمہیں کوئی چیز نہ ملے؟

عرض کیا، پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ذرا بھی کوتاہی نہ کروں گا۔

حضرت معاذؓ کے جوابات سن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور ان کے سینے پر اپنا دست مبارک مار کر فرمایا، اللہ کا شکر ہے اس نے اللہ کے رسولؐ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسولؐ راضی ہے۔

اس کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے اہل یمن کے نام ایک پیغام لکھوایا جس میں تحریر تھا کہ میں اپنے لوگوں میں سے بہترین شخص کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ معاذؓ بن جبل اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، صدقات اور جزیہ کی رقمیں ان کے پاس جمع کروانا اور ان کو راضی رکھنا، دیکھنا وہ کہیں تم سے ناخوش نہ ہو جائیں۔ پھر آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یہ نصیحت فرمائی:

''ملک والوں سے نرم سلوک کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا متنفر نہ کر دینا۔ باہم مل کر کام کرنا۔ تم وہاں ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو پہلے سے کسی مذہب کے پیروکار ہوں۔ جب ان کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو قبول کر لیں تو کہنا اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ ان کو تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ یہ تمہارے امیروں سے لے کر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی۔ جب وہ زکوٰۃ دینا بھی منظور کر لیں تو چن چن کر اچھی چیزیں نہ لینا۔ مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ

کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ شاید اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور جب مدینہ آؤ تو میری قبر دیکھو۔"

حضرت معاذؓ عاشق صادق تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر بے تاب ہو گئے اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا، روؤ نہیں، اس طرح رونا اچھی بات نہیں۔ سیّد الامامؐ کا ارشاد سن کر حضرت معاذؓ خاموش ہو گئے اور بڑے ادب سے حضور ﷺ کو وداعی سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ اللہ تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے، ہر قسم کی مصیبتوں سے بچائے اور جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے۔

اس موقع پر حضرت معاذؓ نے بڑی حسرت سے مدینہ منورہ پر ایک نظر ڈالی اور کہا، الٰہی! میں اہل تقویٰ کو دوست رکھوں گا۔

غرض حضورؐ سے رخصت ہو کر حضرت معاذؓ نہایت سادگی کے ساتھ یمن پہنچے اور پورے دو برس وہاں مقیم رہ کر اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیتے رہے۔ دوسرے تمام عمال بھی ان کے ساتھ خوشدلانہ تعاون کرتے رہے اور اپنے اپنے علاقوں سے صدقات اور جزیہ وصول کر کے باقاعدگی سے ان کے پاس بھیجتے رہے۔

حضرت معاذؓ ابھی یمن میں ہی تھے کہ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں رحمتِ عالمؐ نے وصال فرمایا۔ حضرت معاذؓ نے اپنے محبوبؐ کی دائمی جدائی کی خبر سنی تو ان پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، یمن سے دل اچاٹ ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد امارت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس وقت ان کے پاس کچھ سامان اور جانور تھے جو انہیں اہل یمن نے ہدیہ دیئے تھے۔ حضرت معاذؓ نے ساری چیزیں خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چونکہ ان کو خود ذاتِ رسالت مآبؐ نے یہ ہدیہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ چیزیں لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں

نے یہ چیزیں تم کو ہبہ کر دیں۔ (محبانِ رسولؐ ۱۸۸)

ارشادِ نبویؐ کے مطابق تمنائے شہادت

۱۸ھ میں مصر، عراض اور شام میں طاعون (پلیگ) کی خوفناک وباء پھوٹ پڑی جو ''طاعون عمواس'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت معاذؓ بن جبل اس زمانے میں سپہ سالار شام حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے ساتھ شام میں مقیم تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو وباء زدہ علاقے سے ہٹ آنے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے اس بناء پر معذرت کر دی کہ یہ تقدیر الٰہی سے بھاگنے کے مترادف ہے۔ ہزاروں مجاہدین اس وباء میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے، یہاں تک کہ خود حضرت ابوعبیدہؓ بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو انہوں نے حضرت معاذؓ بن جبل کو بلا کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس وقت پر حضرت ابوعبیدہؓ نے مسلمانوں کو بلا کر فرمایا کہ:

> ''لوگو! یہ وباء تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبی ﷺ کی دعوت اور تم سے قبل کے نیکوں کی موت ہے اور اب ابوعبیدہؓ بھی اپنے رَبّ سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔''

ابھی ان کا خطبہ جاری تھا کہ نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذؓ کو حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی، ادھر حضرت ابوعبیدہؓ کی روح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ حضرت معاذؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ میں بہت محبت تھی، اس لئے حضرت معاذؓ اپنے مشفق اور محبوب دوست کی وفات پر غم سے نڈھال ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا:

> ''لوگو! گناہوں سے توبہ کرو۔ جو بندۂ سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔ جو شخص مقروض ہو، وہ قرض کا بار اپنے سر سے

اتار دے کیونکہ قرض آخرت میں مصیبت کا باعث بنے گا۔ جو مسلمان اپنے کسی بھائی سے خفا ہے، وہ اس سے صلح کر لے کیونکہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام و کلام بند رکھے، یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ مسلمانو! ایک ایسا شخص تم سے جدا ہو گیا جو اخلاق و محاسن کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔ وہ سب سے زیادہ درگزر کرنے والا تھا، مسلمانوں کا سب سے زیادہ خیر خواہ تھا، سب سے بڑھ کر غل وغش سے پاک تھا۔ اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرو، اب اس جیسا کوئی سردار تمہیں نہیں ملے گا۔''

اس کے بعد حضرت معاذؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عمرؓ بن العاص اور حضرت ضحاکؓ بن قیس کے ساتھ مل کر امین الامت کو سپردِ خاک کر دیا۔ اب حضرت معاذؓ سپہ سالار تھے۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا بہتر ہوگا۔ حضرت معاذؓ اس پر برہم ہو گئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں وہی الفاظ پر یہ اضافہ بھی کیا کہ لوگو! میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ مسلمان شام کو فتح کر لیں گے، پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی۔ جو اس میں مرے گا، وہ شہید ہوگا اور اس کا نامہ اعمال پاک ہو جائے گا۔ خداوند! اگر میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔

(محبانِ رسولؐ ۱۹۸)

آپؐ کی ذات دنیا کی ہر چیز سے اچھی محسوس ہوتی ہے

مکہ پر امن طور پر فتح ہو چکا تھا، معافی کا عام اعلان کر دیا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عکرمہ کی بیوی اُمّ حکیم اور ہندہ بنت عتبہ اور ان کے ہمراہ دیگر چند

خواتین نے سوچا کہ اب دربارِ رسالتؐ میں معافی کی خواہست گار ہوں اور آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام لانے کی سعادت حاصل کریں۔ جب یہ خواتین سرورِ دو عالمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپؐ کے پاس آپؐ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور ازواجِ مطہرات میں سے دو رفیقہ حیات موجود تھیں۔ ہندہ نے پردے کی اوٹ سے بلیغانہ انداز میں بات کرتے ہوئے عرض کیا، یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے پسندیدہ بندے کو غلبہ عطا کیا، آپؐ اس کامیابی پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ قرابت داری کی بناء پر آپؐ سے رحم کی اپیل کرتی ہوں اور صدق دل سے اسلام قبول کرتی ہوں۔ پھر اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر کہنے لگی، میں ہندہ بنت عتبہ ہوں۔

سرورِ عالمؐ محسن اعظم، شافع محشر، خلق مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا، خوش آمدید! آپ کی جانب سے خیر سگالی کے کلمات سن کر دلی مسرت ہوئی۔ اسلام کے متعلق آپ کے دل میں نرم گوشے کا پیدا ہونا خوش آئند بات ہے۔

اس خاتون نے کہا، یارسول اللہؐ! ان مبارک لمحات سے پہلے میری دلی کیفیت یہ تھی کہ آپؐ کے اور اسلام کے خلاف میرے دل میں شدید ترین نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے لیکن اب یکا یک نفرت کی جگہ محبت نے لے لی ہے، اب آپؐ کا مشن اور آپؐ کی ذات مجھے دنیا کی ہر چیز سے اچھی محسوس ہوتی ہے۔ سرورِ عالم، محسن اعظم، خلق مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کے ان پاکیزہ جذبات، خیالات و احساسات میں برکت عطا فرمائے۔ بعدازاں اس نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔

(محبانِ رسولؐ ۲۲۱)

شرمندہ ہوں……دل گرفتہ ہوں

اس کے بعد عکرمہ کی بیوی اُمّ حکیم آگے بڑھی۔ سلام عرض کیا اور اسلام قبول

کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے عرض گزار ہوئی، یارسول اللہؐ! عکرمہ اس ڈر سے یمن کی طرف بھاگ گیا ہے کہ کہیں آپؐ کے جانثار اسے تہ تیغ نہ کر دیں، ازراہِ کرم اسے پناہ دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ آپؐ تو خلق عظیم کے علمبردار ہیں، وہ کام کا آدمی ہے میں اسے راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ میں اس کی عادات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ نبی رحمت ﷺ نے اُمّ حکیم کے درد بھرے جذبات کو دیکھتے ہوئے عکرمہ کے متعلق ارشاد فرمایا، آج سے وہ پناہ میں ہے، آ جائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

دربارِ رسالتؐ سے ضمانت کا پروانہ حاصل کر لینے کے بعد وہ عکرمہ کی تلاش میں چل نکلی، اپنے رومی غلام کو ہمراہ لے لیا۔ راستے میں غلام کی نیت میں فتور پیدا ہو گیا، وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگا۔ چونکہ یہ خاتون بلا کی ذہین اور زیرک تھی، یہ اسے امید دلانے کے انداز میں ٹالتی رہی، یہاں تک کہ ایک عرب قبیلہ کی بستی میں پہنچ گئی۔ اس نے قبیلے کے سردار کو اپنا تعارف کراتے ہوئے صورتحال سے آگاہ کیا تو اس نے غضب ناک ہو کر اسے رسیوں سے باندھ دیا۔ ناگہانی صورت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ اکیلی سفر کرتی ہوئی تہامہ کے ساحل سمندر پر عکرمہ سے جا ملی اور کہا، عکرمہ! یقین مانیں میں خلق عظیم کے علم بردار، حسن اخلاق کے پیامبر اور محبت و الفت کا پرچار کرنے والے رسول معظم ﷺ کے پاس سے آئی ہوں اور انہوں نے کمال شفقت، محبت اور الفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو پناہ دینے کے لئے رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ آپ کی اور میری خوش قسمتی ہے، ہم اس پر جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔

جب اُمّ حکیم ساحل پر پہنچی، عکرمہ یمن جانے کے لئے کشتی میں بیٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اُمّ حکیم نے کہا، اب اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالئے، آپ کے مقدر اچھے ہیں میرے ساتھ واپس چلیں۔ عکرمہ نے کہا، کیا تم نے خود ان سے بات کی ہے؟ اس نے کہا،

ہاں کیوں نہیں، میں نے خود رسول اقدس ﷺ سے بات کی تھی۔ میں آپ کی خیر خواہ ہوں، آپ کا مستقبل بہتر بنانا چاہتی ہوں۔ آپ سے مجھے دلی ہمدردی ہے اسی لئے جان جوکھوں میں ڈال کر گرتی پڑتی خطرات و خدشات سے نبرد آزما ہوتی آپ کا پیچھا کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں۔

اُمّ حکیم نے اس انداز سے یقین دلایا کہ وہ اس کے ہمراہ واپس لوٹنے کے لئے تیار ہو گیا۔ راستے میں چلتے چلتے اُمّ حکیم نے عکرمہ کو اپنے رومی غلام کی حرکت کے متعلق بتایا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے کس طرح اسے چکمہ دیتے ہوئے گرفتار کرا دیا۔ وہ یہ بات سن کر سٹپٹا اٹھا اور کہا، مکہ جانے سے پہلے وہاں جانا ہے جہاں اس نا ہنجار کو باندھا گیا ہے۔ وہاں پہنچ کر عکرمہ نے اس بدذات کو دیکھتے ہی موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے پورے جوش و جذبے سے کہا، ارے نمک حرام! مجھے غیر حاضر پا کر تیری ی جرأت کہ میرے حرم پر ڈاکہ کی جسارت کرے۔ ارے بد بخت! تو دھرتی پر بوجھ ہے، تو ایک غلاظت کا ڈھیر ہے، تیرا زمین کے اوپر چلنا اتنا اچھا نہیں جتنا زمین کے اندر دفن ہونا تیرے لئے بہتر ہے، جا جہنم میں ہمیشہ اپنے زخم چاٹتے رہنا۔ اسے قتل کرنے کے بعد سوئے مکہ روانہ ہوئے، راستے میں عکرمہ نے اپنی بیوی اُمّ حکیم سے خلوت کا ارادہ کیا تو اس نے کہا، ایسا تو اب نہیں ہو سکتا۔ میں مسلمان ہو کر پاکیزگی اختیار کر چکی ہوں اور تم ابھی شرک کی نجاست میں ملوث ہو، تم اب اس نیت سے مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا، اس جواب کی اسے قطعاً توقع نہ تھی۔ وہ کہنے لگا، اس طرح میرے اور تمہارے درمیان بہت بڑی خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ جب عکرمہ اور اُمّ حکیم مکہ کے قریب پہنچے تو سرورِ عالم، محسن اعظم، خلق مجسم ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے جاں نثار صحابہ کرامؓ سے کہا، عنقریب عکرمہ تمہارے سامنے پردیسی مؤمن بن کر آئے گا، اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہنا اس لئے کہ بہت میت کو کوسنے سے اس

کے لواحقین کو تکلیف ہوتی ہے اور میت کو دی گئی گالی اس تک نہیں پہنچتی۔

تھوڑی دیر بعد عکرمہ اور اُمّ حکیم رسولِ اقدسؐ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ جب محسن اعظم، شافع محشر ﷺ نے عکرمہ کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، آگے بڑھ کر خوش آمدید کہا۔ آپؐ بیٹھ گئے لیکن عکرمہ سر جھکائے باادب انداز میں خدمتِ اقدس میں کھڑا رہا۔ لرزتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کی، یارسول اللہؐ! اُمّ حکیم نے مجھے بتایا ہے کہ آپؐ نے مجھے معاف کرتے ہوئے امن کی ضمانت دی ہے۔ سرورِ عالمؐ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا، بالکل یہ سچ کہتی ہے۔ ہماری طرف سے امن کی ضمانت دی گئی ہے، کوئی بھی ساتھی تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گا۔ تم بے فکر ہو کر زندگی بسر کرو یہ تمہارے لئے جائے امن ہے۔ یہاں سکون، راحت، انبساط اور اطمینان سے رہو۔ عکرمہ نے یہ محبت بھرے الفاظ سن کر سکھ کا سانس لیا اور بڑی ہی لجاجت سے پوچھا، یارسول اللہؐ! آپؐ لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہماری دعوت کا محور یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اس کا بندہ اور رسولؐ ہوں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، یہ ہماری دعوت کے مرکزی نکات ہیں۔

عکرمہ نے کہا، بلاشبہ یہ سب حقیقت پر مبنی باتیں ہیں۔ اللہ کی قسم! آپؐ یہ دعوت پیش کرنے سے پہلے بھی سچائی کے علمبردار تھے، امانت و دیانت کے پرچار میں مصروف تھے۔ یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور سرورِ عالم ﷺ کے دستِ مبارک پر رکھتے ہوئے کہا، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ پھر عرض کیا، یارسول اللہؐ! مجھے بتائیں کہ میں کیا کہوں؟ آپؐ نے فرمایا، تم یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کرو۔

اشهد أن لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا، تم یہ کہو میں اللہ تعالیٰ اور حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر اقرار کرتا ہوں کہ آج سے مسلمان مجاہد اور مہاجر ہوں۔ حضرت عکرمہؓ نے خلوص دل سے اقرار کیا۔ یہ منظر دیکھ کر سرورِ عالم، محسن اعظم ﷺ نے خوشی سے کہا، عکرمہ! مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں آج ہر وہ چیز دینے کے لئے تیار ہوں جو میں نے کسی بھی صحابی کو دی ہے۔ حضرت عکرمہ نے اشکبار آنکھوں سے کہا، یا رسول اللہؐ! مجھے ہر وہ عداوت معاف کر دیں جو آپؐ سے میں نے سابقہ زندگی میں روا رکھی اور ہر اس مقابلے کی معافی دے دیں جو زمانہ جاہلیت میں آپؐ سے کیا اور ہر وہ بات معاف کر دیں جو آپؐ کے سامنے یا غیر حاضری میں آپؐ کے خلاف کرتا رہا۔ میں بہت نادم ہوں، اپنے کئے پر شرمندہ ہوں، دل گرفتہ ہوں، پشیمان ہوں اور ندامت کے اتھاہ سمندر میں غوطے لگا رہا ہوں۔ اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیں، مجھ سے درگزر کریں۔ وہ اپنی زبان سے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ آپ کی یہ حالت زار دیکھ کر محسن اعظم، سرورِ عالم، خلق مجسم ﷺ نے عکرمہ کے حق میں دعائیہ کلمات کہے:

> ''الٰہی! اسے ہر وہ عداوت معاف کر دے جو اس نے میرے ساتھ روا رکھی اور راستے کی ہر وہ لغزش معاف کر دے جس میں یہ تیرے پسندیدہ نظام اسلام کے نور کو بجھانے کے لئے کوشاں رہا۔ الٰہی! میرے سامنے یا میری غیر حاضری میں جو یہ میری عزت کے درپے ہوا، میں نے اسے معاف کیا تو بھی اسے معاف کر دے۔''

یہ دعا سن کر حضرت عکرمہؓ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور وفورِ شوق سے کہا:

''یا رسولؐ! اللہ کی قسم! لوگوں کو سیدھے راستے سے روکنے کے لئے
آج سے پہلے جو کچھ خرچ کیا کرتا تھا اس سے دوگنا اللہ کی راہ میں خرچ کیا
کروں گا۔ آج سے پہلے میں نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی خاطر
لڑائیاں لڑیں اور اب میں اللہ کی راہ کی طرف لوگوں کو لانے کے لئے
پورے جوش و جذبہ سے لڑائی کروں گا۔''

حضرت عکرمہؓ کی قسمت کا ستارہ جاگ اٹھا۔ تاریک دل میں نورِ اسلام کی روپہلی کرنوں نے چمک پیدا کردی۔ سخت دل میں گداز پیدا ہوگیا۔ خوبصورت غزالی آنکھیں گدازئی دل کی ترجمانی بن کر آنسوؤں کے موتی دامن پر بکھیرتی رہیں۔ ایک وہ دن تھا کہ اسلام کے خلاف نفرت اور کدورت پورے شباب پر تھی اور ایک یہ دن ہے کہ اسلام محبوب ترین نظامِ زندگی دکھائی دیتا ہے۔ ایک وہ دور تھا کہ سرورِ عالم، شافع محشر، محسن اعظم ﷺ کو گزند پہنچانا زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور ایک یہ دور ہے کہ ان کے اشاروں پر مرمٹنا حیات مستعار کی متاع عزیز بن چکا ہے۔ (محبانِ رسولؐ ۲۲۲ تا ۲۲۶)

عہدِ مقدسؐ کی یاد تازہ کرلوں

بسا اوقات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مذاکرہ حدیثؐ کے شوق میں تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہدِ نبوتؐ کا ذکر رہتا۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا تو عبداللہؓ بن مسعود تھے۔ میں نے کہا، ابوعبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے، آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کرکے عہدِ مقدسؐ کی یاد تازہ کرلوں۔ غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے اور دیر تک پرلطف صحبت رہی۔ (محبانِ رسولؐ ۲۴۰)

تبسم فرمایا

حضرت عبداللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب، متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبولؐ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیثؐ بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مؤمنین وسبحان ربّ العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا۔ حدیثؐ ختم کر متبسم ہوئے اور فرمایا، تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ لوگوں نے کہا، آپؓ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہؐ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔

(محبانِ رسولؐ ۲۴۰)

حضرت عمار بن یاسرؓ کی پریشانی

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرتؐ سے گردش زمانہ کی شکایت کی۔ ارشاد ہوا، صبر کرو، صبر کرو۔ پھر دعا فرمائی۔ اے خدا! آل یاسرؓ کو بخش دے۔

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرلیا۔ اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہوگئی تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا۔ دربارِ نبوتؐ میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا، عمارؓ کیا خبر ہے؟ عرض کیا، یارسول اللہؐ! نہایت ہی بری خبر ہے۔ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپؐ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کئے۔ ارشاد ہوا، تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا، میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ سرورِ کائناتؐ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطر

پوچھے۔ فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں اگر چہ پھر ایسا ہی کرو۔ اس کے بعد قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے:

''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)۔''

(محبانِ رسولؐ ۲۵۲)

آخری توشہ

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی۔ حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے۔ رسولِ خداؐ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے۔ اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا۔ آج میں محمدؐ اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔ کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے، پرے کا پرا صاف ہو گیا۔ اسی حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا۔ (محبانِ رسولؐ ۲۵۷)

حضرت ابوہریرہؓ کا رونا

دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ:

بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھی، اس سعادت میں شریک کریں مگر وہ انکار کرتی رہیں۔ ایک دن حسبِ معمول ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے شان نبوتؐ میں کچھ ناروا الفاظ کہے۔ ابوہریرہؓ روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں کے اسلام کے لئے طالب دعا ہوئے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے دعا

فرمائی، واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لئے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں۔ ابو ہریرہؓ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلا لیا اور اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ یہ فوراً الٹے پاؤں مسرت سے روتے ہوئے کاشانہ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہؐ! بشارت ہو، آپؐ کی دعا قبول ہوئی، خدا تعالیٰ نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی۔ (محبانِ رسولؐ ۲۷۸)

کسی کی اداؤں پر مرمٹنے والے

حضرت ابن سیرینؒ کہتے ہیں:

میں میدان عرفات میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ جب وہ قیام گاہ سے چلے تو میں بھی ان کے ساتھ چلا۔ وہ امامِ حج کی جگہ پر پہنچے اور اس کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ادا کی، پھر انہوں نے جبل رحمت پر وقوف فرمایا۔ میں اور میرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے یہاں تک کہ (غروب کے بعد) جب امامِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوا تو ہم بھی حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔ جب حضرت ابن عمرؓ مازمین مقام سے پہلے ایک تنگ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی سواری بٹھائی تو ہم نے بھی سواریاں بٹھا دیں۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے جو ان کی سواری کو تھامے ہوئے تھے، اس نے کہا نہیں، یہ نماز نہیں پڑھنا چاہتے بلکہ انہیں یاد آ گیا ہے کہ حضورؐ جب اس جگہ پہنچے تھے تو آپؐ قضائے حاجت کے لئے رکے تھے، اس لئے یہ بھی یہاں قضائے حاجت کرنا چاہتے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۴۷۹/۲)

ہم نے تیرے خیال کا پیکر سمیٹ کر
دل میں بسا لیا ہے وہ منظر سمیٹ کر

یاد اب رہ رہ کے آتے ہیں..........

حضرت نافعؒ کہتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کے آثار ونشانات کا بہت زیادہ اتباع کیا کرتے تھے چنانچہ جس جگہ حضورؐ نے (دورانِ سفر) کوئی نماز پڑھی ہوتی، وہاں حضرت ابن عمرؓ ضرور نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضورؐ کے آثار کا ان کو اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ ایک سفر میں حضورؐ ایک درخت کے نیچے ٹھہرے تھے تو حضرت ابن عمرؓ اس درخت کا بہت خیال رکھتے اور اس کی جڑ میں پانی ڈالتے تا کہ وہ خشک نہ ہو جائے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۹)

پھر نظر میں پھول مہکے

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ:

ہم ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ تھے۔ چلتے چلتے جب وہ ایک جگہ کے پاس سے گزرے تو راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہو لئے۔ ساتھیوں نے ان سے پوچھا کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا؟ راستہ کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے فرمایا، میں نے حضور ﷺ کو یہاں ایسے ہی کرتے دیکھا تھا، اس لئے میں بھی نے بھی ایسے ہی کیا۔ حضرت نافعؒ کہتے ہیں حضرت ابن عمرؓ مکہ مکرمہ کے راستے میں (سیدھا نہیں چلتے تھے بلکہ راستے کے دائیں طرف) سواری کو موڑ لیا کرتے تھے (اور کبھی بائیں طرف) اور فرمایا کرتے تھے، میں ایسا اس لئے کرتا ہوں تا کہ میری سواری کا پاؤں حضورؐ کی سواری کے پاؤں (والی جگہ) پر پڑ جائے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۷۹)

پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام

لطف وہ عشق میں پائے ہیں............

حضرت نافعؒ کہتے ہیں:

جس وقت حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کے نشاناتِ قدم پر پاؤں رکھ کر چلا کرتے تھے، اگر اس وقت تم انہیں دیکھ لیتے تو کہتے یہ تو مجنوں ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے اسفار میں جن مقامات میں قیام فرمایا، ان کو جس طرح حضرت ابن عمرؓ تلاش کرتے ہیں، اس طرح کوئی بھی تلاش نہیں کرتا۔

حضرت عاصم احولؒ اپنے استاد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ میں اتباع سنت کا اتنا زیادہ اہتمام تھا کہ جب ان کو کوئی حضورؐ کے نشاناتِ قدم تلاش کرتا ہوا دیکھ لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ ان پر (جنون) کا کچھ اثر ہے۔

حضرت اسلمؒ کہتے ہیں۔ اگر کسی اونٹنی کا بچہ کسی بیابان جنگل میں گم ہو جائے تو وہ اپنے بچے کو اتنا زیادہ تلاش نہیں کر سکتی جتنا زیادہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عمر بن خطابؓ کے نشاناتِ قدم کو تلاش کیا کرتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۸۰)

آنحضرتؐ کی تعبداری

حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں:

میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں۔ (نماز کے بعد) میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(حیاۃ الصحابہؓ ۲/۴۸۱)

آنحضرتؐ کی وصیت پر عمل

حضرت ابوالاشعث صنعانیؒ کہتے ہیں:

مجھے یزید بن معاویہ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کے پاس بھیجا۔ ان کے پاس حضورؐ کے بہت سے صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا، آپ لوگ اس وقت لوگوں کو کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضرت ابن ابی اوفیؓ نے فرمایا، حضرت ابوالقاسم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اگر میں (مسلمانوں میں آپ میں لڑنے کے) ایسے حالات کچھ بھی پاؤں تو میں اُحد پہاڑ پر جا کر اپنی تلوار توڑ دوں اور اپنے گھر بیٹھ جاؤں۔ میں نے عرض کیا، اگر کوئی میرے گھر میں گھس آئے (تو کہاں جاؤں؟) آپ نے فرمایا، اندر والی کوٹھڑی میں جا کر بیٹھ جانا، اگر وہاں بھی (تمہیں قتل کرنے) کوئی تمہارے پاس آجائے تو پھر اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا (قتل ہونے کے لئے تیار ہو جانا) اور اسے کہنا (مجھے قتل کر کے) اپنا گناہ اور میرا گناہ اپنے سر لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جا اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ لہٰذا میں اپنی تلوار توڑ چکا ہوں (اور گھر میں بیٹھ چکا ہوں) جب کوئی میرے گھر میں گھس آئے گا تو میں اپنی اندر والی کوٹھڑی میں چلا جاؤں گا اور جب وہاں بھی کوئی آجائے گا تو میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر وہی کہہ دوں گا جو حضورؐ نے بتایا تھا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۱۷)

حضرت ابو ہریرۃؓ کا حضرت حسنؓ کے پیٹ کا بوسہ لینا

حضرت عمیر بن اسحٰقؒ کہتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرۃؓ نے ان سے کہا۔ آپ اپنے پیٹ کی اس جگہ سے کپڑا ہٹا دیں جس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے

اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور حضرت ابو ہریرۃؓ نے ان کے پیٹ کا بوسہ لیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ نے ان کی ناف کا بوسہ لیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۷۷)

یہ سردار ہیں

حضرت مقبریؒ کہتے ہیں:

ہم لوگ حضرت ابو ہریرۃؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت حسن بن علیؓ وہاں سے گزرے۔ انہوں نے سلام کیا، لوگوں نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابو ہریرۃؓ ہمارے ساتھ تھے لیکن انہیں حضرت حسنؓ کے گزرنے اور سلام کرنے کا پتہ نہیں چلا۔ کسی نے ان سے کہا، یہ سلام حضرت حسن بن علیؓ نے کیا تھا۔ وہ فوراً ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا، اے میرے سردار! وعلیک السلام۔ کسی نے ان سے پوچھا، آپؓ انہیں اے میرے سردار کہہ رہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ سردار ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۷۸)

حرمِ رسولؐ پر غیرت کرنا

حضرت عمرو بن غالبؒ کہتے ہیں کہ:

حضرت عمار بن یاسرؓ نے سنا کہ ایک آدمی اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازیبا کلمات کہہ رہا ہے تو اسے ڈانٹ کر فرمایا۔ بکواس بند کرو، چپ کرو، خدا تعالیٰ تجھے خیر سے دور کرے اور گالیاں دینے والا تجھ پر مسلط کرے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنت میں بھی حضور ﷺ کی بیوی ہوں گی۔ ترمذی کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمارؓ نے فرمایا، دفع ہوجا، خدا تعالیٰ تجھے خیر سے دور کرے۔ کیا تو حضور ﷺ کی محبوب بیوی کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ۲/۵۸۸)

درود شریف کی برکت سے مغفرت

روضۃ الاحباب میں امام اسمٰعیل بن ابراہیم مزنیؒ سے جو امام شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں ہیں۔ نقل کیا ہے کہ:

میں نے امام شافعیؒ کو بعد انتقال خواب میں دیکھا اور پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ وہ بولے، مجھے بخش دیا اور حکم فرمایا کہ مجھ کو تعظیم واحترام کے ساتھ بہشت میں لے جائیں اور یہ سب برکت ایک درود کی ہے جس کو میں پڑھا کرتا تھا۔ میں نے پوچھا، وہ کون سا درود ہے؟ فرمایا یہ ہے:

اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ (فضائل درود شریف ۹۴)

مجھے بخش دیا

بعض رسائل میں عبید اللہ بن عمر قواریریؒ سے نقل کیا ہے کہ:

ایک کاتب میرا ہمسایہ تھا، وہ مر گیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا، مجھے بخش دیا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا، میری عادت تھی، جب نامِ پاک رسول اللہ ﷺ کا کتاب میں لکھتا تو ﷺ بھی بڑھاتا۔ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر گزرا۔ (فضائل درود شریف ۹۴)

خوشبو

مولانا فیض الحسن صاحبؒ سہارنپوری مرحوم کے داماد نے مجھ سے بیان کیا کہ:

جس مکان میں مولودی صاحب کا انتقال ہوا، وہاں ایک مہینے تک خوشبو عطر کی آتی رہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس کو بیان کیا۔ فرمایا، یہ برکت درود شریف کی ہے۔ مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ہر شبِ جمعہ کو بیدار رہ کر درود شریف کا شغل فرماتے۔ (فضائل درود شریف ۹۵)

امام شافعیؒ کی مغفرت کا سبب

امام شافعیؒ کی ایک اور حکایت ہے:

کہ ان کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا اور مغفرت کی وجہ پوچھی؟

انہوں نے فرمایا، یہ پانچ درود شریف جمعہ کی رات کو میں پڑھا کرتا تھا:

اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ بعدد من صلیٰ علیه وصل علیٰ محمدٍ بعدد من لم یصل علیه وصل علیٰ محمدٍ کمآ امرت بالصلوٰة علیه وصل علیٰ محمدٍ کما تحب ان یصلیٰ علیه وصل علیٰ محمدٍ کما ینبغی ان تصلیٰ علیه.

اس درود کو درودِ خمسہ کہتے ہیں۔ (فضائل درود شریف ۹۵)

اتنا بس ہے

شیخ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک صالح کو کسی نے خواب میں دیکھا، اس سے حال پوچھا؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور جنت میں داخل کیا۔ سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ فرشتوں نے میرے گناہ اور میرے درود کو شمار کیا۔ سو درود کا شمار زیادہ نکلا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا، اتنا بس ہے، اس کا حساب مت کرو اور اس کو بہشت میں لے جاؤ۔ (فضائل درود شریف ۹۶)

گھر میں مشک کی خوشبو

شیخ ابن حجر مکیؒ نے لکھا ہے کہ:

ایک مردِ صالح نے معمول مقرر کیا تھا کہ ہر رات کو سوتے وقت درودِ بعدِ معین پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور تمام گھر اس کا روشن ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا، وہ منہ لاؤ جو درود پڑھتا ہے کہ بوسہ دوں۔ اس شخص نے شرم کی وجہ سے رخسار سامنے کر دیا۔ آپؐ نے اس رخسار پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد وہ بیدار ہو گیا تو سارے گھر میں مشک کی خوشبو باقی رہی۔

(فضائل درود شریف ۹۶)

ان کی مجلس میں جایا کر

علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ رشید عطا نے بیان کیا کہ:

ہمارے یہاں مصر میں ایک بزرگ تھے جن کا نام ابو سعیدؒ خیاط تھا۔ وہ بہت یکسو رہتے تھے، لوگوں سے میل جول بالکل نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ابنِ رشیقؒ کی مجلس میں بہت کثرت سے جانا شروع کر دیا اور بہت اہتمام سے جایا کرتے۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور کہا کہ حضورؐ نے مجھ سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کی مجلس میں جایا کر، اس لئے کہ یہ اپنی مجلس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا ہے۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۹۷)

اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی

ابوالعباس احمد بن منصورؒ کا جب انتقال ہوگیا تو اہل شیراز میں سے ایک شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ:

وہ شیراز کی جامع مسجد میں محراب میں کھڑے ہیں اوران پرایک جوڑا ہے اور سر پر ایک تاج ہے جو جواہر اور موتیوں سے لدا ہوا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا، اللہ جل شانہٗ نے میری مغفرت فرمادی اور میرا بہت اکرام فرمایا اور مجھے تاج عطا فرمایا اور یہ سب نبی کریم ﷺ پر کثرتِ درود کی وجہ سے۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّھم. (فضائل درود شریف ۹۷)

اس کو میری جنت میں لے جاؤ

ایک شخص نے ابوحفص کاغذیؒ کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ:

کیا معاملہ گزرا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر رحم فرمایا، میری مغفرت فرمادی، مجھے جنت میں داخل کرنے کا حکم دے دیا۔ انہوں نے کہا، یہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ جب میری پیشی ہوئی تو ملائکہ کو حکم دیا گیا۔ انہوں نے میرے گناہ اور میرے درود شریف کو شمار کیا تو میرا درود شریف گناہوں پر بڑھ گیا تو میرے مولا جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرشتو! بس بس آگے حساب نہ کرو اور اس کو میری جنت میں لے جاؤ۔ یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّھم. (فضائل درود شریف ۹۸)

دامنِ مصطفیٰ ﷺ جس کے ہاتھوں میں ہو

علامہ سخاویؒ بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ:

بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت گنہگار تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دے کر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں، میں نے اس شخص کی مغفرت کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، یا اللہ! یہ کیسے ہو گیا؟ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اس نے ایک دفعہ توراۃ کو کھولا تھا، اس میں محمد (ﷺ) کا نام دیکھا تھا تو اِس نے اُن پر درود پڑھا تھا تو میں نے اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۹۹)

میں تیری مدد کروں

شیخ المشائخ حضرت شبلی نور اللہ مرقدہٗ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

میرے پڑوس میں ایک آدمی مر گیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا، کیا گزری؟ اس نے کہا، شبلی بہت ہی سخت سخت پریشانیاں گزریں اور مجھ پر منکر نکیر کے سوال کے وقت گڑبڑ ہونے لگی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللہ یہ مصیبت کہاں سے آرہی، کیا میں اسلام پر نہیں مرا؟ مجھے ایک آواز آئی کہ یہ دنیا میں تیری زبان کی بے احتیاطی کی سزا ہے۔ جب ان دونوں فرشتوں نے میرے عذاب کا ارادہ کیا تو فوراً ایک نہایت حسین شخص میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس میں سے نہایت ہی بہتر خوشبو آرہی تھی۔ اس نے مجھ کو فرشتوں کے جوابات بتا دیئے، میں نے فوراً کہہ دیئے۔

میں نے ان سے پوچھا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا، میں ایک آدمی ہوں جو تیرے کثرتِ درود سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر مصیبت میں تیری مدد کروں۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۰)

اعزاز واکرام

حضرت سفیان بن عینیہؒ، حضرت خلفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

میرا ایک دوست تھا جو میرے ساتھ حدیث شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ نئے سبز کپڑوں میں دوڑتا پھر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تو حدیث شریف پڑھنے میں تو ہمارے ساتھ تھا، پھر یہ اعزاز واکرام تیرا کس بات پر ہورہا ہے؟ اس نے کہا کہ حدیثیں تو میں تمہارے ساتھ ہی لکھا کرتا تھا لیکن جب بھی نبی کریم ﷺ کا پاک نام حدیث شریف میں آتا، میں اس کے نیچے صل علیٰ علیہ والہ وسلم لکھ دیتا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بدلہ میں میرا یہ اکرام فرمایا جو تم دیکھ رہے ہو۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۱)

درود شریف کا اہتمام

ابوسلیمان محمد بن الحسین حرانیؒ کہتے ہیں کہ:

ہمارے پڑوس میں ایک صاحب تھے کہ جن کا نام فضل تھا، بہت کثرت سے نماز، روزہ میں مشغول رہتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں حدیث شریف لکھا کرتا تھا لیکن اس

میں درود شریف نہیں لکھتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو میرا نام لکھتا ہے یا لیتا ہے تو درود شریف کیوں نہیں پڑھتا؟ (اس کے بعد انہوں نے درود کا اہتمام شروع کر دیا) اس کے کچھ دنوں بعد حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا درود میرے پاس پہنچ رہا ہے، جب میرا نام لیا کرے تو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا کر۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۱)

درود وسلام

ابراہیم نسفیؒ کہتے ہیں کہ:

میں نے نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو میں نے نبی کریم کو کچھ اپنے سے منقبض پایا تو میں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں تو حدیث شریف کے خدمتگاروں میں ہوں، اہل سنت سے ہوں، مسافر ہوں۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تو مجھ پر درود بھیجتا ہے تو سلام کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے بعد سے میرا معمول ہو گیا کہ میں صل علیٰ وآلہ وسلم لکھنے لگا۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۱)

مغفرت کا سامان

ابن ابی سلیمانؒ کہتے ہیں کہ:

میں نے اپنے والد کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی۔ میں نے پوچھا، کس عمل پر؟ انہوں نے فرمایا کہ ہر حدیث شریف میں، میں حضورِ اقدس ﷺ پر درود شریف لکھا کرتا تھا۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّھم. (فضائل درود شریف ۱۰۱)

امام شافعیؒ کا معمول

ابن بنان اصبہانیؒ کہتے ہیں کہ:

میں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! محمد بن ادریس یعنی امام شافعیؒ آپؐ کے چچا کی اولاد ہیں۔ (چچا کی اولاد اس وجہ سے کہا کہ آپؐ کے دادا ہاشم پر جا کر ان کا نسب مل جاتا ہے وہ عبد یزید ابن ہاشم کی اولاد میں ہیں) آپؐ نے کوئی خصوصی اکرام ان کے لئے فرمایا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ قیامت میں اس کا حساب نہ لیا جائے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ اکرام ان پر کس عمل کی وجہ سے ہوا؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، میرے اوپر درود ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا کہ جن الفاظ کے ساتھ کسی اور نے نہیں پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا الفاظ ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدٍ کلما زکرہ الذاکرون وصلِّ علیٰ محمدٍ کلما غفل عن ذکرہ الغافلون.

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۳)

کچھ ایسی عقیدت ہے ان سے

ابوعلی حسن بن علی عطارؒ کہتے ہیں کہ:

مجھے ابوطاہر نے حدیثِ پاک کے چند اجزاء لکھ کر دیئے۔ میں نے ان میں دیکھا کہ جہاں بھی کہیں نبی کریم ﷺ کا پاک نام آیا، وہ حضورؐ کے نام کے بعد:

صلّی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً.

لکھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس طرح کیوں لکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی نوعمری میں حدیث پاک لکھا کرتا تھا اور حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام پر درود شریف نہیں لکھا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدسؐ کی خواب میں زیارت کی۔ میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ میں نے دوسری جانب حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ حضورؐ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ میں تیسری دفعہ چہرۂ انور کی طرف حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ مجھ سے روگردانی کیوں فرما رہے ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس لئے کہ جب تو اپنی کتاب میں میرا نام لکھتا ہے تو مجھ پر درود نہیں بھیجتا۔ اس وقت سے میرا یہ دستور ہو گیا کہ جب میں حضورِ اقدس ﷺ کا پاک نام لکھتا ہوں تو صلّی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۵)

مل گئے مصطفیٰؐ اور کیا چاہئے

ابوحفص سمرقندیؒ اپنی کتاب ''رونق المجالس'' میں لکھتے ہیں کہ:

بلخ میں ایک تاجر تھا جو بہت زیادہ مالدار تھا۔ اسکا انتقال ہوا، اس کے دو بیٹے تھے، میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہو گیا لیکن ترکہ میں تین بال بھی حضورِ اقدس ﷺ کے موجود تھے۔ ایک ایک دونوں نے لے لیا۔ تیسرے بال کے متعلق بڑے بھائی نے کہا کہ اس کو آدھا آدھا کر لیں۔ چھوٹے بھائی نے کہا، ہرگز نہیں، خدا کی قسم! حضورؐ کا موئے مبارک نہیں کاٹا جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا، کیا تو اس پر راضی ہے کہ یہ تینوں بال تو لے لے اور یہ سارا مال میرے حصے میں لگا دے۔ چھوٹا بھائی بخوشی راضی ہو گیا۔ بڑے بھائی نے سارا اس مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لئے۔ وہ ان کو اپنی جیب میں ہر وقت رکھتا اور بار بار نکالتا، ان کی زیارت کرتا اور درود شریف پڑھتا۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہو گیا اور چھوٹا بھائی بہت زیادہ مالدار ہو گیا۔ جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صلحاء میں سے بعض نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو، اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ شانہٗ سے دعا کیا کرے۔

یا رَبِّ صلِّ وسلِّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّھم. (فضائل درود شریف ۱۰۵)

عنایت حضورؐ کی

محمد بن سعید بن مطرفؒ جو نیک لوگوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ:

میں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ رات کو جب سونے کے واسطے لیٹتا تو ایک

مقدار معین درود شریف کی پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات کو میں بالا خانہ پر اپنا معمول پورا کر کے سو گیا تو حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضورِ اقدس ﷺ بالا خانہ کے دروازہ سے اندر تشریف لائے، حضورؐ کی تشریف آوری سے بالا خانہ سارا ایک دم روشن ہو گیا۔ حضورؐ میری طرف کو تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ لا اس منہ کو لا جس سے تو کثرت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کو چوموں گا۔ مجھے اس سے شرم آئی کہ میں دہن مبارک کی طرف منہ کروں تو میں نے ادھر سے اپنے منہ کو پھیر لیا تو حضورِ اقدس ﷺ نے میرے رخسار پر پیار کیا۔ میری گھبرا کر ایک دم آنکھ کھل گئی۔ میری گھبراہٹ سے میری بیوی جو میرے پاس پڑی ہوئی تھی، اس کی بھی ایک دم آنکھ کھل گئی تو سارا بالا خانہ مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور مشک کی خوشبو میرے رخسار میں سے آٹھ دن تک آتی رہی۔

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّهم. (فضائل درود شریف ۱۰۸)

اسی برس کا معمول

ابو القاسم خفاف کہتے ہیں کہ:

حضرت شبلیؒ ابو بکر بن مجاہد کی مسجد میں گئے۔ ابو بکر ان کو دیکھ کر کھڑے ہوئے۔ ابو بکر کے شاگردوں میں سے اس کا چرچا ہوا۔ انہوں نے استاد سے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں وزیر اعظم آئے ان کے لئے تو آپ کھڑے ہوئے نہیں شبلی کے لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کے لئے کیوں نہ کھڑا ہوں جس کی تعظیم حضورؐ خود کرتے ہوں۔

اس کے بعد استاد نے اپنا ایک خواب بیان کیا اور کہا کہ رات میں نے حضورؐ کی خواب میں زیارت کی تھی۔ حضورؐ نے خواب میں فرمایا تھا کہ کل کو تیرے پاس ایک جنتی شخص آئے گا، جب وہ آئے تو اس کا اکرام کرنا۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو ایک دن بعد پھر حضورؐ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور اقدسؐ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابو بکرؓ اللہ تمہارا بھی ایسا ہی اکرام فرمائے جیسا کہ تم نے ایک جنتی آدمی کا اکرام کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! شبلی کا یہ اعزاز آپ کے یہاں کس وجہ سے ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے۔

لقد جاء کم رسول .

اور اسی برس سے اس کا یہ معمول ہے۔ (بدیع)

یا رَبِّ صلِّ وسلّم دائماً ابداً.

علیٰ حبیبک خیر الخلق کُلِّھم. (فضائل درود شریف ۱۱۱)

میں گدائے مصطفیٰؐ ہوں میری عظمتیں نہ پوچھو

مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ وعلی اللہ مراتبہ ایک مشہور نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ:

روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ حضورِ اقدسؐ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر اس پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا، وہ آ رہا ہے اس کو

یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے اپنے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔

(فضائل درود شریف ۱۲۴)

جبرائیل علیہ السلام کی طرف سے بشارت

امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کی گئی ہے کہ:

میں ایک روز ایک جماعت کے ساتھ تھا کہ وہ ننگی ہو ہو کر پانی میں گھس پڑی اور میں نے اس حدیث شریف پر عمل کیا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر یقین رکھتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ بلا تہبند حمام میں نہ داخل ہو اور میں ننگا نہ ہوا تو میں نے اسی رات ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ اے احمد! خوش ہو کہ سنت پر عمل کرنے کے سبب خدا تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا اور تجھ کو امام بنا دیا کہ لوگ تیری اقتداء کریں گے۔ میں نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں جبرائیلؑ ہوں۔ (کتاب الشفاء ۲/۱۲)

ایک حسرت......ایک آرزو

امام ابوالقاسم قشیریؒ کی روایت ہے کہ:

کسی نے عمرو بن اللیث بادشاہ خراسان اور مشہور ثوار کو جو کہ صفار کے لقب سے مشہور تھا۔ خواب میں دیکھا تو اس سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے مجھ کو بخش دیا۔ اس سے کہا گیا کہ کس سبب سے؟ کہا کہ میں ایک

روز پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا تو میں نے اپنے لشکر کو دیکھا، اس وقت مجھ کو ان کی کثرت بھلی معلوم ہوئی۔ میں نے یہ تمنا کی کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میں بھی آپؐ کی اعانت اور مدد کرتا۔ سو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اس بات کو مجھ سے قبول فرمالیا اور مجھ کو بخش دیا۔ (کتاب الشفاء ۲/۲۷)

برابر یاد آتے ہیں

امام مالکؒ نے اس شخص کے جواب میں کہا، جس نے آپؒ سے ایوب سختیانی کا حال دریافت کیا تھا کہ:

جتنے لوگوں سے میں حدیث شریف بیان کرتا ہوں، ان سب میں ایوب سختیانی سب سے افضل ہیں اور کہا ہے کہ انہوں نے دو حج کیے ہیں۔ سو میں ان کو گوشہ چشم سے دیکھتا تھا اور ان سے اس کے سوا کچھ نہ سنتا تھا کہ جب نبی ﷺ کا ذکر آتا تو وہ اتنے روتے کہ مجھے ان پر ترس آجاتا۔ جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی اور دیکھا کہ وہ نبی اللہ ﷺ کا اس قدر اجلال اور اکرام کرتے ہیں تو میں نے ان سے حدیث شریف لکھنا شروع کیا۔

(کتاب الشفاء ۲/۳۴)

آتش عشق کے شرر

مصعب بن عبداللہ نے کہا ہے کہ:

جب امام مالکؒ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے تو آپؒ کی رنگت بدل جاتی اور آپؒ کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ یہ امر آپؒ کے ہم نشینوں پر شاق گزرتا۔ کسی نے ایک روز آپؒ سے اس بارے میں عرض کیا تو آپؒ نے کہا کہ اگر کہیں تم کو وہ نظر آجاتا جو میں دیکھ رہا ہوں تو تم مجھ پر اعتراض نہ کرتے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۴)

واقف حال

جعفر بن محمد بڑے بامذاق اور ہنس مکھ شخص تھے مگر جب ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر آ جاتا تھا تو وہ زرد ہو جاتے تھے اور میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث شریف بیان کی ہو اور میں مدتوں ان کے پاس آیا گیا مگر میں نے ان کو تین حالتوں کے سوا چوتھی حالت پر نہیں پایا۔ نماز پڑھتے یا چپ بیٹھتے تو قرآن شریف پڑھتے اور وہ کبھی بے فائدہ بات نہ کرتے تھے اور وہ ان علماء اور عباد میں سے ہیں جو اللہ عزّ وجل سے ڈرنے والے ہیں۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۴)

زبان خشک ہو جاتی تھی

عبدالرحمٰن القاسم کی یہ حالت تھی کہ:

جب وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کی ایسی رنگت نظر آنے لگتی تھی جیسے کسی نے ان کا تمام خون کھینچ لیا ہو اور ہیبت رسول کریم ﷺ کے سبب ان کے منہ میں ان کی زبان خشک ہو جاتی تھی۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

آنسو خشک ہو جاتے تھے

عامر بن عبداللہ بن الزبیر کے سامنے جب کبھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر آ جاتا تو وہ اتنے روتے کہ ان کی آنکھوں میں ان کے آنسو خشک ہو جاتے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

رو رو کے گزاری ہم نے

صفوان بن سلیم بڑے عابد اور باریاضت شخص تھے۔ جب ان کے نزدیک نبی

کریم ﷺ کا ذکر آتا تو وہ رو پڑتے اور برابر روتے رہتے یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان پاس سے کھڑے ہو جاتے اور ان کو روتا ہی چھوڑ جاتے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

امام مالکؒ کا ادب

جب امام مالکؒ کے نزدیک لوگوں کا مجمع زیادہ ہونے لگا اور کسی نے ان سے کہا کہ اگر آپؒ کوئی مستملی اختیار کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یآ ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی.

''اے ایمان والو! اونچی مت کرو اپنی آواز نبی کی آواز سے۔''

اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی وہی حرمت باقی ہے جو آپؐ کی حیات میں تھی۔ آپؐ کی وفات سے اس میں کچھ فرق نہیں آیا۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

حدیث شریف کے سامنے انکساری

بعض اوقات ابن سیرینؒ ہنستے ہوتے اور ان کے نزدیک کوئی شخص کسی حدیث نبی اللہ ﷺ کا ذکر کر دیتا تو فوراً فروتنی اور انکساری ٹپکنے لگتی۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

جب عبدالرحمٰن بن مہدی نبی کریم ﷺ کی حدیث شریف پڑھتے تو لوگوں کو حکم دیتے کہ چپ رہو اور کہتے:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوتِ النبی.

کہ نبی کریم ﷺ کی آواز سے اپنی آوازیں بلند مت کرو اور اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ جیسا آپؐ کی حیات میں آپؐ کی بات سنتے وقت چپ رہنا واجب ہے، ویسا ہی اس وقت بھی چپ رہنا واجب ہے جب کہ آپؐ کی حدیث شریف پڑھی جاوے۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۵)

یہ میرا ضبط دیتا ہی نہیں اجازت مجھ کو

حسین بن محمد نے بسند خود عمرو بن میمون سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ:

میں سال بھر تک حمر ابن مسعودؓ کے پاس جاتا رہا مگر میں نے ان کو کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے کہا ہو کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مگر ایک روز کہ انہوں نے کوئی حدیث شریف بیان کی اور ان کی زبان سے نکلا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔ پھر ان پر ایک طرح کا کرب اور بے چینی غالب ہوئی، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہے۔ پھر کہا، خدا تعالیٰ نے چاہا تو آپؐ نے ایسا ہی فرمایا ہے یا اس سے کچھ زائد یا اس سے کچھ کم یا اس کے قریب قریب۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پھر آپ کے چہرۂ پر تاریکی چھا گئی اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی دونوں آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور ان کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۶)

باادب...... بانصیب

ابراہیم بن عبداللہ قریم الانصاری قاضی مدینہ نے کہا ہے کہ:

امام مالک بن انسؒ، ابی حازمؒ کے قریب سے گزرے۔ وہ اس وقت حدیث شریف بیان کر رہے تھے تو وہ چلے آئے اور ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور کہا کہ مجھے کوئی جگہ نہیں ملی جو میں بیٹھتا اور اس کو میرے دل نے قبول نہ کیا کہ میں کھڑے کھڑے

حدیث رسول اللہ ﷺ کو سنوں۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۶)

سعید بن المسیّب کا ادب حدیث شریف

امام مالکؒ نے کہا ہے کہ:

ایک شخص سعید بن المسیب کے پاس آیا اور اس نے کسی حدیث شریف کو دریافت کیا۔ وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، بیٹھ گئے اور اس سے حدیث شریف بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپؒ (نشست کی) تکلیف نہ اٹھاتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں تجھ سے حدیث رسول اللہ ﷺ کو لیٹے لیٹے بیان کروں۔ (کتاب الشفاء ۲/۳۶)

حدیث شریف کے لئے اہتمام

مطرف نے کہا ہے کہ:

جب لوگ امام مالکؒ کے پاس آتے تو ان کی ایک باندی ان کی طرف نکلتی اور کہتی کہ تم سے شیخ یہ کہتے ہیں کہ تم حدیث پاک کے طالب ہو یا مسائل فقہ کے۔ پس اگر وہ یہ کہتے کہ ہم مسائل فقہی کے طالب ہیں تو آپؒ اسی وقت باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم حدیث شریف کے طالب ہیں تو آپؒ غسلخانہ میں داخل ہوتے، نہاتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چوغہ اوڑھتے، عمامہ باندھتے، سر پر اپنی چادر ڈالتے۔ آپؒ کے لئے مسند بچھائی جاتی، پھر آپؒ باہر تشریف لاتے اور اس پر بیٹھتے۔ آپؒ پر خشوع اور خضوع غالب ہوتا اور جب تک آپ حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے فارغ نہ ہوتے، اس وقت تک سلگتا رہتا اور اس کی دھونی ہوتی رہتی۔

مطرف کے سوا کسی اور نے کہا ہے کہ وہ اس مسند پر صرف اسی وقت بیٹھتے تھے

جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف بیان کرتے تھے۔

ابن ابی اویس نے کہا ہے کہ کس نے اس بارے میں امام مالکؒ سے کچھ کہا (یعنی آپؒ اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں) انہوں نے جواب دیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بجالاؤں اور میں اس کو اس وقت تک بیان کرنا نہیں چاہتا جب تک کہ میں باوضو اور پوری طرح نہ بیٹھا ہوا ہوں۔ کہا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ راستہ میں کھڑے ہو کر یا جلدی کی حالت میں حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو بیان کریں اور کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو خوب اچھی طرح سمجھا دوں۔

(کتاب الشفاء ۲/ ۳۷)

بے وضو حدیث شریف بیان کرنے کی کراہت

ضرار بن مرتہ نے کہا ہے کہ:

سلف صالحین بے وضو حدیث پاک کے بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور اسی کے مانند قتادہؓ سے بھی مروی ہوا ہے اور اعمش (یعنی سلیمان بن مہران) جب حدیث شریف بیان کرنا چاہتے اور ان کو وضو نہ ہوتا تو وہ تیمّم کر لیتے۔ (کتاب الشفاء ۲/ ۳۷)

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم

عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا ہے کہ:

میں امام مالکؒ کے نزدیک تھا اور وہ ہم سے حدیث شریف بیان کر رہے تھے تو ان کے ایک بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا اور اس کی تکلیف سے ان کی رنگت بدل بدل جاتی تھی اور ان کے چہرہ پر زردی چھا چھا جاتی تھی مگر انہوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ کو قطع نہیں کیا۔ پس جب وہ مجلس تحدیث سے فارغ ہوئے اور لوگ منتشر ہو گئے تو میں نے ان

سے کہا کہ اے اباعبداللہ! میں نے آج آپؒ سے عجب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے تعظیم رسول اللہ ﷺ کے سبب صبر کیا۔ (کتاب الشفاء ۲/ ۳۷)

حدیث شریف کی توقیر

ابن مہدی نے کہا ہے کہ:

میں ایک روز امام مالکؒ کے ساتھ عقیق گیا۔ میں نے راستہ میں ان سے ایک حدیث شریف دریافت کی تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ میں تجھے اس سے برتر خیال کرتا تھا کہ تو مجھ سے راستہ چلتے رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف دریافت کرے گا۔

(کتاب الشفاء ۲/ ۳۸)

حدیث شریف اور کوڑے

ہشام بن الغازی نے بحالتِ قیام امام مالکؒ سے ایک حدیث شریف دریافت کی تو انہوں نے اس کے بیس کوڑے مارے۔ پھر آپؒ کو ان پر شفقت آئی تو آپؒ نے ان سے بیس حدیثیں بیان کیں۔ ہشام کہتے ہیں کہ میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور کوڑے مارتے اور مجھ سے ایک حدیث شریف اور زیادہ بیان کر دیتے۔

(کتاب الشفاء ۲/ ۳۸)

امام مالکؒ کا عشقِ رسولؐ

امام مالکؒ مدینہ منورہ میں اپنی سواری پر سوار نہ ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:

مجھ کو اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس سرزمین کو اپنی سواری کے سموں سے روندوں جس میں کہ رسول اللہ ﷺ مدفون ہوئے ہیں۔ نیز ان سے یہ بھی مروی ہے کہ

انہوں نے اپنے بہت سے گھوڑے امام شافعیؒ کو ہبہ کردیئے جو اس وقت ان کے پاس تھے تو ان سے امام شافعیؒ نے کہا کہ ان میں سے ایک گھوڑا تو آپؒ اپنی سواری کے لئے رکھ لیجئے تو انہوں نے ان کو ایسا ہی جواب دیا۔ (کتاب الشفاء۲/۴۷)

امام مالکؒ کا فتویٰ

امام مالکؒ نے اس شخص کی نسبت تیس درے مارے کا فتویٰ دیا تھا جس نے کہا تھا کہ:

مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے اور یہ قائل ایک ذی رتبہ شخص تھا اور کہا تھا کہ یہ تو اس لائق تھا کہ اس کی گردن ماری جاتی۔ جس سرزمین میں کہ نبی کریم ﷺ مدفون ہوں، اس کی نسبت یہ کہے کہ یہ خراب ہے۔ (کتاب الشفاء۲/۴۷)

قاضی عیاض کا عشقِ رسولؐ

قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ:

ان مقامات متبرکہ کے لئے جو کہ وحی اور نزول قرآن مجید اور فرقان حمید سے آباد رہے ہیں اور جن میں کہ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام نے آمد و رفت رکھی ہے اور جن سے فرشتہ اور ارواحِ طیبہ آسمان کو چڑھے ہیں اور جن کے میدان تسبیح اور تقدیس رَبِّ جلیل سے گونجے ہیں اور جس سرزمین کی خاک پاک جسد مبارک سید البشر کو مشتمل ہے اور جس سے چار دانگ عالم میں دینِ الٰہی اور سنت نبویؐ منتشر ہوئی ہیں۔ اور جوابات الٰہی اور عبادت اور صلوٰۃ کی درس گاہ بنی ہے اور فضائل اور حسنات کے مشہد اور براہین اور معجزات نبوت کے مستقر اور مسلمانوں کے مناسک اور مشاعر اور سید المرسلین اور شفیع المذنبین و خاتم النبیین ﷺ کی منبت اور مسکن رہے ہیں اور جس سے چشمہ نبوت جاری اور اس کا دریا

موجزن ہوا ہے اور جہاں کہ رسالت نازل ہوئی ہے اور جس سرزمین کی مٹی کو سب سے پہلے سیدنا ونبینا محمد ﷺ کے چھونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہی مناسب اور موزوں ہے کہ اس کے میدانوں کی تعظیم اور توقیر کی جائے اور اس مقامِ مقدس کی ہوائیں سونگھی جاویں اور اس کے درودیوار کو بوسہ دیا جاوے۔ (کتاب الشفاء ۲/۴۹)

امام مالکؒ کا خلیفہ ابوجعفر کو ڈانٹنا

امام مالکؒ نے خلیفہ وقت ابوجعفر کو مسجدِ نبویؐ میں ان کے بآواز بلند بولنے پر ڈانٹا۔ چنانچہ درمنظّم میں ابن حجر ہیثمی اور شفا میں قاضی عیاضؒ نے بسندِ متصل روایت کی ہے کہ:

عن ابن حمید قال ناظر ابوجعفر امیر المؤمنین ما لکا فی مسجد رسول اللّٰہ ﷺ فقال لہ یا امیر المؤمنین لا ترفع صوتک فی ہذا المسجد فان اللّٰہ تعالیٰ ادب قوما فقال لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ومدح قوما فقال ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ الآیۃ وذم قوما فقال ان الذین ینادونک من ورا الحجرات الآیۃ وان حرمتہ میتا کہ حرمتہ حیا فاستکان لھا ابوجعفر وقال یا ابا عبداللّٰہ استقبل القبلۃ وادعو ام استقبل رسول اللّٰہ ﷺ فقال لم تصرف وجھک عنہ وھو وسیتک ووسیلۃ ابیک اٰدم علیہ السلام الی اللّٰہ یوم القیٰمۃ بل استقبلہ واستشفع بہ فیشفعک اللّٰہ وقال اللّٰہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموآ انفسھم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفرلھم الرسول لوجد واللّٰہ توابا رحیما۔

''یعنی امیر المومنین ابوجعفر منصور نے جو خلفائے عباسیہ سے دوسرے خلیفہ ہیں۔ امام مالکؒ کے ساتھ مسجدِ نبویؐ میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا جس میں

ان کی آواز کچھ بلند ہوگئی۔ اس پر امام مالکؒ نے کہا، اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تادیب کی ایک قوم کی اس آیت شریف میں **یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** یعنی اے مسلمانو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ یعنی میرے حبیبؐ کے دربار میں اپنی آواز بلند نہ کرو اور مدح کی ان لوگوں کی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا سورۂ حجرات رکوع ا میں **ان الّذین یغضّون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الّذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم** ۔یعنی جو لوگ دبی آواز سے بولا کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس وہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور مذمت کی اس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارتے تھے چنانچہ اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا **ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیر الھم** یعنی اور جو لوگ کہ تجھ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں وہ اکثر بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف از خود نکلتا تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت وصال کے بعد بھی وہی ہے جو قبل وصال کے تھی۔

امیر المومنین یہ سنتے ہی متادّب اور متذلل ہو گئے۔ پھر پوچھا، اے عبداللہ! قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف

متوجہ ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کیوں منہ پھیرتے ہو وہ تو وسیلہ ہیں آپ کے اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے روز۔ تو حضرت کی طرف متوجہ ہو کر شفاعت اور سفارش طلب کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت قبول کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ولو انهم اذ ظلموآ انفسهم جاؤک فاستغفروالله واستغفرلهم الرسول لوجد والله توابا رحیما**۔ یعنی اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ تیرے پاس آ جاتے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول ان کے واسطے معافی چاہتا تو ضرور پاتے اللہ کو تو قبول کرنے والا مہربان۔''

تعظیم مدینہ

شیخ عبدالحقؒ جذب القلوب میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

امام مالکؒ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سم سے روندوں جس پر رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوئے ہیں۔ فی الحقیقت وہ زمین پاک نہایت واجب التعظیم ہے۔ بقول حافظؒ ۔

بمقامیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ گہ صاحب نظراں خواہد بود

امام بخاریؒ کا عشق رسولؐ

امام بخاریؒ کے حال میں مرقوم ہے کہ:

آپؒ صحیح بخاری جمع کرنے کے وقت ہر حدیث شریف لکھنے کے واسطے تازہ

غسل کیا کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔بعض کہتے ہیں کہ آبِ زمزم سے غسل کرتے اور مقامِ ابراہیمؑ پر دوگانہ پڑھتے تھے۔ چونکہ اس طرح انہوں نے حدیث نبویؐ کی تعظیم اور توقیر کی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فضل عظیم دیا ہے کہ تمام مسلمان ان کو اپنا امام جانتے ہیں اوران کی تعظیم اوران کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر ومنزلت نہیں ہوئی۔ یہ مقبولیت محض ادبِ حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیث صحیحہ کی اور بھی بے شمار کتابیں تھیں۔

محبت وادب

حضرت امام مالکؒ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی۔ جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپؒ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اوراس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا۔کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے۔ایک طرف تو دیارِ حبیبؐ سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارہ نہیں۔محبت وادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔

بے ادبی نہ ہو جائے

امام مالکؒ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب چلتے۔ پوچھنے پر فرمایا، ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں۔ اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہوگی۔

ہر رات نبیؐ کا دیدار

امام مالکؒ روضہ اقدس اور مسجدِ نبویؐ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لو رایتم ما رایت لما انکرتم علی ما ترون.

''اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے۔''

یہ اسی ادب نبویؐ ہی کی برکت تھی کہ آپؒ کو نبی اکرم ﷺ کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا۔ حضرت ابوسعدؒ حلیہ میں مثنیٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ مالکؒ نے ارشاد فرمایا، میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرمؐ کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔

میری اوقات کیا ہے؟

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جب وقت وفات آیا تو بعض لوگوں نے سوچا کہ انہیں گنبدِ حضریٰ میں دفن کریں گے۔ جب یہ بات ان کے کانوں میں پڑی تو منع کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا نبی کریمؐ کے نزدیک دفن ہونا میری گستاخی اور نبی علیہ السلام کی بے ادبی ہے۔ میری اوقات کیا ہے کہ میری قبر ان (ﷺ) کے قریب ہو۔''

بایزید بسطامیؒ کا عشق رسولؐ

حضرت بایزید بسطامیؒ نے تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا۔ لوگوں نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ:

آپؒ خربوزہ کیوں نہیں کھاتے؟ آپؒ نے فرمایا، مجھے کوئی ایسی حدیث شریف نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور انورؐ نے خربوزہ تناول فرمایا ہے۔ تو پھر میں اس چیز کو کیونکر کھا سکتا ہوں جن کے متعلق مجھے علم نہیں کہ میرے محسنؐ نے اس کو کس طریقہ سے کھایا ہے۔ (حکایاتِ اسلاف)

بیٹے کا سر اڑا دیا

حضرت شیخ عبدالغفار توصیؒ کا واقعہ ہے کہ:

ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ کدو کھا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا، رسول اللہ! کدو بہت پسند فرماتے تھے۔ ان کے بیٹے نے کہا، یہ تو ایک گندی چیز ہے۔ اس بات پر ان کو اتنا غصہ اور غیرت آئی کہ تلوار کھینچ کر بیٹے کا سر اڑا دیا۔

(تنبیہ الغافلین)

صبح سے شام تک جو میرے پاس تھا وہ تیری آس تھی

محمد بن عبداللہ بن عمرو العتبی بیان کرتے ہیں کہ:

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائی تو میں زیارت قبر اطہر سے مشرف ہوا۔ ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شتر سوار بدریانہ صورت قبر مبارک پر حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے۔ یا خیر الرسل ﷺ اللہ جل جلالہٗ نے آپؐ پر اپنا کلام نازل فرمایا جس میں یہ ارشاد بھی ہے:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء ک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجد والله توابا رحيما.

''اور جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں

حاضر ہو جاتے اور اللہ جل شانہٗ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور شفیع المذنبینؐ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو ضرور اللہ کریم کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے۔''

پھر وہ صاحب یوں عرض کرنے لگے، اے حبیبؐ خدا! میں آپؐ کی بارگاہ معارف پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہوں اور آپؐ کی شفاعت کا خواست گار بھی ہوں۔ اس کے بعد وہ بدری زار و قطار رونے لگے اور زبان پر یہ اشعار تھے: ؎

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہٗ
فطاب من طیبھن القاع والاکم

''اے بہترین ذات! ان سب لوگوں میں سے جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں اور ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں نفاست پھیل گئی۔''

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

''جس مبارک قبر میں آپؐ راحت گزیں ہیں اس پر میری جان قربان ہو۔ اس میں عفت، جود و سخا اور عنایات و کرامات ہیں۔''

انت الشفیع الذی ترجی شفاعتہ
علی الصراط اذا ما زلت القدام

''آپؐ ایسے سفارش کرنے والے ہیں جن کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں جس وقت پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔''

وصاحبک لا انساھما ابدا
منّی السلام علیکم ماجر القلم

''اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ سب پر میری طرف سے سلام پہنچتا رہے جب تک دنیا میں لکھنے کے لئے قلم چلتا رہے۔''

آخر میں وہ صاحب اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہوئے رخصت ہو گئے اور عتبی کہتے ہیں، بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے رحمت اللعالمین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، بدری کو بشارت سنا دو کہ اللہ کریم نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرما دی ہے۔

حضرت نانوتویؒ اور سنتِ رسولؐ

حضرت نانوتویؒ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیر قیادت 1857ء میں انگریزوں سے جہاد کیا تھا اور شاملی کی مشہور لڑائی میں آپ کی یہ کرامت بھی ظاہر ہوئی تھی کہ:

آپ کو کنپٹی پر گولی لگی اور سر کو پار کر گئی، کپڑے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا، پھر دیکھا گیا تو زخم کا کہیں نشان نہ ملا۔ جب مجاہد علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آپ کی گرفتاری کے بھی وارنٹ جاری ہوئے۔ خدام اور متوسلین کے بہت زیادہ اصرار پر آپ ایک مکان میں روپوش ہوئے اور تین دن کے بعد پھر کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے۔ لوگوں نے پھر روپوشی کے لئے بمنت راضی کیا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں۔ (سوانح قاسمی جلد دوئم ص ۱۷۳)

رسول اللہؐ کے سامنے

آپؒ حج کو جاتے ہوئے پنجلاسہ (ضلع انبالہ) کے ایک باکمال بزرگ راؤ

عبداللہ شاہؒ کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ:

حضرت میرے لئے دعا فرمایئے۔ اس پر راؤ عبداللہ شاہؒ نے فرمایا، بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں، میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہانوں کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۹۳)

نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

حضرت نانوتویؒ جب مواجہہ شریف پر سلام کے لئے حاضر ہوتے تو نہایت ادب کے ساتھ اور یکسوئی کے ساتھ سلام پڑھتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب واپس لوٹے تو چہرے پر انوارات کی بارش ہو رہی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آج تو خاص کیفیت ہے۔ آپ نے شعر میں جواب دیا کہ: ؎

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم ہے
بھر دیا میرا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ ہے
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

جب مدینہ منورہ سے واپسی ہونے لگی تو آپ نے گنبدِ خضریٰ پر آخر نظر ڈال کر یہ اشعار کہے: ؎

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

حضرت گنگوہیؒ اور اتباعِ سنت

حضرت گنگوہی قدس سرہ جب مسجد سے نکلتے تو پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے یا

کھڑاؤں پر رکھتے۔ پھر دایاں پاؤں نکال کر پہلے اس میں جوتا یا کھڑاؤں پہنتے، پھر بائیں پاؤں میں جو پہلے سے جوتے پر رکھا ہوتا، پہنتے۔ ایک شخص آئے، قصہ تو لمبا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ اس وقت استنجاء کے لئے گئے ہوئے تھے۔ حضرت کے آنے پر کہا، آداب۔ حضرت نے غصہ میں فرمایا، یہ کون بے ادب ہے، جس کا شریعت کا ایک ادبھی بھی معلوم نہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور بولے، حضرت سلامت! آپ کے چہرہ پر غصہ کا اثر ظاہر ہوگیا اور فرمایا، مسلمانوں والا سلام چاہئے، یہ کون ہے حضرت سلامت والا۔

حجرہ شریف کے غلاف سے محبت

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ نبوی کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا۔ بروزِ جمعہ کبھی حاضرین وخدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے تو صندوقچہ خود اپنے دستِ مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اوّل اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۲)

مدینہ منورہ کی کھجوروں سے عقیدت

مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت وحفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقاتِ مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم اور ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمتِ غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۲)

مدنی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ادب

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے

رکھتے، لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ کود پھینکتے تھے۔ ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے۔ مثل چھالیوں کے کتروا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ (ایضاً)

روضۂ اطہر کی خاک کا سرمہ

حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں کہ:

احقر ماہ ربیع الاوّل ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمراہی بھائی صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرۂ شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی، اس لئے باادب ایستاد۔ پیشکش خدمتِ اقدس کیا تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاً للسنہ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔ (ایضاً)

مدینہ منورہ کی ہوا تو لگی ہے

بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمتِ اقدس میں تبرکاً ارسال کئے۔ حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرفِ قبولیت سے ممتاز فرمایا۔ بعض طلبہ حضار مجلس نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی؟ یورپ کا بنا ہوا ہے، تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے، اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت نے شبہ کو رَد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے، اسی وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۳)

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ خود احقر کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں

کے جو صحن خاص مسجدِ نبویؐ میں نصب ہیں، اسی سال لا کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباء و مخلصین و محبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا۔ (ایضاً)

حدیث شریف پر یقین کامل

ایک مرتبہ صحن مسجد میں طلباء کو درس دے رہے تھے کہ بارش ہونے لگی تو طلباء کتابیں اور تپائیاں لے کر اندر بھاگے۔ حضرت مولانا نے اپنی چادر بچھائی، تمام طالب علموں کے جوتے اٹھا کر اس میں ڈال کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ طلباء نے جب یہ صورتحال دیکھی تو پریشان ہوئے اور بعض طلباء نے کہا کہ حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ طلبہ کے لئے چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، ایسے لوگوں کی خدمت کر کے میں نے یہ سعادت حاصل کی ہے۔ آپ مجھے سعادت سے کیوں محروم کرتے ہیں۔

(بیس بڑے مسلمان ۱۷۱)

اتباع سنت کی وصیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ:

حضرت گنگوہیؒ کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے کہ اپنی آل اولاد سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباعِ سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں، تھوڑی سی مخالفت کو بھی اپنا بہت سخت دشمن جانیں۔ (اکابر علماء دیوبند ص ۲۹)

حضرت گنگوہیؒ اور درود شریف

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں حضرت گنگوہیؒ کو دیکھا کرتا کہ ہر وقت درود شریف کا ورد فرماتے تھے اور بات بہت کم کرتے تھے۔ (وعظ النور ص ۲۰)

حضرت گنگوہیؒ کی تاکید

آپؒ کی اپنے مریدوں کو تاکید تھی کہ کم از کم تین و مرتبہ درود شریف روزانہ پڑھا جائے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مہاجر مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم سے کم مقدار تین سو مرتبہ ہے اور حضرت اقدس گنگوہیؒ بھی اپنے متوسلین کو تین سو مرتبہ بتایا کرتے تھے۔

(فضائل درود شریف ص ۱۷)

درودِ ابراہیمی

حضرت اقدس گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

اگر اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہیے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے۔ پھر آپ کے درود بھیجنے میں بخل ہو تو یہ بڑی بے مروتی اور خسران کی بات ہے۔ درود شریف میں آپ کو درودِ ابراہیمی زیادہ پسند تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۲۰۵)

حضرت گنگوہیؒ کا مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کا ناشتہ

دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف کے ختم کے موقعہ پر ایک مرتبہ حضرت مدنی

قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت گنگوہیؒ حضور ﷺ کے مزارِ اقدس کی خاک پاک سرمہ میں ملا کر آنکھوں میں لگایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا کرتے تھے جس کو ناشتہ میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کو بریلوی کافر کہتے ہیں۔

حدیث شریف پر عمل

ملفوظات فقیہ الامت میں حضرت شیخ الہند کے بارے میں لکھا ہے کہ:

کوئی قول و فعل خلافِ شریعت ہونا تو درکنار، مدتوں خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنیٰ سا فعل بھی آپ سے خلافِ سنت سرزد ہوا۔ دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضرت کو اتباعِ سنت کا خیال تھا۔ خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین متوسلین کو بھی قولاً و عملاً اسی کی ترغیب دیتے اور رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ حضرت کے لئے ایک امرِ طبعی ہو گیا تھا جس میں کسی تکلف و تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی۔ نہایت سہولت و متانت سے سنن و مستحبات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر وقت ہر ہر فعل پر حاضرین کے جتلانے یا ان سے داد لینے کے لئے حدیث شریف پڑھ کر سنائیں یا عمل کریں۔

نیا پھل کسی نے پیش کیا تو خوشبو سونگھی، آنکھوں سے لگایا، پھر کسی بچہ کو پکارا اور اس کو دے دیا۔ اور کبھی کبھی یہ دیکھنے کے حیلہ سے کہ بارش ختم ہوگئی یا نہیں دو چار قطرے سر اور جسم پر لے کر حدیث عہد بربی کا لطف اٹھالیا۔ ایک روز مولانا میاں اصغر حسین صاحب کی عیادت کو تشریف لائے اور صرف مصافحہ کر کے واپس ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ

حضرت آپ کو بھی آج ہی حدیث شریف پر عمل کرنا تھا۔ تبسم فرما کر فوراً پڑھ دیا۔

العیادة فواق ناقة. (حیات شیخ الہند ۱۶۱)

مالٹا کی جیل میں سنتِ رسولؐ کا اہتمام

مالٹا کی حراست کے زمانے میں اگرچہ مسافر پر قربانی نہیں اور قیدی پر تو ذبح کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی مگر حضرت کا معمول ہندوستان میں کئی کئی قربانیاں کرنے کا تھا۔ یہ جذبہ حضرت کو پیش آیا اور محافظانِ جیل کو اطلاع کی کہ ہمیں قربانی کی اجازت دی جائے اور جانور مہیا کیا جائے۔ دل کی نکلی ہوئی بات اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ محافظوں پر اثر ہوا اور ایک دنبہ سات گنا میں خرید کر دیا جس کی قیمت حضرت نے بہت طیبِ خاطر سے ادا کی اور اس دارالکفر جہاں زوالِ سلطنت اسلامیہ کے بعد کبھی اس سنتِ ابراہیمؑ کے ادا ہونے کی نوبت نہ آئی ہوگی، دسویں ذی الحجہ کو بلند آواز سے تکبر کہہ کر قربانی کر کے واضح کر دیا کہ علوم ہمت ہو تو زنداں میں مستحبات بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ (حیات شیخ الہند ۱۱۸)

شیخ الہند اور اتباعِ سنت

حدیثِ پاک میں سرکہ کے متعلق آیا ہے کہ:

بہترین سالن ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں جب بھی دسترخوان پر سرکہ ہوتا تو سب چیزوں سے زیادہ اس کی طرف رغبت فرماتے اور کبھی گھونٹ بھی بھر لیتے۔ ایک مرتبہ بدن پر پھنسیاں وغیرہ نکل آئیں، اطباء نے سرکہ کو منع کر دیا۔ پھر بھی حضرت سرکہ نوش فرما ہی لیتے۔ حضرت نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادی اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے طرز پر ایسی ہی سادگی اور اتباعِ سنت سے کی جو حضرت جیسے محدثِ اعظم اور عاشقِ سنت کے شایانِ شان تھی۔ کبھی جامع مسجد میں نماز کے بعد اعلان کر کے داماد کو بٹھا کر نکاح پڑھ دیا،

کبھی مدرسہ میں علماء اور طلباء کے مجمع میں بطریق مسنون عقد کر دیا اور معمولی کپڑے پہنا کر ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر دیا۔ (حیاتِ شیخ الہند ص ۲۰۵)

سنت پر عمل

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے روایت ہے کہ:

جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرفِ زیارت کے لئے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحب زادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھا جس کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گیا اور الٹے پاؤں بادل ناخواستہ واپس ہوا۔ حضرت مولانا مدنیؒ سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں، لوٹا لے کر پاخانے میں گئے اور اچھی طرح صاف کر کے ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا، مولانا! میں نے دیکھا ہے، پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر، وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا، یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مدنیؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا، کیا بات ہے؟ خواجہ صاحب نے کہا، سیاسی اختلاف کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا، آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا، میرے بھائی! میں نے تو حضور

ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا، جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے آیا تو دیکھا حضور ﷺ بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

(ماہنامہ الرشید، مدنی واقبال نمبر ص ۱۷۲)

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور اتباعِ سنت

قاری محمد میاں صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی لکھتے ہیں کہ:

تہجد میں اوّل دو رکعتیں مختصر پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعتیں طویل جن میں ڈیڑھ دو پارے قرأت فرماتے۔ تہجد کی قرأت قدرے جہر سے ادا فرماتے۔ پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرأت سن سکے۔ قرأت کرتے وقت اس قدر خشوع، اتنا گریہ، سینہ مبارک سے ایسے کھولتے ہوئے گرم سانس۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت احادیث میں ذکر کی گئی ہے:

كان يصلي ولجوفه ازيز كازيز المرجل من البكاء.

''آپؐ نماز ایسی پڑھا کرتے تھے کہ آپؐ کے اندرون سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز کی طرح سے آواز آتی تھی۔''

وہ منظر کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے دعا مانگتے، پھر مصلّے پر استغفار کرنے کے لئے بیٹھ جاتے۔ تسبیح ہاتھ میں ہوتی، جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے۔ اگالدان قریب رکھ لیا کرتے، اس وقت رونے کا جو منظر بارہا دیکھنے میں آیا ہے، وہ کسی اور وقت نہیں آیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل جاری، رومال سے صاف کرتے جاتے اور:

استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیّوم و اتوب الیہ.

جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے، کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے۔ بعض اوقات اسی کرب و بے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے۔ فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا۔ (الجمعیہ شیخ الاسلام نمبر ص ۸۰)

کیکر کے درخت سے محبت

مفتی مہدی حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

عبادتِ خداوندی کا یہ ذوق کہ شدید مرض کی حالت میں بھی نمازِ فجر میں طوالِ مفصل ہی پڑھا کرتے تھے۔ سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن امور کا ادنیٰ تعلق بھی رسول اللہ ﷺ سے ہو، ان پر عمل کرتے تھے۔ دنیا کو حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ؟ نہ اس میں پھول نہ پھل، نہ اس سے خوشنمائی نہ یہ زینتِ چمن، پھر کیوں لگوایا؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی جو ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے زباں زدِ خاص و عام ہے۔ یہ درخت اس کی یادگار ہے۔ (الجمعیہ شیخ الاسلام نمبر ص ۵۲)

مجھ کو خلافِ سنت میں مزہ ہی نہیں آتا

ایک مرتبہ حکیم محمد یٰسین صاحب بجنوری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ حضرت آپ کے اوپر مرض کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اور اس مرض میں آرام کی کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ حرکت وغیرہ خاص طور پر اس کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اوّل تو آپ باہر تشریف نہ لے جائیں اور اگر تشریف لے ہی جائیں تو پھر ذرا نماز ہلکی ادا فرمائیں۔ آپ کے یہاں وہی صحت اور تندرستی والا دستور چل رہا ہے۔ مرض کی حالت میں

اگر کچھ سنن و مستحبات وغیرہ چھوٹ جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے مگر میں کیا کروں کہ مجھ کو خلافِ سنت نماز میں مزہ ہی نہیں آتا۔ اس جواب کا حکیم صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ (رشید الدین حمیدی)

ہندوستان بھر کے ائمہ مساجد نے اس سنت کو بھلا دیا

جب کہیں جمعہ کے دن حضرت کو نمازِ فجر پڑھانے کا اتفاق ہوتا تو آپ سورۂ الٓم سجدہ اور سورۂ دہر تلاوت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ہندوستان بھر کے ائمہ مساجد نے اس سنت کو ترک ہی نہیں کیا بلکہ بھلا دیا ہے۔ اس وجہ سے پڑھتا ہوں کہ ائمہ مساجد توجہ کریں۔

رمضان شریف میں صلوٰۃ وتر میں سورۂ اعلیٰ، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص اکثر تلاوت فرماتے اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت کا معمول تھا۔

مہر فاطمی پر نکاح پڑھانے کا معمول

مہر فاطمی پر نکاح پڑھانے پر سختی سے عمل فرماتے۔ اس نکاح کو پڑھانے سے انکار فرما دیا کرتے جس میں مہر فاطمی نہ ہوتا۔ ارشاد فرماتے کہ کیا آپ کی صاحبزادی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سے زیادہ افضل ہے۔

عبدالحق! حضورؐ کی سنت کبھی کبھی تو پوری ہونی چاہئے

حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

مدینہ منورہ کے لوگ جتنی عزت حضرت مولانا حسین احمد کی کرتے تھے، اتنی کسی اور عالم کی نہیں کرتے تھے۔ مگر حضرت رمضان شریف میں روزہ پر روزہ رکھتے رہے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ ایک دن مجھے شوق ہوا کہ آج استاد محترم کے ساتھ افطار و سحر کیا جائے۔

چنانچہ کھانا پکوا کر حرم شریف میں لایا اور انتظار کرتا رہا کہ اب حضرت کے گھر سے کھانا آئے گا۔ نمازِ مغرب قریب ہوگئی مگر کھانا نہیں آیا۔ میں نے دسترخوان بچھایا اور حضرت سے عرض کیا کہ تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کھانا کھالو، میں کھجور سے افطار کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس شوق میں حاضر ہوا ہوں کہ کھانا آپ کے ساتھ کھاؤں۔ آپ روزہ کھجور سے افطار فرمالیں، میں بھی کھجور سے افطار کروں گا مگر کھانے میں میرے ساتھ شرکت فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے میری ضد پوری کردی۔ کچھ تھوڑا سا کھانا کھا کر نماز شروع کردی اور نماز کے اس سلسلہ کو عشاء تک جاری رکھا یہاں تک کہ تراویح شروع ہوگئی۔ تراویح کے ختم ہونے کے بعد میں نے درخواست کی تو فرمایا کہ سحر میں دیکھا جائے گا۔ پھر سحر تک نوافل میں مشغول رہے۔ میں سو گیا، حضرت نے مجھے سحر میں جگایا اور استغناء کے ساتھ فرمایا کہ تم کھانا کھالو۔ اس وقت میں نے سوال کیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آنجناب کے گھر سے افطار میں بھی کھانا نہیں آیا اور اب سحر میں بھی نہیں آرہا۔ حضرت خاموش رہے، بات کو ٹالنا چاہا، سنتے رہے، ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اصل بات کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن میرا اصرار بڑھتا رہا۔ تو حضرت نے مجبور ہو کر صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ شاید آج گھر میں کچھ نہیں تھا۔ غرض کہ میں نے پھر زبردستی حضرت کو کھانا کے لئے بٹھایا تو کھانا کھاتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ عبدالحق! حضور ﷺ کی سنت کبھی کبھی تو پوری ہونی چاہئے اور پھر بہت لجاجت کے لہجہ میں فرمایا کہ دیکھو میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک میں پھلوں اور پھولوں کا طباق

قاری نجیب علی صاحب کریم گنجی مرحوم ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔ اکثر و بیشتر

آپ پر جذب وکیف کی حالت طاری رہتی تھی۔اسی حالت میں آپ یا رسول اللہؐ......... یا رسول اللہؐ کہتے ہوئے جنگل اور بیابان کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔حضرت مدنی ان سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور وہ حضرت پر فدا تھے۔نئی سڑک سلہٹ کی مسجد میں حضرت مدنیؒ تراویح خود پڑھایا کرتے تھے اور تراویح کے بعد ایک گھنٹہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔وعظ کے بعد خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرتؒ نے قاری نجیب صاحب مرحوم سے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب آج آپ نے کیا دیکھا؟ انہوں نے فرمایا کہ آج کے پورے وعظ میں آپ کے پیچھے جناب رسول اللہ ﷺ پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا خوبصورت طباق لئے کھڑے ہیں کہ روئے مبارک پر مسرت اور خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔اسی پر مسرت منظر میں میری نگاہیں مسحور تھیں۔غور فرمایئے کہ ان واقعات سے حضرت مدنی کی ہر لحہ ظاہری و باطنی تائید اور روحانی معیت آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس قدر گہری تھی اور اتباع سنت کی نسبت نے آپ کی ذاتِ گرامی کو کس قدر عروج پر پہنچا دیا تھا۔ (مولانا احمد علی بانسکنڈی)

دربارِ رسالتؐ سے فرمان

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔صوبہ بہار سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کا زیادہ وقت وظائف،عبادات،مجاہدات میں گزرتا تھا۔انہوں نے متعدد بار ذکر کیا کہ میں عالم رویاء میں حضور سرورِ کائناتؐ کے دربارِ عالی میں پیش ہوا۔ نہایت ادب واحترام سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

''محمد علی تم وظیفے پڑھنے میں مشغول ہو اور قادیانی میری ختمِ نبوت کو تخریب کر رہے ہیں۔تم ختمِ نبوت کی حفاظت اور قادیانیت کی تردید کرو۔''

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ فرمایا کرتے تھے۔اس مبارک خواب کے بعد نماز

فرض، تہجد اور درود شریف کے علاوہ تمام وظائف ترک کر دیئے، دن رات ختمِ نبوت کے کام میں منہمک ہو گیا۔ (روئیداد مجلس ص ۱۴ اناموس محمدؐ کے پاسبان ۱۶۸)

میں قانونِ محمدیؐ کا پابند ہوں

مولانا ظفر علی خان نے جب عوامی جلسوں میں قادیانیت کے بخئے ادھیڑ نے شروع کیے اور مرزا قادیانی کا ریمانڈ لینا شروع کیا تو انگریزی قانون اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کے لئے حرکت میں آ گیا۔ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کی گئیں اور پھر ان سے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی گئی۔ جھوٹی نبوت کے خالق فرنگی کو عاشق رسولؐ ظفر علی خان نے جو باغیرت جواب دیا، اسے پڑھ کر آج بھی گلشن ایمان میں بہار آ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

> ''جہاں تک مرزا غلام احمد کا تعلق ہے، ہم اس کو ایک بار نہیں ہزار بار دجال کہیں گے۔ اس نے حضورؐ کی ختم المرسلینی میں اپنی نبوت کا ناپاک پیوند جوڑ کر ناموس رسالتؐ پر کھلم کھلا حملہ کیا ہے۔ اپنے اس عقیدے سے میں ایک منٹ کے کروڑویں حصہ کے لئے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال تھا، دجال تھا، دجال تھا۔ میں اس سلسلہ میں قانون انگریزی کا پابند نہیں۔ میں قانونِ محمدیؐ کا پابند ہوں۔'' (تحریک ختمِ نبوت ص ۶۸)

حضورؐ یہ سب کچھ میں نے آپ کی خاطر کیا ہے

قاضی احسان احمدؒ شجاع آبادی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے شاگرد ارجمند، مجلس تحفظ ختمِ نبوت کے امیر، شعلہ بیاں خطیب، جرأت و شجاعت کا مجسمہ جو ساری

زندگی گلی گلی، کوچہ کوچہ، گاؤں گاؤں اور شہر شہر جا کر قوم کو مسئلہ ختمِ نبوت سمجھاتا رہا اور قادیانیت کی دھجیاں بکھیرتا رہا۔ ختمِ نبوت کے اس شیدائی و فدائی کی زندگی کے آخری ایام کا واقعہ پڑھیے اور ختمِ نبوت کا کام کرنے کی اہمیت و افادیت دیکھیے۔ شیخ عبدالمجید صاحب سابق میونسپل کمشنر شجاع آباد جو قاضی صاحبؒ کے ساتھ کافی عرصہ ایک بھائی اور دوست کی حیثیت سے رہے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ بیماری کے ابتدائی ایام میں قاضی صاحبؒ نشتر ہسپتال ملتان میں ڈاکٹر عبدالرؤف کے زیر علاج تھے، دوپہر کا وقت تھا، میں جاگ رہا تھا۔ قاضی صاحب کو نیند آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کیا سنتا ہوں کہ قاضی صاحب بڑی لجاجت سے کہہ رہے ہیں کہ:

''حضورؐ! میں آپؐ کی ختمِ نبوت کی خاطر اتنی بار جیلوں میں گیا ہوں، میں نے ملک کے ذمہ دار حکمرانوں کو قادیانی فتنہ سے آگاہ کیا ہے۔ حضورؐ! یہ سب کچھ میں نے آپؐ کی خاطر کیا ہے۔''

اس کے تھوڑی دیر بعد درود شریف پڑھنے لگے۔ میں یہ سمجھا کہ شاید قاضی صاحب کا آخری وقت آ گیا ہے مگر کچھ دیر بعد وہ خود بخود بیدار ہو گئے۔ ہشاش بشاش تھے، درود شریف پڑھ رہے تھے۔ (قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ص ۵۵۵)

رسول اللہؐ ہمیں جان سے پیارے ہیں نادانو

شمسی صاحب کی روایت ہے کہ:

تحریک ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء میں ایک عورت اپنے بیٹے کی بارات لے کر دلی دروازہ کی جانب آ رہی تھی۔ سامنے سے تڑتڑ کی آواز آئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس کے لئے لوگ سینہ تانے، بٹن کھول کر گولیاں کھا رہے ہیں تو برات کو

معذرت کر کے رخصت کر دیا۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا! آج کے دن کے لئے میں نے تمہیں جنا تھا، جاؤ آقا ﷺ کی عزت پر قربان ہو کر دودھ بخشوا جاؤ۔ میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری بارات میں آقائے نامدار ﷺ کو مدعو کروں گی۔ جاؤ پروانہ وار شہید ہو جاؤ تاکہ میں فخر کر سکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ تحریک میں ماں کے حکم پر آقائے نامدار ﷺ کی عزت کے لئے شہید ہو گیا۔ جب لاش لائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا۔ سب سینہ پر گولیاں کھائیں۔

فرحمة اللہ رحمة واسعةً (شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۶۹)

رسول اللہؐ ہمیں جان سے پیارے ہیں نادانو
رسول اللہؐ پر جانیں فدا کرتے رہیں گے

عشقِ مصطفیٰ ؐ تو دل میں ہے

تحریک ختمِ نبوت میں ایک طالب علم کتابیں ہاتھ میں لئے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک کے لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا، کسی نے پوچھا یہ کیا؟ جواب میں کہا کہ آج تک پڑھتا رہا ہوں، آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔ جاتے ہی ران پر گولی لگی، گر گیا۔ پولیس والے نے آکر اٹھایا تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا کہ ظالم گولی ران پر کیوں ماری ہے؟ عشق مصطفیٰ ﷺ تو دل میں ہے، یہاں دل پر گولی مارو تا کہ قلب و جگر کو سکون ملے۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۶۹)

قرآن مجید کی بے حرمتی

مولانا عبدالستار نیازی راوی ہیں کہ:

اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا، یہ طے کر کے آتا تھا کہ وہ ناموس

مصطفیٰ ﷺ کے لئے جان دے دے گا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا، لوگ لاٹھیاں کھاتے رہے۔ ایک نوجوان کے پاس حمائل شریف تھی۔ فردوس شاہ ڈی ایس پی نے ٹھوکر ماری، نوجوان گر گیا، حمائل شریف دور جا گری اور پھٹ گئی۔ فردوس شاہ کو لوگوں نے موقع پر قتل کر دیا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والا اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۶۹)

اذانِ عشق

معلوم ہوا کہ اسی تحریک میں کرفیو لگ گیا۔ اذان کے وقت ایک مسلمان کرفیو کی خلاف ورزی کر کے آگے بڑھا، مسجد میں پہنچ کر اذان دی۔ ابھی اللہ اکبر کہہ پایا تھا کہ گولی لگی، ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا مسلمان آگے بڑھا، اس نے اشہد ان لا الٰہ اللہ کہا تھا کہ گولی لگی، ڈھیر ہو گیا۔ تیسرا مسلمان آگے بڑھا، ان کی لاشوں پر کھڑا ہو کر اشہد ان محمد رسول اللہ کہا کہ گولی لگی، ڈھیر ہو گیا۔ چوتھا آدمی بڑھا، تین کی لاشوں پر کھڑے ہو کر کہا حی علی الصلوٰۃ کہ گولی لگی، ڈھیر ہو گیا۔ پانچواں مسلمان بڑھا۔ غرضیکہ باری باری نو مسلمان شہید ہو گئے مگر اذان پوری کر کے چھوڑی۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۷۰)

زباں ہے منہ میں جب تک یہ صدا کرتے رہیں گے

تحریک ختمِ نبوت میں ایک مسلمان دیوانہ وار لاہور کی سڑکوں پر ختمِ نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا، پولیس نے پکڑ کر تھپڑ مارا، اس پر اس نے پھر ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ پولیس والے نے بندوق کا بٹ مارا، اس نے پھر نعرہ لگایا۔ وہ مارتے رہے، یہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا، یہ زخموں سے چور چور، پھر بھی ختمِ نبوت زندہ باد کے نعرے

لگاتا رہا۔ اسے گاڑی سے اتارا گیا تو بھی وہ نعرہ لگاتا رہا۔ اسے فوجی عدالت میں لایا گیا، اس نے عدالت میں آتے ہی ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ فوجی نے کہا، ایک سال سزا۔ اس نے سال کی سزا سن کر پھر ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اس نے سزا دو سال کر دی، اس نے پھر نعرہ لگایا غرضیکہ فوجی سزا بڑھاتا رہا اور یہ مسلمان نعرہ ختمِ نبوت بلند کرتا رہا۔ فوجی عدالت جب بیس سال پر پہنچی، دیکھا کہ بیس سال کی سزا سن کر یہ پھر بھی نعرہ سے باز نہیں آرہا تو فوجی عدالت نے کہا کہ باہر لے جا کر گولی مار دو۔ اس نے گولی کا سن کر دیوانہ وار رقص شروع کر دیا اور ساتھ ختمِ نبوت زندہ باد، ختمِ نبوت زندہ باد کے فلک شگاف ترانہ سے ایمان پرور، وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا کہ رہا کر دو، یہ دیوانہ ہے۔ اس نے رہائی کا سن کر پھر نعرہ لگایا، ختمِ نبوت زندہ باد۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۷۰)

سزا دیتے رہو تم...... ہم یہ خطا کرتے رہیں گے

تحریک ختمِ نبوت 53ء میں دہلی دروازہ لاہور کے باہر صبح سے عصر تک جلوس نکلتے رہے اور دیوانہ وار سینوں پر گولیاں کھا کر آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس پر جان قربان کرتے رہے۔ عصر کے بعد جب جلوس نکلنے بند ہو گئے تو ایک 80 سالہ بوڑھا اپنے معصوم پانچ سالہ بچے کو اپنے کندھے پر اٹھا کر لایا۔ باپ نے ختمِ نبوت کا نعرہ لگایا، معصوم بچے نے جو باپ سے سبق پڑھا تھا، اس کے مطابق زندہ باد کہا۔ دو گولیاں آئیں، 80 سالہ بوڑھے باپ اور پانچ سالہ معصوم بچے کے سینہ سے شائیں کر کے گزر گئیں، دونوں شہید ہو گئے مگر تاریخ میں اس نئے باب کا اضافہ کر گئے کہ اگر آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس پر مشکل وقت آئے تو مسلمان قوم کے 80 سالہ بوڑھے خمیدہ کمر سے لے کر پانچ سالہ معصوم بچے تک سب جان دے کر اپنے پیارے آقاؐ کی عزت و ناموس کا تحفظ کرتے

ہیں۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۷۰)

ختمِ نبوت کے دیوانے ہیں ہم لوگ

آغا شورش کاشمیری نے فرمایا۔ ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس نے خود راقم سے بیان کیا تھا کہ ہر روز کے مظاہروں کو سمیٹنے کے لئے تشدد کی نیو اٹھا کر تحریک کو ختم کیا گیا۔ چنانچہ حکام نے اپنے سفید پوش اہل کاروں کی معرفت پولیس پر پتھراؤ کیا، اس طرح پر فائرنگ کی بنیاد رکھی۔ بعض منچلے قادیانی اپنی جیپوں میں سوار ہو کر مسلمانوں پر گولیاں داغتے اور انہیں شہید کرتے رہے۔ راقم نے لاہور میں چینز لنچ ہوم مال روڈ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ 15 سے 22 سال کی عمر کے نوجوانوں کا ایک مختصر سا جلوس کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ وہ ایک بے ضمیر سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈی۔ سی۔ آئی ملک حبیب اللہ کے حکم پر کسی وارننگ کے بغیر فائرنگ کا ہدف بنا۔ آٹھ دس نوجوان شہید ہو گئے۔ ان کی لاشوں کو ملک صاحب نے اپنے ماتحتوں سے ٹرکوں میں اس طرح پھینکوایا جس طرح جانور شکار کئے جاتے ہیں۔ یہ نظارہ انتہائی دردناک تھا۔

لاہور چھاؤنی میں ایک قادیانی افسر نے گولیوں کی بوچھاڑ کی لیکن گولی کھانے والوں نے انتہائی استقامت اور کردار کی پختگی کا ثبوت دیا۔ ایک نوجوان ملٹری ہسپتال میں زخموں سے چور چور بے ہوش پڑا تھا۔ جب اسے قدرے ہوش آیا تو اس نے پہلا سوال سرجن سے یہ کیا کہ میرے چہرے پر کسی خوف یا اضمحلال کے نشان تو نہیں ہیں۔ جب اسے کہا گیا کہ نہیں تو اس کا چہرہ وفورِ مسرت سے چمک اٹھا۔ جن لوگوں کو علماء سمیت گرفتار کر کے لاہور کے شاہی قلعہ میں تفتیش کے لئے رکھا گیا، ان کے ساتھ پولیس نے اخلاق باختگی کا سلوک کیا۔ ایک انتہائی ذلیل ڈی۔ ایس۔ پی کو ان پر مامور کیا۔ وہ علماء کو اس قدر فحش و فاش

گالیاں دیتا اور عریاں فقرے کستا کہ ؎

خود خوفِ خدا تھرا رہا تھا

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۷۱)

تو مجھے قتل کر نام محمدؐ پر

جناب مولانا خلیل احمد قادریؒ بیان کرتے ہیں کہ:

1953ء کی تحریک ختمِ نبوت میں جب میں جیل میں تھا تو مجھے پھانسی کی سزا سنائی گئی اور بعد میں مجھے غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا لیکن میرے بارے میں مشہور ہو گیا کہ مجھے پھانسی دے دی گئی ہے اور کراچی جیل میں میرے والد محترم حضرت ابوالحسنات شاہ قادری صاحبؒ جو اس وقت تحریک کی کمان فرما رہے تھے کو یہ خبر دی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور سید مظفر علی شمسی کا بیان ہے کہ چند روز تک ہم نے یہ خبر علامہ ابوالحسنات سے چھپائے رکھی اور پھر آخر کار ایک روز ہم نے انہیں بتا ہی دیا کہ آپ کے صاحبزادے کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ علامہ ابوالحسنات یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے اور انہوں نے فرمایا:

''میرے آقا! گنبدِ خضریٰ کے مکین ﷺ کو میرے اکلوتے بیٹے خلیل کی قربانی قبول ہے تو میں بارگاہِ ربی میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں۔ ناموسِ رسالتؐ پر ایک خلیل تو کیا، میرے ہزاروں فرزند بھی ہوں تو اسوۂ شبیری پر عمل کرتے ہوئے سب کو قربان کر دوں۔''

خوشا قاتل تو مجھ کو قتل کر نام محمدؐ پر
رسول اللہؐ کے آگے سرخرو ہو کر تو جاؤں گا

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۷۳)

عشق رسولؐ اور جیل

قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے غیر متزلزل عزم و ہمت کا ایک واقعہ 1954ء میں پیش آیا۔ مولانا تحریکِ ختم نبوت کے سلسلہ میں ملتان جیل میں نظر بند تھے، اسی دوران ان کے والد ماجد انتقال کر گئے۔ جیل کے حکام نے مولانا سے کہا کہ:

اگر آپ اعلیٰ حکام سے معافی مانگ لیں تو آپ کو رہا کیا جا سکتا ہے اور آپ اپنے والد ماجد بزرگوار کی نمازِ جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ مولانا نے خشمگیں انداز میں کہا کہ میں نے یہ جیل رسول اکرمؐ کے نام کے تحفظ کی خاطر قبول کی ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں رسول اکرمؐ کو بھول جاؤں اور والد کی محبت سے متاثر ہو کر آقائے نامدارؐ کو دھوکہ دے جاؤں۔ میں عاشق رسولؐ ہوں، مجھ پر اس جیسی ایک ہزار مصیبتیں بھی اگر نازل ہو جائیں تو بھی میں اف نہ کروں گا۔ جیل کے حکام مولانا کے اس دلیرانہ جواب کو سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ (قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۴۴۰/۴۴۱ از نور الحق قریشی)

مولانا محمد صاحب انوریؒ کی گرفتاری

حاجی رشید احمد لدھیانوی بیان کرتے ہیں کہ:

میرا تعلق مولانا محمد صاحب انوریؒ سے 1951ء سے چلا آ رہا تھا، جب مسجد نوری سنت پور فیصل آباد کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ مولانا صاحب کا میں خدمت گزار تھا، اسی لئے مجھے بھیجا گیا۔ 4 مارچ 1953ء کو باقاعدہ تحریک شروع کی گئی۔ میں پانچ مارچ کو ماڑی انڈس ریل کے ذریعہ سرگودھا پہنچا۔ صبح تہجد کے وقت میں پہنچا، مولانا محمد صاحب انوریؒ کو ساری صورتحال بتلائی۔ انہوں نے حضرت رائے پوریؒ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ لائل پور سے بلاوا آیا ہے کہ ختم نبوت کی تحریک میں گرفتاری دینی ہے تو حضرت رائے

پوری بہت خوش ہوئے اور بڑی گرم جوشی سے حضرت رائے پوری نے اٹھ کر مولانا محمد صاحب سے معانقہ کیا۔ حالانکہ حضرت رائے پوری اس وقت بیماری کی وجہ سے کمزور تھے، پھر بھی بڑی ہمت کے ساتھ اٹھ کر معانقہ کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کا معاملہ ہے، اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ حضرت رائے پوری سے اجازت لے کر ہم 6 مارچ 1953ء کو لائل پور آ گئے اور 7 مارچ 1953ء کو پروگرام کے مطابق جامع مسجد کچہری بازار لائل پور سے مولانا محمد صاحب انوریؒ کی قیادت میں چالیس افراد نے کوتوالی تھانہ جا کر گرفتاری پیش کی۔ ان چالیس افراد میں خود حاجی رشید احمد، شیخ بشیر احمد، امین الدین صاحب، مولانا احمد علی (جو کہ داماد تھے)، مولانا محمد ابراہیم صاحب آف میاں چنوں شامل تھے۔ ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں ہمیں بھیج دیا گیا۔ 10 مارچ 1953ء کو ہمیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا جس کا نام لطف اللہ تھا۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے دفعہ 144 کی خلاف ورزی پر پندرہ افراد کو پانچ پانچ ماہ قید کی سزا سنائی جس میں مولانا محمد صاحب اور ہم چند چیدہ چیدہ افراد شامل تھے، پچیس افراد کو رہا کر دیا گیا۔ 8-12 نمبر بارک ہمیں رکھا گیا۔ پھر پندرہ دن کے بعد ہمیں پھانسی گھر کے ساتھ والی بارک میں رکھا گیا۔ جیل میں مشہور ہو گیا تھا کہ ان حضرات کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ مونج کوٹنا اور بان بانٹنا ہماری سزا تھی۔ (ناموس محمدؐ کے پاسبان ۱۶۸)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تڑپ

شاہ جی پور جوبن پر تھے، بے انداز مجمع گوش بر آواز، عشق رسولؐ کی بھٹی گرم، اکابر اور اساطین ملت جلوہ افروز، شہر میں مکمل ہڑتال اور سناٹا، تحریک ختمِ نبوت کے لئے مسلمان جانیں دینے کے لئے آمادہ۔ کسی نے کہا کہ خواجہ ناظم الدین لاہور پہنچ گئے۔ شاہ جی

نے فرمایا، ساری باتوں کو چھوڑ یئے لاہور والو کوئی ہے اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت ہی جذبات انگیز الفاظ میں فرمایا، جاؤ میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی، اسے خواجہ صاحب کے قدموں پر ڈال دو۔ اس سے کہو، ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں، ہم الیکشن نہیں لڑیں گے، تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں جاؤ اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ اگر پاکستان کے بیت المال میں کوئی سور ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوؤروں کا وہ ریوڑ چرانے کے لئے بھی تیار ہے مگر شرط صرف یہ ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی وامی کی ختمِ رسالت کی حفاظت کا قانون بنا دے۔ کوئی آقاؐ کی توہین نہ کرے، آپؐ کی دستارِ ختمِ نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ شاہ جی بول رہے تھے اور مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ چشم فلک نے اس جیسا سماں بھی کم دیکھا ہوگا۔ عوام و خواص سب رو رہے تھے۔ شاہ جی پر خاص وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ (ناموس محمدؐ کے پاسبان ۱۷۹)

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لئے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمدؐ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرہ دار و رسن کو بھی ضیاء بخشی ہے

امیر شریعت کا مقام

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے فرمایا کہ:

حضرت مولانا رسول خانؒ نے جو بہت بڑے محدث تھے۔ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جماعت صحابہؓ میں تشریف فرما ہیں۔ حضورِ پاکؐ کی خدمت میں (ایک سنہری طشت میں آسمان سے) ایک دستار مبارک لائی گئی۔ آنحضرتؐ نے جناب صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کہ اٹھو اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ کے سر پر باندھ دو۔ میں اس سے خوش ہوں کہ اس نے میری ختمِ نبوت کے لئے بہت سارا کام کیا ہے۔ (تقاریر مجاہد ملت ص ۷)

انسان یا چٹان

راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جی نے خود سنایا تھا۔ فرمایا:

ایک دفعہ جالندھر میں قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا۔ اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ فرمایا، شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے، وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں۔ فرمایا، میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آ رہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر۔ وہ آتے ہی میرے ابروؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جما لیا۔ اسی اثناء میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ میں فوراً للکارا کہ خبردار، کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا، مجھے معلوم تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں اس لئے روک دیا کہ میں تو تختۂ مشق بن چکا ہوں، لوگ بھی ساتھ نہ مارے جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان کے ڈنک مارنے کا کچھ احساس نہ تھا۔ صرف ایک مکھی نے کہیں میری آنکھ کے کونے میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چبھن ہوئی مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ بالآخر لوگوں

نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔ کئی دن میرے چہرے کا ورم نہ گیا۔ کئی سیروں تو برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھیں۔ فرمایا، مجھے ایک خطرہ تھا کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، میں نے شکر کیا۔ (بخاری کی باتیں/ص ۴۶، ۴۷)

دل کھول کے دنیا کے ستم مجھ پہ کئے جا
دکھ سہنے کو اللہ نے بخشا ہے کلیجہ

دربارِ رسالتؐ کا حکم

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم کو ایک دفعہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے میری زیارت کے بعد پاکستان چلے جانا (کیونکہ حضرت کا ارادہ تھا کہ بقایا عمر دیارِ حبیبؐ میں ہی گزاروں) وہاں میری ختمِ نبوت پر کتے لپکے ہوئے ہیں۔ تم بھی اس کی حفاظت کرو اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام پہنچا کر کہہ دینا کہ وہ اسی کام پر ڈٹا رہے۔

چنانچہ حضرت درخواستی مدظلہ کا جب یہ پیغام ملا تو کچھ عرصہ کے بعد دہلی دروازہ لاہور شاہ جیؒ کی ختمِ نبوت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ تقریر کے دوران میں ایک بار والہانہ جھوم کر فرمایا، میں تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے باز آنے والا نہیں تھا مگر اب تو ''سوہنے'' یعنی محبوب کا پیغام آ گیا ہے۔ ہاں ہاں میرا سب کچھ ختمِ نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے گا تو پرواہ نہیں۔ (بخاری کی باتیں ص ۸۱)

تیری یادوں کے سوا اس میں رہا کچھ بھی نہیں

تقسیم ملک کے بعد حضرت امیر شریعتؒ سیاسیات سے الگ ہو کر جناب رسول

اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کی حفاظت پر ہی کمربستہ ہو گئے۔ ملک بھر کے دورے کئے اور ناموسِ رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ جس کے نتیجہ میں 1953ء کی تحریک نبوت چلی۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کی حفاظت کے لئے بے شمار مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا اور ہزاروں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ مدینہ طیبہ گئے، وہاں خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے آپ کو حضرت امیر شریعت کے نام سلام اور اپنے کام پر لگے رہنے کا پیغام دیا تھا۔ آپ کے اس دور کے چند خطابت پارے ملاحظہ فرمائیے۔

> ''ختمِ نبوت کی حفاظت میرا جزوِ ایمان ہے۔ جو شخص اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاں (حضورؐ کو آپ بعض اوقات جوشِ محبت میں میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں، نہ اپنا نہ پرایا۔ میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں۔ جس کے حسن و جمال کو خود ربّ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کے آراستہ کیا ہو، میں ان کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جو ان کا نام لیتے ہیں لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔'' (چٹان سالنامہ ۶۲ء)

محمدؐ نہیں تو کچھ بھی نہیں

آج مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روحِ صدیقؓ پیدا کرو۔ آج محمد عربیؐ کی عزت و ناموس پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ آج محمد عربیؐ کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمدؐ سے تو خدا ہے، محمدؐ ہے تو قرآن ہے، محمدؐ ہے تو دین

ہے۔ محمدؐ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ (خطباتِ امیر شریعتؒ ص ۱۰۸)

حضورؐ کا دشمن...... ہمارا دشمن

ہم محمد ﷺ کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضورؐ کے نام لیوا ہیں۔ حضورِ اقدسؐ کا ہر دشمن ہمارا بدترین دشمن ہے۔ (خطباتِ امیر شریعتؒ ص ۱۱۲)

تمنا ہے کہ پھانسی پر لٹک جائیں

میری گردن تو آج بھی تحفظ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ مبں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضورِ اکرم ﷺ کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمہارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور ﷺ سے بغاوت کی تو پھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمدؐ کے نام پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہوں۔ (خطباتِ امیر شریعتؒ ص ۱۰۸)

آپ کی عشق رسالتؐ میں ڈوبی ہوئی خطابت ہی سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہا تھا: ؎

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

کفن بدوش قائد

جب 1974ء کی تحریک ختمِ نبوت چلی تو حضرت مولانا سید بنوریؒ تحریک کے امیر اور مولانا محمود احمد رضوی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ مولانا یوسف بنوریؒ کے فولادی عزم اور ولولہ انگیز قیادت نے پوری قوم میں جہاد کی روح پھونک دی۔ آپ نے پورے

ملک کا طوفانی اور ایمانی دورہ کیا اور مسلمانوں کی رگوں میں خون کی بجائے بجلی دوڑا دی اور لوگ آپ کے نعرۂ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے میدان میں کود پڑے۔ جب گھر سے نکلے تو اپنے مدرسہ کے مفتی صاحب کے پاس گئے اور فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب! میں تحریک کی رہنمائی کے لئے جا رہا ہوں اور اپنا کفن بھی ساتھ لے کر جا رہا ہوں، پھر کفن نکال کر دکھایا۔ مزید فرمایا کہ مرزائیوں کو اس ملک میں آئین کی رو سے کافر ٹھہراؤں گا یا اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں گا، واپس گھر جانے کا ارادہ نہیں۔ یہ مدرسہ تمہارے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کی حفاظت کرتے رہنا۔ (اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے پوری ملت اسلامیہ کی لاج رکھ لی اور قادیانیوں کو آئین کی رو سے کافر قرار دے دیا گیا۔

(ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۱)

حضرت شیخ بنوریؒ کی تحفظ ناموسِ رسالتؐ کے لئے تڑپ

ربوہ کے واقعہ فاجعہ نے جب میدان عمل کی دعوت دی تو مسند حدیث کا گوشہ نشین اپنے زاویہ سے اٹھا اور اس کی جولانگاہ درۂ خیبر، کراچی، کوئٹہ، پشاور اور لاہور ہے۔ ٹانگوں سے معذور ہیں، چلنے پھرنے میں دقت ہے لیکن ایک جذبہ ملی ہے جو شیخ وقت کو بے قرار لئے پھرتا ہے۔ پھر اس مصروفیت سے وقت نکال کر حرم مکہ میں پہنچتے ہیں۔ سلطان فیصل کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ عشق رسولؐ اور اعداء اسلام کی کاروائیوں کے باعث دونوں بزرگ اشکبار ہیں۔ شاہ فیصل فرما رہے ہیں کہ یا شیخ! میں اپنی سی مساعی تحفظ ختم نبوت کے لئے اور غداران ختمِ نبوت کی سرکوبی کے لئے وقف کرتا ہوں۔ اس سفر مبارک میں تمام دنیائے اسلام کے علماء سے رابطہ قائم کر کے ان کی حکومتوں کو مسئلہ کے حل کے لئے آمادہ فرماتے ہیں تا بحدیکہ مسئلہ اصولی طور پر حل ہو جاتا ہے۔ مرزائی سر کے بل قصرِ مذلت میں جا گرتے ہیں اور عامتہ المسلمین اس کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ تب مجلس عمل تحفظ ختمِ نبوت کے

امیر اپنے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سربسجود ہیں اور شکر گزار ہیں۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۲۶)

معراج عشق رسولؐ

حضرت شیخ بنوریؒ کے بھانجے جناب خالد جان صاحب راوی ہیں:

''آپؒ کو رسول مقبول ﷺ کی ذاتِ مبارک سے والہانہ عشق تھا۔ آپؒ نے زندگی کا بیشتر حصہ علوم دینیہ و احادیث نبویؐ کے حصول اور پھر تدریس و تبلیغ اور اس کے بعد تحقیق و ترویج میں گزارا۔ دوم آپ نے زندگی کے ہر پہلو میں رسول اکرم ﷺ کے افعال کی پیروی کی۔ سوم آپ اکثر رسول اللہ ﷺ کے ایصال ثواب کے لئے عبادات و خیرات کرتے رہے۔ اسی طرح ہر سال قربانی اور بے شمار عمرے ان کے حق میں کئے۔ چہارم زندگی میں آپؒ نے وصیت تحریر کی تھی کہ روضۂ مبارک کا غبار میری آنکھوں میں لگا دینا۔ روضۂ اقدس کے دیئے کا تیل میری داڑھی پر چھڑکنا اور روضۂ پاک کے غلاف کا ٹکڑا میرے کفن میں سینے پر سی دینا اور خانہ کعبہ کی چھت کی لکڑی تین سو سال پرانی قبر میں رکھنے کا کہا تھا۔

یہ سب چیزیں آپؒ نے ڈبہ میں محفوظ کر رکھی تھیں۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق کام میں لائی گئیں۔ یہ حب رسولؐ کی معراج تھی۔''

(خصوصی نمبر ص ۵۱۲)

مہمانِ رسولؐ

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ایک اور واقعہ کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:
مسجدِ نبویؐ میں اعتکاف کے دوران افطار اور سحری میں قسم قسم کے کھانے آتے

تھے۔اوّل اوّل میں نے کھانے میں کچھ تکلف کیا۔حضرت شیخ بنوریؒ نے اس کو محسوس کرلیا۔ مجھ سے علیٰحدگی میں فرمایا،تنزیل الرحمٰن! اگر آنحضرتؐ زندہ ہوتے اور ہم یہاں آتے تو ہم آنحضرتؐ کے مہمان ہوتے۔آج آنحضرتؐ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو خادمانِ رسولؐ جو مدینۃ النبیؐ کے ساکن ہیں، ہماری میزبانی کرتے ہیں۔ہم رسول اللہؐ کے مہمان ہیں اور یہ سب خادمانِ رسولؐ ہیں۔تم کھانے میں تکلف نہ کیا کرو، رغبت سے کھایا کرو۔ مولانا کا سمجھانے کا وہ پیار ومحبت بھرا انداز جب بھی یاد آتا ہے،آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ (خصوصی نمبر ص ۴۴۶)

روضۂ اقدسؐ کے برکات

جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کے حرمین شریفین کے سفر کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بار بار حج یا عمرہ کا سفر کرنے سے بھی میرا مقصد حج یا عمرہ کی تعداد بڑھانا اور اس کو اپنے لئے سرمایہ فخر ومباہات سمجھنا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں تو ایک خاص مقصد کے لئے بار بار حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً جاتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو یہ باغ لگایا ہے (مدرسہ عربیہ اسلامیہ) اس کی قبولیت اور کامیابی کے لئے دعائیں کروں۔ بیت اللہ کے فیوض اور روضۂ اقدسؐ کی برکات حاصل کروں کہ اللہ تعالیٰ بانی اور اساتذہ وطلبہ کی محنت کو قبول فرمائیں اور ان کو مزید اخلاص اور اہلیت سے سرفراز فرمائیں۔

جس طرح ایک کار کا ڈرائیور جب سفر شروع کرتا ہے تو تیل کی ٹینکی کو بھر لیتا ہے مگر جہاں ٹینکی خالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو جلد از جلد کسی پیٹرول پمپ سے تیل لیتا ہے،

اسی طرح میں بھی نہ صرف ہر سال بلکہ سال میں متعدد مرتبہ حرمین شریفین سے تیل لینے جاتا ہوں۔ (خصوصی نمبر ص ۴۵۸)

فرضِ کفایہ اور فرضِ عین

زین العابدین، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا اکلوتا بیٹا تھا، شدید بیمار ہو گیا۔ مولانا اپنے لختِ جگر کو دوائی دے رہے تھے۔ اس اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔ مولانا باہر نکلے تو دیکھا، ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس نے درخواست کی کہ بالاکوٹ کے مقام پر ایک بدنام زمانہ اور خطرناک قادیانی مبلغ اللہ دتہ گھس آیا ہے اور لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا رہا ہے، فتنہ پھیلنے کا انتہائی اندیشہ ہے۔ لہٰذا فوراً چلیئے۔ مولانا نے کتابوں کا ایک بیگ اٹھایا اور چل پڑے۔ بیوی نے کہا، بچے کی حالت سخت خراب ہے۔ فرمایا ضروری کام ہے، میرے جانے کے بعد بچہ مر جائے تو دفن کر دینا۔ ابھی بس میں سوار ہوئے ہی تھے کہ گھر کی طرف سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا، آپ کا نورِ نظر فوت ہو گیا ہے لیکن عاشقِ رسولؐ نے جواب دیا کہ میرے فرزند کو کفن پہنا کر دفن کر دیں۔ میں اپنے مشن پر جا رہا ہوں اور فرمایا، نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے اور تحفظ ناموس رسالتؐ فرضِ عین۔ وہاں پہنچ کر اس مردود کو علاقہ سے ذلیل و خوار کر کے نکالا: (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۳)

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

احساس قرض

بعد میں جن لوگوں نے تحریکِ ختمِ نبوت آگے بڑھائی، مولانا غلام غوث ہزارویؒ بھی انہی میں شامل تھے اور تحریک کے اختتام تک گرفتار نہیں ہوئے۔ حکومت اپنے وسائل

سے مولانا کو تلاش کرتی رہی اور ان کی گرفتاری کے لئے دس ہزار روپے انعام بھی مقرر کیا لیکن وہ آزاد قبائل میں رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور کبھی کبھار پنجاب کے اضلاع کا بھی دورہ کرتے تاکہ سول نافرمانی کی رفتار میں کمی نہ ہونے پائے۔

مولانا ان دنوں اکثر دیہاتوں کا پیدل سفر کرتے یا پھر ایسی لاریوں میں سفر کرتے جن میں عام دیہاتی لوگ سوار ہوتے۔ مولانا لباس اور شکل وصورت سے اس پوزیشن کے دکھائی نہیں دیتے تھے جو انہیں ملک میں حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پولیس والے انہیں پہچاننے میں ہمیشہ ناکام رہے۔ اس طرح مولانا غلام غوث ہزاروی کو تحریکِ ختمِ نبوت کا بہت بڑا کریڈٹ جاتا رہا۔ (ماہنامہ تبصرہ جلد ۲۲ ص ۸)

مولوی غلام غوث تم نے میری ناموس کے لئے قربانی دی ہے

1953-54ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں جب سارے مرکزی رہنما اور لیڈر گرفتار ہوئے تو آپ کو مرکزی قیادت کی طرف سے حکم ملا کہ پیچھے رہ کر کام کریں اور گرفتاری نہ دیں۔ مگر جب لاہور کے حالات قابو سے باہر ہو گئے اور تحریک کی طاقت ومقبولیت کے مظاہر سامنے آ گئے تو حکومت نے قوم کے مطالبہ کو ماننے کی بجائے لاہور میں مارشل لاء نافذ کر کے اسے فوج کے حوالے کر دیا۔ فوج نے چارج سنبھال کر یہ معلوم کیا کہ یہ تحریک ایسے پروگرام اور منظّم طریقے سے کون چلا رہا ہے کہ مارشل لاء کے باوجود تحریک رکتی نہیں، بڑھتی ہی جاتی ہے۔ تو فوج کے افسروں کو معلوم ہوا کہ یہ ساری گرماگرمی مولانا ہزارویؒ اور ان کے چند رفقاء کار کے دم خم سے قائم ہے۔ جب تک وہ گرفتار نہ ہوں، تحریک دب نہیں سکتی۔ چنانچہ ان کی گرفتاری کے لئے متعدد جگہوں پر چھاپے مارے۔ مولانا کے رفقاء کار مولانا عبدالستاری نیازی وغیرہ تو گرفتار ہو گئے مگر مولانا ہزارویؒ ان کے ہاتھ نہ لگے۔ چنانچہ فوج نے اعلان کر دیا کہ مولانا ہزارویؒ جہاں ملیں، گولی ماردی جائے اور یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص مولانا ہزارویؒ

کو زندہ یا مردہ گرفتار کرائے گا یا ان کے گرفتاری میں مدد پہنچائے گا، اسے دس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد حالات سخت سے سخت تر ہو گئے مگر اس اللہ تعالیٰ کے بندے کو فوجی زعماء بھی شکست نہ دے سکے۔ میں نے ایک دن ہمت کر کے حضرت مولانا مرحوم سے روپوشی کے حالات دریافت فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات بیان کرتا ہوں جو کسی کو معلوم نہیں اور نہ کسی سے آج تک بیان کی ہے۔ فرمایا، جب میں روپوش تھا، پولیس اور فوج میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ مجھے اس وقت سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اپنی حالت سوچتا تھا کہ اگر گولی سے مارا جاتا ہوں تو یہ بزدلی کی موت ہو گی اور اگر گرفتاری کے لئے ظاہر ہوتا ہوں تو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ پریشانی تین دن تک رہی۔ تیسرے دن مجھے کچھ بین النوم والیتفظہ یعنی کچھ نیند اور کچھ بیداری کی حالت میں حضور خاتم النبیین وسید المرسلین ﷺ کی زیارت مبارکہ نصیب ہوئی۔ آپؐ نے آ کر میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

”مولوی غلام غوث تم نے میری ناموس کے لئے قربانی دی ہے۔ پریشان مت ہو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر رہے گا۔“

جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں زیارتِ نبویؐ سے بشاشت کے ساتھ کامل اطمینان پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد بہت سی تکالیف آئیں مگر قطعاً پریشانی نہیں ہوئی اور اس کے بعد ہی میں پولیس اور فوج کو جل دے کر لاہور سے باہر چلا گیا۔ لاہور میں جب تک رہا، ایسے اوقات بھی آئے کہ فوج اور پولیس والے میری امامت میں نماز پڑھتے رہے لیکن بشارت نبویؐ اور حفاظتِ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ پہچان نہ سکے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے کردار میں تائید الٰہی حاصل تھی اور یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔

(بیس مردانِ حق ص ۶۲۷، ۶۲۸)

نجاتِ آخرت

1974ء کی تحریک ختمِ نبوت اسلام اور مرزائیت کی ایک زبردست ٹکر تھی۔ یہ ٹکراؤ سڑکوں پر بھی ہوا اور میدانوں میں بھی لیکن اس معرکہ حق و باطل کا فیصلہ کن راؤنڈ قومی اسمبلی میں لڑا گیا۔ مرزائیت کی طرف سے قادیانی پیشوا مرزا ناصر وکیل ذلیل بن کر آیا اور اہلِ اسلام کی طرف سے جو شخص سپہ سالار بن کر آیا، وہ صاحبِ مقام محمود ﷺ کی عزت و ناموس وختمِ نبوت کا محافظ مفتی محمودؒ تھے۔ جن کے ایمانی اور حقانی دلائل کے سیلاب کے سامنے مرزا ناصر خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا اور پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دے دیا۔ اس فرزندِ اسلام کی وفات کے بعد ان کے ایک عقیدت مند نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حضرت کیسی گزری؟ آپ نے فرمایا، ساری زندگی قرآن پاک وحدیث شریف کی تبلیغ میں گزری، اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشش و کاوش کی، وہ سب اللہ رَبّ العزت کے ہاں بحمدہ تعالیٰ قبول ہوئیں۔ مگر نجات اس محنت کی وجہ سے ہوئی جو قومی اسمبلی میں مسئلہ ختمِ نبوت کے لئے تھی۔ ختمِ نبوت کی خدمت کے صدقہ اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمادی۔ (ایمان پرور یادیں ص ۴۵)

دشمنانِ پیغمبرؐ کافر قرار پائے

مولانا مفتی محمودؒ صاحب اسمبلی ہاؤس سے باہر نکلے اور سیدھے دفتر مجلس ختمِ نبوت آگئے۔ وہاں مفتی صاحبؒ کا بڑی شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ مفتی صاحبؒ پہنچے تو حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مصلیٰ پر سجدہ ریز تھے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے۔ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی تھی۔ مفتی صاحبؒ تشریف لائے اور انہوں نے آواز دی:

''حضرات! اللہ پاک کا شکر ہے ہمارا مطالبہ مان لیا گیا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔''

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ دوبارہ سجدہ ریز ہو کر شکر بجالائے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے، اللہ پاک! ہم آپ کا شکر کیسے ادا کریں۔ آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ سجدہ سے اٹھتے ہوئے فرمانے لگے:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخرو کیا ہے۔ مرنے کے بعد امیر شریعتؒ سے ملاقات ہوئی تو میں کہہ دوں کہ آپ کے مشن میں تھوڑا سا حصہ ڈال کر آیا ہوں۔ آپ نے ختمِ نبوت کے جس پودے کو پانی دیا تھا، میں اسے پھل لگے ہوئے دیکھ آیا ہوں۔ دوستو! میری بات سن لو۔ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب کو امیر شریعت کا خطاب اس وقت کے پانچ سو اجل علماء نے دیا تھا اور میری خوش قسمتی ہے کہ میرے دستخط دوسرے یا تیسرے نمبر پر موجود ہیں۔ (تحریک کشمیر سے تحریک ختمِ نبوت تک ص ۲۸۹)

محمد عربیؐ کا سلام

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اپنی زندگی میں مجھے یہ بات بیان کرنے سے منع فرما دیا تھا لیکن اب اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مدینہ منورہ میں ایک صاحبِ نسبت بزرگ نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضورِ اقدسؐ کی طرف سے حضرت مفتی صاحبؒ کو ان الفاظ میں پیغامِ بشارت دیا گیا:

قل له من السلام يتقوى بالله ولا يقول الا الحق والله يقول الحق وهو يهدي السبيل.

''میری طرف سے آپ کو سلام کہیں، ہر معاملہ میں اللہ سے قوت و طاقت کے طلب گار ہوں، ہمیشہ حق بات کہیں، اللہ تعالیٰ سچ اور حق کہتا ہے اور وہی صحیح رستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔''

میں نے جب عرض کیا کہ حضرت! سفرنامے میں اس کو شائع کیا جائے، پہلے تو کچھ نہ کہا۔ جب ریاض جانے کے لئے مدینہ منورہ ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے تو ازخود فرمایا کہ اس خواب کو مت لکھو، اس سے خودستائی کا پہلو نکل آئے گا۔

جو محدث ہوگا اسے زیارتِ رسول ؐ نصیب ہوگی

جناب محمد شریف عثمانی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

ایک ساتھی نے حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے سوال کیا، حضرت! کبھی زیارتِ رسول ؐ بھی ہوئی ہے؟ سب کے دل دھڑکنے لگے، مشتاق نگاہوں نے توجہ کی، یوں گویا ہوئے۔ عزیز ساتھیو! ہمارے اکابر کا طریق رہا ہے کہ جس کام یا بات کے اظہار میں ریاکاری کی بو آئے، اس سے اجتناب ضروری ہے، ممکن ہے میرا کچھ کہنا ریاکاری پر محمول ہو۔ پھر کیا تھا، کہرام مچ گیا، دل بے قرار ہو گئے۔ شیخ کے اس اشارے پر ترحمنا یا شیخ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ محدث کبیر نے نگاہِ عاطفت گھمائی، مرکزِ توجہ بن گئی۔ فرمانے لگے، بھائی! آخر ہم بھی تو امام بخاریؒ کے خوشہ چیں ہیں، بھلا وہ بھی کوئی محدث ہے جسے حدیث والے کی زیارت نصیب نہ ہو۔ اس جملہ کا اظہار تھا کہ سب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوئیں، وہ دل و دماغ میں جاگزیں ہو گئے۔ آج تک حضرتؒ کا یہ ایمان افروز جملہ ذہن میں گونج رہا ہے۔ (ترجمان اسلام ص ۳۴۲)

غیرتِ اقبالؒ

صاحب زادہ محمد اللہ شاہ استاد مظاہر العلوم سہارن پور بیان کرتے ہیں کہ:

سید آغا صدر چیف جسٹس ہائیکورٹ نے لاہور کے عمائدین اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی مدعو تھے۔ اتفاق سے اس محفل میں جھوٹے نبی کا جھوٹا خلیفہ حکیم نور الدین بھی بلا دعوت آ ٹپکا۔ جب عاشق رسولؐ علامہ اقبالؒ کی نظر اس کذاب کے منحوس چہرہ پر پڑی تو غیرتِ ایمانی سے علامہ اقبالؒ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ماتھے پر شکن چڑھ گئی۔ فوراً اٹھے اور میز بان کو مخاطب کر کے کہا۔ آغا صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ باغی ختمِ نبوت اور دشمن رسالت مآب ﷺ کو بھی مدعو کیا ہے اور مجھے بھی اور کہا، میں جاتا ہوں، میں ایسی محفل میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ حکیم نور الدین چور کی طرح فوراً حالات بھانپ گیا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ اس کے بعد میز بان نے علامہ اقبالؒ سے معذرت کی اور کہا، میں نے اسے کب بلایا تھا یہ تو خود ہی گھس آیا تھا۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۱)

زندگی

مجاہد ملت مرد غازی مولانا عبدالستار خان نیازی کو 1953ء کی تحریک ختمِ نبوت میں پروانہ شمع ختمِ نبوت ہونے کے جرم میں سزائے موت کا حکم دیا۔ جیل میں اور پھر موت کی سزا سن کر مولانا نے جس جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا، وہ عشق رسالتؐ کا ایک روشن باب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"جب تحریک ختمِ نبوت کے مقدمہ کے بعد میری رہائی ہوئی تو پریس والوں نے میری عمر پوچھی۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموس مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی خاطر

پھانسی کی کوٹھڑی میں گزار دی ہیں کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی۔ مجھے اپنی اس زندگی پر ناز ہے۔'' (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۱)

ایک بہن کا مکتوب بھائی کے نام

معروف احراری لیڈر اور مجاہد ختمِ نبوت مظفر علی شمسیؒ 1953ء کی تحریک ختمِ نبوت میں دیگر رہنماؤں کے ساتھ گرفتار ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابرین کے ساتھ سکھر جیل کی ایک کوٹھڑی میں انہیں بند کر دیا گیا۔ عید الفطر کا دن تھا، مظفر علی شمسی کی شدید بیمار بہن کا خط بھائی کو جیل میں اسی روز ملتا ہے جسے پڑھ کر آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔

''میرے بھیا! اس امتحان میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ اب قریب المرگ ہوں۔ بخار دامن نہیں چھوڑتا، ایک سو چار درجہ حرارت سے گرتا نہیں، کھانسی زوروں پر ہے۔ محبوب بھائی ڈاکٹر کو لائے تھے۔ ایکسرے میں ٹی بی کی ابتدائی منزل ہے۔ ماں باپ نے مجھے آپ کے سپرد کیا تھا اور اب موت مجھے لئے جا رہی ہے۔ کاش کہ میرے آخری وقت آپ میرے پاس ہوتے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے نام پر جو مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقلال بخشے اور قیامت کے دن آپ کی قربانی ہمیں دربارِ رسالتؐ میں سرخرو کرے، آپ بہادری سے قید کاٹیں۔ اگر زندہ رہی تو مل لوں گی ورنہ میری قبر پر تو آپ ضرور آئیں گے۔ سب بچے سلام کہتے ہیں، اب ہاتھ میں طاقت نہیں لہٰذا خط ختم کرتی ہوں۔ بھیا سلام آپ کی بہن۔

اس خط سے میرے دل میں ایک ہوک اٹھی، شاہ صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے۔ سب نے عزیزہ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اس خط کا مطلب وہی سمجھ سکتا ہے جو وطن سے دور ہو

اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہو۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۵)

ناموسِ پیغمبر کی خاطر بھٹو کے سامنے جھولی پھیلا دی

جب 1974ء کی تحریک ختمِ نبوت چلی، اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم تھے۔ دورانِ تحریک آغا شورش کاشمیریؒ اپنے پیارے دوست مولانا تاج محمودؒ کے ساتھ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملے۔ اس ملاقات کی روداد ہفت روزہ ''چٹان'' 29 اکتوبر 1979ء میں موجود ہے جو مسٹر بھٹو کی بیان کردہ ہے۔ اس روداد کی تلخیص یوں ہے۔ مسٹر بھٹو کہتے ہیں۔ شورش اپنے دوست مولانا تاج محمودؒ کے ساتھ میرے پاس آئے۔ شورش نے چار گھنٹے تک مسئلہ ختمِ نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد و عزائم پر گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو شورش نے ایک عجیب حرکت کی۔ شورش نے باتوں کے دوران انتہائی جذباتی ہو کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا:

> ''بھٹو صاحب! ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہو گی۔ ہم اپنے نبی ﷺ کے تاج و تختِ ختمِ نبوت کی حفاظت نہ کر سکے۔ پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا۔ بھٹو صاحب! میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبیؐ کی ختم المرسلینی کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا تعالیٰ کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔ خدا کے لئے محبوبِ خدا ﷺ کی ختمِ نبوت کی حفاظت کر دیجئے۔ اسے میری جھولی نہ سمجھئے بلکہ فاطمہؓ بنت محمدؐ کی جھولی سمجھ لیجئے۔''

اب اس سے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک

جھرجھری سی آ گئی.......... میں نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۵)

آرزوئے شہادت

مولانا سیّد امین گیلانی لکھتے ہیں کہ:

جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، تحریک ختمِ نبوت 1953ء اپنے جوبن پر تھی۔ پولیس مجھے اور میرے بہت سے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسیرانِ ختمِ نبوت بس میں نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے تو ملٹری نے بس روک لی اور سب انسپکٹر کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ ایک ملٹری آفیسر نے اس سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب و جلال سے گرجا، تمہیں معلوم نہیں نعرے لگانے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے، کون نعرے لگاتا تھا؟ اس اچانک صورتحال سے سب پر ایک سکوت سا طاری ہوگیا۔ معاً میرا ہاشمی خون کھول اٹھا۔ میں نے تن کر کہا ''میں لگاتا تھا۔'' اس نے بندوق میرے سینے پر تان کر کہا، اچھا اب نعرہ لگاؤ۔ میں نے پرجوش آواز میں نعرہ لگایا ''میرا کملی والاؐ'' سب نے باآواز بلند جواب دیا۔ ''زندہ باد'' اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی، منہ پھیر کر کہا، ''ہاں وہ تو زندہ باد ہی ہے۔'' اور بس سے اتر گیا۔ ایسا معلوم ہوا جنت جھلک دکھا کر اوجھل ہوگئی۔ پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا۔ اس نے بس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ چند منٹوں کے بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۶)

پھولوں کی بارش

عظیم مجاہد ختمِ نبوت اور بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا سید شمس الدین کو

.قادیانیوں نے ایک بھیانک سازش کے تحت شہید کروایا۔ اس شہید مصطفیٰؐ کے جسم اطہر سے بہنے والا خون جن افراد کے ہاتھوں کو لگ گیا، ان کے ہاتھوں سے کئی دن خوشبو آتی رہی اور جب انہیں دفن کر دیا گیا تو یکا یک آسمان سے پھول برسنے لگے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید قریبی باغ سے ہوا کے ساتھ بادام کے درختوں کے پھول اڑ کر آ رہے ہیں لیکن جب ان پھولوں کا موازنہ کیا گیا تو قطعی مختلف تھے۔ لوگوں نے اسے شہید کی کرامت قرار دیا۔

(ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۶)

دل مصطفیٰ ﷺ

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل خان عہدِ حاضر میں عہدِ رفتہ کے مسلمانوں کی درخشاں روایات کے امین ہیں۔ اس دور میں اگر کسی نے میدانِ خطابت کے شہسوار اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کی جھلک دیکھنی ہو تو وہ مولانا کی خطابت کی جولانی، روانی، طغیانی، شعلہ بیانی اور گل فشانی کو دیکھے۔ مولانا کی تقریر کا ہر ہر جملہ وادی دل کے لئے باد بہار کا ٹھنڈا جھونکا ہوتا ہے جس کی خوشبو سے قلب و دماغ معطر ہو جاتے ہیں۔ دینِ محمدیؐ کے اس سپاہی اور فدائی کا عشق خاتم النبیینؐ میں ڈوبا ہوا ایک ایمان پرور واقعہ ہدیہ قارئین ہے۔

ربوہ میں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس سے چند روز قبل آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ کمزوری اور نقاہت سے اٹھا نہ جاتا تھا۔ احباب نے کانفرنس میں جانے سے روکا لیکن آپ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔ جان جاتی ہے تو جائے، میں بالضرور جاؤں گا۔ کانفرنس میں سٹیج پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھے بیماری نے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، دوستوں نے کہا نہ جاؤ لیکن مجھے فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ یاد آ گئے۔ شدید بیماری میں شاہ

صاحب ڈابھیل سے بہاولپور محمد ﷺ کی ختمِ نبوت کے وکیل بن کر آئے تھے۔ میں بھی کانفرنس میں لاہور سے ''ربوہ'' اپنے آقا و مولاؐ کی ختمِ نبوت کا وکیل بن کر آیا ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا تھا، میرے نامہ اعمال میں کچھ نہیں، میں محمد ﷺ کو اپنا شفیع بنانے کے لئے بہاولپور آیا ہوں۔ میرے بھی دفترِ اعمال میں کچھ نہیں، میں بھی شفاعتِ محمدیؐ حاصل کرنے کے لئے ربوہ صدیق آباد آیا ہوں۔ پھر فرمایا، گھر سے چلا تو میرے بیمار دل نے میرے قدم روکے لیکن اچانک مجھے گنبدِ حضریٰ میں تڑپتا ہوا دلِ مصطفیٰؐ یاد آیا۔ میں نے کہا، میرے دل دھڑکے یا نہ دھڑکے لیکن میرے آقاؐ کا دل نہ تڑپے۔ میرے کروڑوں دل و جان مصطفیٰ ﷺ پر قربان۔ (ناموسِ محمدؐ کے پاسبان ۱۹۹)

عظیم وظیفہ

ایک ہستی جس نے ہمیشہ مجاہدینِ ختمِ نبوت کے سروں پر اپنا دستِ شفقت رکھا، جس نے راتوں کو سجدوں سر رکھ کر اور گریہ وزاری کر کے کارکنانِ ختمِ نبوت کی کامیابی و کامرانی کے لئے دعائیں کیں، جس کی ہر مجلس میں ختمِ نبوت کا ذکر ہوتا اور وہ اپنے ہزاروں مریدوں کو قادیانیت سے برسرِ پیکار ہونے کا حکم دیتا۔ اس کی سوچ تحفظِ ختمِ نبوت پر نثار اور اس کا سراپا قادیانیت کے لئے للکار۔ اس محافظِ ختمِ نبوت کا اسم گرامی شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہے۔ عشق رسالت مآب ﷺ کی خوشبو میں رچا بسا ان کا درج ذیل واقعہ پڑھیے اور تحفظِ ختمِ نبوت کے کام کی اہمیت و افادیت دیکھ کر قادیانیت کے خلاف میدانِ جہاد میں کود جایئے۔

مولانا لال حسین اخترؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور حضرت سے کوئی وظیفہ پوچھا۔ فرمایا، ختمِ نبوت کا

مسئلہ بیان کرتے رہو، یہی وظیفہ ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں پھر حاضر خدمت ہوا اور حضرت سے پھر درخواست کی کہ مجھے کوئی وظیفہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا، ختم نبوت کا کام کرتے رہو، ختم نبوت کی حفاظت سب سے بڑا وظیفہ ہے۔ (ہفت روزہ ختم نبوت ۱۹۸۵ء)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا دورہ بہاول پور

اگر یوں کہہ دیا جائے کہ:

ارالعلوم دیو بند کا کتب خانہ، ہندوستان کے کتب خانے، مدینہ منورہ کا کتب خانہ، مکہ مکرمہ کا کتب خانہ اور مصر، ترکی اور لبنان کے کتب خانے جس شخصیت کے دماغ میں محفوظ تھے وہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ یہ میں مبالغے سے نہیں کہتا۔ میں شیخ ہیں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ، ان سے ہم حدیث شریف پڑھا کرتے تھے تو وہ اپنے شیخؒ کی باتیں بہت سناتے تھے اور شیخ، شیخ ہی بولتے تھے۔ ہمیشہ میرے شیخ اور جب میرے شیخ کا لفظ زبان پر آتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ ہم نے دو سال میں کبھی شیخ بنوریؒ کو اس طرح نہیں دیکھا کہ انور شاہ کشمیریؒ کا نام لیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو نہ ٹپکیں۔ فرماتے تھے کہ میرے شیخ نے مجھ سے خود کہا کہ فتح القدیر میں نے رمضان کے سترہ دنوں میں دیکھی ہے تو سترہ دن میں ''فتح القدیر'' کو پڑھا اور دیکھا اور اس پر اب قریب قریب ستر سال گزر گئے ہیں اور اگر مجھے ''فتح القدیر'' کا کوئی حوالہ دینا ہو کہ اس کی چار جلدوں میں سے کس جلد کے کس صفحے پر یہ الفاظ لکھے ہیں تو میں بتا سکتا ہوں اور الحمد اللہ یوں ہوگا کہ میں یوں کہہ دوں کہ یہ صفحہ ۴۵۰ پر ہے تو اس کی ایک سطر پچاس پر ہو اور آدھی سطر صفحہ ۵۱ پر آ جائے، اتنا تو ہو سکتا ہے ورنہ میرا حافظہ یہ ہے کہ جس صفحہ کا نام لے دوں، وہ عبارت اسی صفحے پر ہوتی ہے۔.......... اتنا بڑا افاضل.......... تو شاہ صاحبؒ کا اپنا واقعہ ہماری کتابوں

یں ہے کہ بہاولپور کے ایک بزرگ تھے، مفتی صادق ؒ، بلا کے عالم دین تھے۔ حضرت تھانویؒ کو تو آپ جانتے ہی ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایک کتاب میں مسائل لکھے ہیں۔ پہلے حضرت نے ایک مسئلہ لکھا، اس کے بعد یہ لکھا کہ یہ یوں نہیں ہے بلکہ یہ اس طرح ہے، یعنی کسی عمل کو انہوں نے لکھ دیا۔ سنت موکدہ ہے تو بعد میں معلوم ہوا کہ غیر موکدہ ہے تو مفتی محمد صادق صاحبؒ۔ کے حوالے سے تین مسئلے انہوں نے کتاب میں تصحیح کئے ہیں کہ بہاول پور کے اس عالم دین کے خط کے ذریعہ متنبہ کرنے سے میں اس مسئلے سے رجوع کرتا ہوں۔ وہ اتنے بڑے فاضل تھے۔ انہوں نے چار ورق خط لکھا حضرت کشمیریؒ کو کہ ہمارے ہاں قادیانیت کا فتنہ ہے۔ بچی مسلمان ہے، شوہر قادیانی ہو گیا ہے، کیس عدالت میں ہے اور آپ ہماری مدد کریں۔ یہ خط انور شاہ کشمیرؒ نے پڑھا تو حج کے لئے تیار تھے۔ اب ایک بندے نے حج کا ارادہ کر رکھا ہے، سامان تیار ہے، رفقاء تیار ہیں، وفد تیار۔ خط پڑھنے کے بعد پانچ چھ منٹ خط کو دیکھا، خط بند کیا تو حاضرین سے کہنے لگے کہ آپ حج پر جائیں، میں تو حج پر نہیں جا سکتا۔ رفقاء نے کہا کہ حضرت آپ کی رفاقت کی بناء پر تو ہم تیار ہوئے ہیں کہ آپ کے ساتھ ہمارا حج ہو جائے گا، ہم تو تیار ہی آپ کی خاطر ہوئے تھے۔ فرمانے لگے کہ بہاول پور کے ایک عالم دین کا خط آیا ہے، ایک مسلمان بچی کے تنسیخ نکاح کا مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ارتداد و کفر کا مسئلہ ہے اور ختمِ نبوت کے اعتقاد کا مسئلہ ہے۔ تو خط کھول کر یوں بند کرنے کے وقت، میں نے پچھلی زندگی کے اعمال پر سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھ لے کہ کون سا عمل لائے ہو، پچھلی زندگی میں کوئی عمل رکھتے ہو تو پیش کرو؟ تو سوچنے کے بعد میرے دماغ میں کوئی ایسا عمل تازہ نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر سکوں۔ حج چھوڑتا ہوں، میں اب واپس جاؤں گا اور بہاول پور کیس کے سلسلہ میں سفر کروں گا تا کہ قیامت کے حضور ﷺ کے منصب ختمِ نبوت کے تحفظ کرنے والوں

میں شمار کیا جاؤں اور سمجھا جاؤں اور اس عمل کے صدقے میں میری بخشش ہو جائے اور اس کے ساتھ فرمانے لگے کہ دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جا تو رہا ہوں حج کے لئے اور آگے سفر کروں گا مدینہ منورہ کا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی چاہیئے، حضورؐ کی شفاعت بھی چاہیئے۔ فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اگر حضورؐ پوچھ لیں کہ ضرورت وہاں تھی، آ یہاں گیا۔ ضرورت تو تیری بہاول پور میں تھی اور تو یہاں آ گیا تو میرے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہوگا۔ میں حضورؐ کے مقام ختم نبوت اور منصب ختم نبوت کی حفاظت کے لئے بہاول پور جاؤں گا۔ (ماہنامہ لولاک/ ملتان جنوری ۱۹۹۹ء)

ممکن نہیں کہ موت ہمیں دے سکے شکست

1953ء میں جب تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو والد ماجدؒ کو مسجد وزیر خان میں تقریر کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی اور دوسرے زعماء بھی مسجد وزیر خان میں ان کے ہمراہ تھے۔ والد ماجد کو گرفتار کرنے کے بعد شاہی قلعے لے جایا گیا۔ ان پر بغاوت، آتش زنی اور اس نوع کے خدا جانے کیا کیا الزامات تھے۔ ہمیں تین ماہ تک والد ماجدؒ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں یا انہیں مار دیا گیا ہے۔ تین ماہ بعد جب انہیں عدالت میں پیش کیا گیا اور انہیں سزا سنائی گئی تو ہمیں ان کی زندگی کی اطلاع ہوئی۔

شاہی قلعے میں والد ماجدؒ کو ایک کرسی پر بٹھا کر ان کے سر پر تیز بلب روشن کر دیا گیا تا کہ وہ ساری رات سو نہ سکیں۔ جب والد ماجدؒ کو اونگھ آتی تو ان کے پیچھے کھڑا سنگین بردار سپاہی سنگین کی نوک انہیں چبھوتا اور کہتا، مولانا جاگتے رہیں۔ یہ لوگ والد ماجدؒ سے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خلاف بیان لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ والد ماجدؒ

سے یہ بیان دینے کے لئے کہا گیا کہ انہوں نے تحریک میں حصہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اکسانے پر لیا تھا۔

والد ماجدؒ نے اس کے جواب میں کہا، مجھے شاہ صاحبؒ نے کب اکسانا تھا، انہوں نے تو خود ختمِ نبوت کا درس میرے خاندان سے لیا ہے۔ والد ماجدؒ نے یہ بات یوں کہی کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ کی طرح میرے دادا مفتی اعظم امرتسر مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے شاگرد خاص تھے۔ اس پر ڈیوٹی پر متعین فوجی افسر نے جھنجھلا کر والد ماجدؒ کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور کہا، مولانا! آپ اپنے گھر کا ایڈریس لکھوا دیجئے تا کہ آپ کی میت آپ کے ورثاء کے سپرد کی جاسکے۔ اس پر والد ماجد کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری جو طلوع سحر سے کم خوبصورت نہ تھی اور انہوں نے کہا، آپ مجھے موت سے ڈراتے ہیں حالانکہ آپ میری زندگی کا ایک لمحہ بھی کم یا زیادہ نہیں کر سکتے۔

(گنجِ فرشتے/ص ۲۲۰ تا ۲۲۳ عطاء الحق قاسمی)

ممکن نہیں کہ موت ہمیں دے سکے شکست
ہم نے تو زندگی کو دکھائے ہیں راستے

ہتھکڑیاں توڑ دیں

حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب گیلانی امیر جمعیت علماء اسلام پنجاب اس تحریک میں گرفتار ہوئے۔ آپ کی جوانی کا عالم تھا۔ آل رسولؐ، مجاہد فی سبیل اللہ اور عالم دین تھے۔ ان کو ہتھکڑی لگائی گئی۔ جلال میں آ کر ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا، بازوؤں کو جھٹکا دیا تو ہتھکڑی ٹوٹ گئی۔ ہتھکڑی بدلی تو پھر اسی طرح ہوا۔ بالآخر پولیس والے قدموں میں گر گئے اور بغیر ہتھکڑی کے آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ (تحریک ختمِ نبوت ۱۹۷۴ء/ص ۷)

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ناموسِ رسالتؐ کے لئے موت بھی قبول ہے

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحیٰی صاحب لدھیانوی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہم سبق ساتھی تھے۔ 1894ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے، لدھیانہ میں ہی تحصیل علم کے علاوہ ساری زندگی گزاری۔ تحریک احرار وختمِ نبوت میں حصہ لیا، جیل بھی گئے۔ آزادی ہند کے بعد پاکستان تشریف لائے، ٹوبہ ٹیک سنگھ مسکن تھا۔ 1953ء میں جب تحریک ختمِ نبوت چلی تو مارچ کے مہینہ میں ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لائل پور (فیصل آباد) گرفتاری دینے کے لئے جب گھر سے چلے تو ایک بہت بڑے جلوس نے انہیں گھر سے ریلوے اسٹیشن تک رخصت کیا۔ فیصل آباد میں تشریف لائے، یہاں پر جلوس کی قیادت کی۔ ڈپٹی کمشنر نے جلوس کے آگے لائن لگا دی کہ اگر اس سے آگے گزرے تو گولی چلا دی جائے گی۔ مولانا محمد یحیٰی صاحب نے جان کی پروانہ کرتے ہوئے لائن کراس کر لی۔ مولانا کی اس بہادری اور جانفشانی کو دیکھ کر موقع پر موجود مجسٹریٹ نے جس کا نام قاضی سعید تھا، استعفادے دیا۔ اس نے کہا کہ ختمِ نبوت کی حفاظت کے لئے علماء جان دے رہے ہیں اور ہم ان کو قتل کر دیں۔ یہ میرے جذبہ ایمانی کے خلاف ہے۔ مولانا محمد یحیٰی کو گرفتار کر لیا گیا، تقریباً چھ ماہ نظر بند رہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتویٰ تکفیر)

(بحوالہ شاہراہ عشق کے مسافر ۱۷۰)

تحفظ ناموسِ رسالتؐ کے لئے سب کچھ قربان

ایک دن مولانا ابوالحسنات نے تحریکِ ختمِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

شاہ جی لوگ بھی عجیب ہیں۔ ایسی ایسی غزلیں کہتے ہیں کہ جن کا نہ مطلع درست ہے نہ مقطع۔ ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا، حضرت! یہ درست ہے کہ عطاء اللہ شاہ نے حکومت سے روپیہ لے کر تحریکِ ختمِ نبوت کو ختم کیا ہے؟ تو میں نے غصے میں اس سے کہا، بے وقوف! تیرے جیسے لوگوں نے تو مجھے ان نیک لوگوں سے برگشتہ کیا ہوا تھا۔ جب میں ان کے نزدیک ہوا تو انہیں دین کی خدمت کرنے میں مخلص پایا۔ باقی رہی تحریکِ ختمِ نبوت، تو وہ میری رہنمائی میں چل رہی تھی اگر کوئی بات ہوتی تو میرے علم میں ہوتی۔ رہی روپیہ لینے والی بات تو مجھے یاد ہے ایک دفعہ سکھر جیل میں شاہ جی کا داماد (سید وکیل احمد شاہ) میرے سامنے انہیں ملنے آیا اور اس نے گھر کی پریشان حالی کا ذکر کیا تو شاہ نے حاجی دین محمد صاحب کی طرف رقعہ لکھا کہ رقعہ حامل ہٰذا کو دوصد روپیہ قرض دے دیں، انشاء اللہ رہا ہو کر آپ کو ادا کر دوں گا۔ ان واقعات کی موجودگی میں، میں تمہاری بات پر کیسے یقین کرلوں۔ اس پر معترض بہت شرمسار ہوا۔ مولانا ابوالحسنات کی زبانی یہ سارا کچھ سن کر امیر شریعتؒ نے ایک آہ بھری اور فرمایا:

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اس شعر پر مولانا ابوالحسنات نے مسکراتے ہوئے کہا، سبحان اللہ! کیا تعریف ہوئی ہے ہماری۔ اس پر محفل کے تمام لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔

(حیات امیر شریعت ص ۴۱۴،۱۴۳)

خاتم الانبیاءؐ کی آبرو کے لئے

مولانا ابوالحسنات کی امامت میں اسیران ختمِ نبوت نے جیل خانہ میں صبح کی پہلی نماز ادا کی اور پروردگارِ عالم کے حضور دعا کی:

''اے رَبّ العزت! ہمارا کوئی جرم اس کے سوانہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی آبرو باقی رہے، ہم رہیں یا نہ رہیں۔ مگر تیرے دنیادار لوگوں نے ایوان سلطنت میں بیٹھ کر ہماری فردِ جرم پر ہمارے باغی ہونے کی مہر ثبت کی ہے۔ مگر تو دلوں کو جاننے والا ہے کہ ہماری لڑائی اپنی ذات، اپنے کسی منصب کے لئے نہیں بلکہ تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہے کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔**''

رہنماؤں کی آنکھوں میں آنسو، دلوں میں جذبات کا طوفان اٹھ آیا۔ امیر شریعت کی داڑھی پر گرے ہوئے آنسو پھولوں پر شبنم کی بہاریں دکھا رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل خان عنایت اللہ خان حیدر آبادی نے امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء سے کہا۔ آپ حضرات جن کوٹھڑیوں میں لائے گئے ہیں، یہ وہی خوش بخت کوٹھڑیاں ہیں کہ جہاں 1921ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو بغاوت کے جرم میں رہ چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ انگریزی اقتدار اور جور وستم کی ساری تاریخ نقش بہ دیوار بن کر ابھر آئی۔ جیل خانے کی ایک ایک اینٹ پس دیوار زنداں کی کہانی بیان کرنے لگی۔ امیر شریعت نے جیل خانے کے در و دیوار سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے اونچی دیوارو! آہنی دروازو! تم گواہ رہنا کہ اگر مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء وطن عزیز کی آزادی کے لئے

1921ء میں تمہارے مصائب جھیل سکتے ہیں تو 1953ء میں عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس کے ساتھی بھی خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آبرو کے لئے تمہارے مصائب و آلام سے خائف نہیں ہوں گے۔''

(دفاعِ ختمِ نبوت)

حضرت لاہوریؒ کی مسئلہ ختمِ نبوت سے محبت

انہی دنوں سرگودھا میں بھی ختمِ نبوت کانفرنس تھی۔ حضرت نے بھی شرکت کا وعدہ فرمایا تھا مگر حضرت صاحب فراش ہو گئے۔ ادھر کانفرنس شروع ہو گئی۔ ہم مایوس تھے کہ حضرت شرکت نہ فرما سکیں گے مگر دیکھتے ہی دیکھتے کار پر تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ اگر میں اس سے زیادہ بھی بیمار ہوتا تو سیکنڈ کلاس کی سیٹ ریزرو کرا کے لیٹ کر آتا اور آ کر سٹیج پر لیٹ رہتا تا کہ میری حاضری شمار کی جائے۔ یہ آنحضور ﷺ کی ختمِ نبوت کا مسئلہ ہے، آنحضورؐ کی ناموس کا سوال ہے، میں کسی حال میں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ (دو بزرگ ص ۲۵، ۲۶)

شاید کوئی آ نکلے خوشبو کی تمنا میں
صحرائے محبت میں کچھ پھول کھلا جاؤں

گنبدِ خضریٰ کا ادب

ہندوستان میں بعض لوگ سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفے میں لا دیتا تو اسکے پہننے سے اجتناب و گریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرورِ کائنات، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے گنبد

حضرا کا رنگ سبز ہے۔ پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

صاحب مدینہ کی محبت

حضرت نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے پابرہنہ چلتے رہے۔ آپؒ کے دل اور ضمیر نے اجازت نہ دی کہ دیارِ حبیبؐ میں جوتا پہن کر چلیں. حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگریزے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی، جناب مولانا حکیم منصور علی خان حیدر آبادی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، جو اس سفر میں حجۃ الاسلام کے رفیق سفر تھے کہ مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب تاریکی میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے۔ حکیم صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا جہاں روضۂ پاک صاحب لولاک نظر آتا تھا، فوراً جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبالیں اور پابرہنہ چلنا شروع کر دیا۔

(سوانح قاسمی ۶۱/بیس بڑے مسلمان ۱۳۶)

شاہ عبدالرحیم رائے پوری کا عشقِ رسولؐ

مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نکاح بیوہ گان کے سلسلہ بہت کوشش کرتے تھے۔ خود اپنا نکاح بیوہ سے کیا۔ صاحبزادہ عبدالرشید کا انتقال ہو گیا تو بہو کو سمجھایا کہ دوسرا نکاح ضرور کرنا چاہئے۔ پھر عبدالرشید کے خسر کے پاس گئے اور اس کو بھی سمجھایا۔ عبدالرشید کا نام آنے پر وہ رونے لگے تو فرمایا۔ حاجی عبدالعزیز! رونے کا قام ہے یا ہنسنے کا کہ آج خدا تعالیٰ نے وہ دن نصیف فرمایا ہے کہ اس کے محبوب کی مردہ سنت ہم ناکارہ گنہگاروں کے

ہاتھوں زندہ ہو۔ یہ سخی کی نچھاور کا وقت ہے کہ اتفاق سے میسر آ گیا ہے، پس لوٹ لو جتنا لوٹنا ہے۔ نہ ہوتا عبدالرشید پیدا یا نکاح سے قبل ہی مر جاتا تو ہم کیا کرتے اور کیونکر یہ نعمت پاتے۔ بہو کا دوسرا نکاح ہوا اور خود بھی اس میں شریک ہوئے حالانکہ اپنے بیٹے عبدالرشید کے نکاح میں شریک نہیں ہوئے تھے، دوسرے احباب کو بھیج دیا تھا۔

(تاریخ مشائخ ہند/بیس بڑے مسلمان ۶۰۵)

ایک تیر کا ثواب

عموریہ کے محاصرے کے دوران ایک شخص دیوار پر کھڑا ہو کر.........العیاذ باللہ.........نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر تکلیف کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ ہر مجاہد کی خواہش تھی کہ اس منحوس کے ہلاک کرنے کی سعادت اس کے حصے میں آئے لیکن وہ تیروں اور حملوں کی زَد سے محفوظ ایسی جگہ کھڑا ہوتا جہاں سے اس کی آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ یعقوب بن جعفر نامی ایک شخص لشکرِ اسلام میں ایک بہترین تیرانداز تھا۔ اس ملعون نے جب ایک بار دیوار پر چڑھ کر شانِ رسالتؐ میں گستاخی کے لئے منہ کھولا، یعقوب گھات میں تھا۔ تیر پھینکا جو سیدھا جا کر اس کے سینہ سے پار ہوا، وہ گر کر ہلاک ہوا تو فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔ یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کا واقعہ تھا۔ معتصم نے اس تیرانداز مجاہد کو بلایا اور کہا۔ ''آپ اپنے اس تیر کا ثواب مجھے فروخت کر دیجئے۔'' مجاہد نے کہا، ثواب بیچا نہیں جاتا۔ کہا، میں آپ کو ترغیب دیتا ہوں اور ایک لاکھ درہم اسے دیئے۔ مجاہد نے انکار کیا۔ خلیفہ نے پانچ لاکھ درہم اسے دیئے تب وہ جانباز مجاہد کہنے لگا:

''مجھے ساری دنیا دے دی جائے تو بھی اس کے عوض اس تیر کا ثواب

فروخت نہیں کروں گا البتہ اس کا آدھا ثواب بغیر کسی عوض کے میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔"

معتصم اس قدر خوش ہوا گویا اسے ایک جہاں مل گیا ہو۔ معتصم نے پھر پوچھا، آپ نے تیراندازی کہاں سیکھی ہے؟ فرمایا، بصرہ میں واقع اپنے گھر میں۔ معتصم نے کہا، وہ گھر مجھے فروخت کر دیں۔ کہنے لگا، وہ رمی اور تیراندازی سیکھنے والے مجاہدین کے لئے وقف ہے (اس لئے اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا) معتصم نے اس جانباز مجاہد کو ایک لاکھ درہم انعام میں دیئے۔ (تعلیقات رسالۃ المسترشدین للشیخ عبدالفتاح أبی غدۃ ص ۲۳۹)

اگر حضورؐ کی اُلفت کو چھوڑ دوں

اختر شیرانی اردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ لاہور کے عرب ہوٹل میں ایک دفعہ کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے۔ اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا حتیٰ کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ادھر "انا" کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ جانے کیا سوال زیر بحث تھا۔ فرمایا:

"مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ہر اعتبار سے جینئس بھی ہیں اور کامل الفن بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسداللہ خان غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد............"

شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہم عصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھے، اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے 'فیض' کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے۔ "جوش" کے متعلق پوچھا، کہا، وہ ناظم ہے۔ "سردار جعفری" کا نام لیا، مسکرائے۔ "فراق" کا ذکر چھیڑا، ہوں ہاں کر کے چپ ہو گئے۔ "ساحر لدھیانوی" کی

بات، سامنے بیٹھا تھا، فرمایا مشق کرنے دو۔ ’’ظہیر کاشمیری‘‘ کے بارے میں کہا، نام سنا ہے۔ احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا، میرا شاگرد ہے۔ نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں تو بحث کا رخ پھیر دیا۔ حضرت! فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہو رہی تھی، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا لیکن چونک کر فرمایا، کیا بکتے ہو؟ ادب وانشاء، یا شعر وشاعری کی بات کرو۔ کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا، ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے۔ فرمایا، اچھی، پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں۔ یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا کہ رائے دیتے پھریں۔

اس لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا، آپ کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اللہ اللہ.......... ایک شرابی.......... جیسے کوئی برق تڑپی ہو۔ بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ بدبخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے، ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا، گھگھی بندھ گئی۔ ایسی حالت میں تم نے یہ نام کیوں لیا؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب ’’باخدا دیوانہ باش، وبا محمدؐ ہوشیار‘‘ اس شریر سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبثِ باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر وغضب کی تصویر ہو گئے۔ اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے بات کو موڑنا چاہا مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہے، کہتے تھے:

’’یہ لوگ اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں۔‘‘

(مجھے ہے حکمِ اذان ص ۱۷/۱۸)

نامِ محمدؐ کا ادب

بادشاہ ناصر الدین محمود کے ایک خاص مصاحب کا نام ''محمد'' تھا۔ بادشاہ اسے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے خلافِ معمول اسے ''تاج الدین'' کہہ کر آواز دی۔ وہ تعمیلِ حکم میں حاضر تو ہو گیا لیکن بعد میں گھر جا کر تین دن تک نہیں آیا۔ بادشاہ نے بلاوا بھیجا، تین روز تک غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔ آپ ہمیشہ مجھے ''محمد'' کے نام سے پکارا کرتے ہیں لیکن اس دن آپ نے ''تاج الدین'' کہہ کر پکارا، میں سمجھا کہ آپ کے دل میں میرے متعلق کوئی خلش پیدا ہو گئی ہے، اس لئے تین دن حاضر خدمت نہیں ہوا۔ ناصر الدین نے کہا، واللہ! میرے دل میں آپ کے متعلق کوئی خلش نہیں، ''تاج الدین'' کے نام سے تو میں نے اس لئے پکارا تھا کہ اس وقت میرا وضو نہیں تھا اور مجھے ''محمد'' کا مقدس نام بغیر وضو کے لینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔ (تاریخ فرشتہ ج۱، ص۲۷۶)

ہوں گی اے لفظِ محبت! تیری تعبیریں بہت

ایک روز حکیم احمد شجاع علامہ اقبال کے مکان پر پہنچے تو علامہ اقبال کو بہت زیادہ فکر مند، مغموم اور بے چین پایا۔ حکیم صاحب نے گھبرا کر دریافت کیا، خیر تو ہے؟ آپ آج خلافِ معمول بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آتے ہیں۔ علامہ نے خاص انداز میں نظریں اوپر اٹھائیں اور غم انگیز لہجے میں فرمایا:

''احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے۔''

(روزگار فقیر از فقیر وحید الدین ج ۲/ص ۳۲۸)

مردِ دانا پر کلامِ نازک کا اثر

مرزا بیدل ہندوستان کے بڑے مشہور نعت گو فارسی شاعر گزرے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہندوستان کی علمی اور قومی زبان فارسی تھی۔ ان کے نعتیہ کلام کا چرچا ایران میں بھی پہنچا۔ کلام پسند آئے تو صاحبِ کلام کو دیکھنے کا شوق دل میں ابھرتا ہے۔ ان کے کلام سے متاثر ہو کر ایک شخص ایران سے ہندوستان بیدل صاحب سے ملنے آیا۔ ملاقات ہوئی، معلوم نہیں ذہن میں اس نے نعتیہ کلام پڑھ کر بیدل کا کیسا خیالی خاکہ بنایا ہوگا لیکن مرزا بیدل کو جب دیکھا کہ وہ داڑھی منڈواتے ہیں تو حیرت سے پوچھا۔ آپ داڑھی منڈواتے ہیں؟ بیدل نے کہا، جی ہاں داڑھی تو منڈواتا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا۔ ارے تو رسول اللہ ﷺ کا دل دکھاتا ہے، ایرانی مسافر نے برجستہ کہا۔ ان کے اس جملے کا بیدل پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے آئندہ داڑھی منڈوانا چھوڑ دیا۔

حضرت خلیل احمد سہارن پوریؒ اور اتباعِ سنت

حضرت سہارن پوریؒ نور اللہ مرقدہٗ کے حالات میں تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ:

منیٰ کے قیام میں کھچا کھچ اسباب کے گرد برابر شغدف لگے ہوئے تھے کہ قبیل صبح صادق مطوف آیا اور شور مچایا کہ تیار ہو جاؤ عرفات کے لئے۔ دیکھتا ہوں تو حضرت دو شغدفوں کے بیچ میں گلی نما جو تنگ جگہ چھٹتی ہے اس میں کھڑے ہوئے اپنے مولیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں اور پارہ ہائے قرآن مجید تلاوت فرما رہے ہیں۔ مطوف اور جمالین نے بہت کچھ شور مچایا مگر حضرت کے طویل قیام میں ایک آیت کا بھی فرق نہ آیا۔ تلاوتِ قرآن جس سکون کو چاہتی ہے اس کا حق ادا فرما کر جب آپ نے سلام پھیرا تو اللہ کے شیر پر غصہ کے آثار نمودار تھے اور تند و تیز لہجے میں آپ نے مطوف سے کہا، تم بھول گئے

ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گا۔ پھر قبل طلوع آفتاب لے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا حق ہے کہ فضول پریشان کر رہے ہو؟

مطوف نے کہا کہ میں کیا کروں جمال نہیں مانتے، جن پر کسی کا زور نہیں اور یہ اونٹ لے کر چل دیئے تو حج فوت ہو جائے گا، سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں ڈالنا تو اچھا نہیں۔ اس جواب پر حضرت کا غصہ تیز ہو گیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا، ہم نے تم کو مطوف قرار دیا ہے، استاد اور پیر قرار نہیں دیا ہے کہ علمی مشورہ لیں۔ جاؤ اپنا کام کرو، ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے۔ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریق سنت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے، نہ کہ تمہارے اور جمالوں کے غلام بننے کے لئے۔ جمالوں کو اپنے اونٹوں کا اختیار ہے، ان کا جی چاہے تو وہ ان کو لے جائیں، باقی ہم پر ان کو کوئی اختیار نہیں کہ اٹھنے پر مجبور کریں۔ تم نے ناوقت شور مچا کر ہم کو پریشان کر دیا اور نماز تک نہیں پڑھنے دی، اس لئے ہم تم کو بھی آزاد کرتے ہیں، اپنے دوسرے حاجیوں کو سنبھالو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم لولے لنجے نہیں ہیں اور نہ عرفات کچھ زیادہ دور ہے، اونٹ چلے جائیں گے تو پیدل بھی ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے مگر تم یہ چاہو کہ سنت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں، سو اس کی ہرگز ہم سے توقع مت رکھو۔

سنت سے محبت

ایک مرتبہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ایک مرید نے ضلع روہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ:

وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں، صرف بعض عقائد

میں کچھ یوں ہی جزوی سا اختلاف ہے جیسا باہم آئمہ میں......... وہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کر پائے تھے کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوگئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں، عقائد میں اور اختلاف۔ یہ تو جزوی ہونا خود ہی آپ کو تسلیم ہے، میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جز، اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد اور گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے۔ پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو، مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لائے کہ یہ بلائے بے درماں، مہلک اور سمِ قاتل ہے۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۵۵)

مسواک سفر میں بھی آپ کے کرتہ کی جیب یا تکیہ کے غلاف میں رہتی تھی اور کوئی وضو آپ کا مسواک کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

سیّد احمد شہید اور مولانا عبدالحئیؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ جن سے بیعت لیتے تھے، ان کو اتباعِ سنت کی بہت تاکید کرتے تھے۔ مولانا عبدالحئی صاحب سے ایک دفعہ کہا کہ اگر کوئی امر خلافِ سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے کہا، جب کوئی مخالفِ سنت فعل آپ سے عبدالحئی دیکھے گا تو عبدالحئی آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہا، یعنی ہمراہی چھوڑ دے گا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں سنت میں رنگی ہوئی تھیں۔

مولانا عبدالحئیؒ اور اتباعِ سنت

مولانا عبدالحئی صاحبؒ کے اتباعِ سنت کی نگرانی کا یہ عالم تھا کہ:

اپنے شیخ کو بھی خلافِ سنت پر ٹوک دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سید صاحبؒ

کی نئی شادی ہوئی تھی، نماز میں اپنے معمول سے کچھ دیر سے تشریف لائے۔ پہلے دن تو مولانا عبدالحیؒ نے سکوت کیا، دوسرے دن بھی دیر ہوئی کہ تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔ مولانا عبدالحیؒ نے سلام پھیر کر فرمایا، عبادتِ الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت؟ سید صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیا۔

حضرت رائے پوریؒ اور عشق رسولؐ

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کو تشریف لے گئے تو مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کو جاتے ہوئے آخری منزل پر بدو سے کہہ دیا کہ:

جب وہ جگہ آئے جہاں سے سبز گنبدِ حضریٰ نظر آتا ہے تو فوراً بتادے۔ اس نے بتا دیا، وہاں سے اتر کر پیدل چلتے رہے۔ رفقاء کو پہلے ہی تاکید فرمادی تھی درود شریف کی کثرت رکھیں، خاموش رہیں اور بہت ادب واحترام کے ساتھ حاضری دیں۔

(سوانح حضرت رائے پوریؒ ص ۲۲۰)

دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ

آپ کبھی کبھی ذوق اور محبت سے نعتیہ کلام سنا کرتے تھے۔ کوئی پنجابی زبان کا شاعر بھی آجاتا تو حضورِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی تعریف میں کلام سنانے کا حکم ہوتا۔ بعض اشعار سے آپ پر گریہ طاری ہوجاتا اور دیر تک طبیعت پر اثر رہتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف منسوب قصیدہ (یہ قصیدہ نعتیہ دراصل نواب غازی الدین خان المتخلص بہ نظام کا ہے جو حضرت سلطان المشائخؒ سے غلط طور پر منسوب ہو چکا ہے) اکثر پڑھوا کر سنا کرتے جس کا مطلع ہے:

صباء بسوئے مدینہ روکن زیں دعا گو سلام برخواں
بگرد شاہ مدینہ گردد بصد تضرع پیام برخواں
دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ
جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ

سوئے مدینہ

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے۔ مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے، مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار مار کر روئے۔ مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا کہ دیکھو یہ مدینہ جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔ (سوانح حضرت رائے پوری ص ۲۲۱)

محبتِ رسولؐ کا سینہ بہ سینہ منتقل ہونا

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا سینہ مبارک نور و معرفت کا گنجینہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کی صحبت، محبت کے ساتھی کی۔ اس محبت کی خاصیت ظاہر ہوئی اور جتنی جتنی کسی کی محبت تھی، اسی قدر حضورِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کی دولت اس محبّ کے سینہ میں آ گئی۔ پھر صحابہؓ کی صحبت تابعین نے اٹھائی اور تابعین کی تبع تابعین نے۔ اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ کا وہی نور یقین و معرفت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس سے آگے مشائخ کے سلسلے چلے۔ (سوانح حضرت رائے پوری ص ۳۰۰)

دل مدینہ منورہ میں رہا

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے متعلق آپ کے صاحبزادے وجانشین اور جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے امیر مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا کہ:

انگریزوں نے حضرت کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف جیلوں میں رکھا اور آخر میں لاہور میں پابند ضمانت کیا۔ آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں درس قرآن شروع کیا تو بعض لوگوں نے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کا گستاخ اور بے ادب مشہور کر دیا اور آپ کو شہید کر دینے کی سازش کی۔ مشہور نشانہ باز بابو رحمت اللہ مرحوم کو تیار کیا گیا کہ حضرت رات کو مسجد سے مکان کو اکیلے جاتے ہیں، اس وقت آپ کو شہید کر دیا جائے۔ بابو رحمت اللہ صبح کے درس میں آئے کہ اچھی طرح دیکھ لوں تا کہ رات کو مغالطہ نہ ہو۔ اتفاق سے حضرتؒ سردارِ دو جہاں ﷺ کی شان بیان فرما رہے تھے۔ انداز ایسا انوکھا اور عاشقانہ تھا کہ وہ سن کر حضرت کے گرویدہ ہو گئے۔ اپنے ارادہ سے توبہ کی اور اپنے ساتھیوں کو جا کر کہا، تم لوگ مجھ سے ایسے شخص کو قتل کروانا چاہتے جو سچا عاشقِ رسولؐ ہے۔ میں نے تو آپ سے حضورِ اقدس ﷺ کی جو تعریف سنی تو اس سے پہلے کسی سے نہیں سنی تھی۔ ان لوگوں کے سروں پر شیطان سوار تھا، وہ نہ مانے تو بابو صاحب نے کہا کہ جو حضرت کو شہید کرے گا، وہ پہلے میرا سر اتارے گا پھر حضرت تک پہنچے گا۔ بارگاہِ رسالتؐ سے آپ کے لگاؤ اور عشق کو علامہ انور صابری نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے: ؎

تو رہا لاہور میں اور دل مدینے میں رہا
بن کے اک موتی محمدؐ کے خزینے میں رہا

حضرت لاہوریؒ کی حقانیت

حضرت کی حیات میں فیض باغ لاہور کے عبدالقادر راج نے خواب میں دیکھا کہ:

آنجناب ﷺ خدام الدین کے دفتر میں تشریف فرما ہیں اور حضرت لاہوریؒ آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، میں نے حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ایک ساتھی کو پیش کیا جو مسلک کے بارے میں ان سے جھگڑا کرتا تھا اور دریافت کیا کہ امت کے موجودہ فرقوں میں سے کون سا فرقہ حق پر ہے۔ آنجناب ﷺ نے حضرت لاہوریؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، حق ہے۔

(خدام الدین ۲۳ فروری ۱۹۶۳ء)

حضرت امیرِ شریعتؒ کا عشق رسولؐ

1927ء میں جب لاہور ہائی کورٹ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی توہین سے لبریز کتاب کے ناشر راجپال کو چھوڑ دیا تو مسلمانوں میں اضطراب اور ہیجان پیدا ہوا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور آپ کے رفقاء لاہور میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے بیٹھے اور مسلمان عوام بھی انہی حضرات سے تحفظ ناموسِ رسالتؐ کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے جوق در جوق نشست گاہ کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ مشاورت میں غور و فکر اور بحث و استدلال نے طول پکڑا اور سہ پہر ہو گئی۔ حضرت امیر شریعتؒ اٹھے اور دوسرے کمرے میں جا کر دو رکعت نماز نفل ادا کی اور دیر تک سجدہ میں رہے۔ جب سجدہ سے اٹھے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم

وعلیٰ آل ابراھیم.

پھر آپ مجلس میں داخل ہوئے اور فرمایا، آج ہمارا طریق کار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہر مصلحت سے آنکھیں بند کر کے ناموس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر وہ اقدام کیا جائے جس کی ضرورت ہو۔ سب نے آپ کے ارشاد کو تسلیم کیا اور فیصلہ ہوا کہ دہلی دروازہ کے باہر جلسہ کی فوری منادی کرادی جائے۔ حکومت نے فوراً جلسہ کی ممانعت کر دی اور دفعہ ۱۴۴ نافذ ہوگیا۔ رات کو احاطہ عبدالرحیم میں جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے صدارت کی۔ حضرت امیر شریعت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''اے مسلمانانِ لاہور! آج جناب رسول اللہ ﷺ کی آبرو تمہارے شہر کے ہر ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ آج ناموسِ محمدیؐ کی حفاظت کا سوال درپیش ہے اور یہ سانحہ سقوطِ بغداد سے بھی زیادہ غمناک ہے۔ زوال بغداد سے ایک سلطنت پارہ پارہ ہوگئی تھی مگر توہین رسول اللہ ﷺ کے سانحہ سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہو رہی ہے۔''

(شاہ جی ص ۱۱۴)

آج آپ لوگ جناب فخر رُسل عربی ﷺ کی عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرے میں ہے۔ آج اس جلیل القدر ہستی کا ناموس معرضِ خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔ آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ المومنین خدیجہؓ آئیں اور فرمایا کہ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو تو اُمّ المومنین عائشہؓ دروازے پر تو کھڑی نہیں؟ (سن کر حاضرین میں کہرام مچ گیا اور مسلمان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) تمہاری محبت کا

تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ تمہارے دلوں میں اُمہات المومنین کی کیا وقعت ہے؟ اُمّ المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ وہی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ اگر تم خدیجہؓ اور عائشہؓ کی ناموس کی خاطر جانیں دے دو تو کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے۔ یاد رکھو جس دن یہ موت آئے گی، پیامِ حیات لے کر آئے گی۔ (زمیندار جولائی ۱۹۲۷)

مشہور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس روز پانی اور آگ سے یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی۔

اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ اسی ایک رات میں ہزاروں مسلمانوں نے ناموسِ رسالتؐ کے تحفظ کے لئے گرفتاریاں پیش کیں اور پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے حضرت امیر شریعتؒ کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر قربان کر دو۔ حضرت امیر شریعتؒ خود بھی گرفتار ہو کر جیل بھیج دیئے گئے۔ آپ کی گرفتاری سے تحریک نے طوفان کی شکل اختیار کر لی اور گورنمنٹ برطانیہ کو مجبور ہو کر داعیانِ مذاہب کی عزت کی حفاظت کا قانون بنانا پڑا۔

حضرت امیر شریعتؒ کی مجاہدانہ اور عاشقانہ تقریروں سے جن مسلمانوں کے دلوں میں جناب رسالت مآب ﷺ کے عشق و محبت کی آگ بھڑکی تھی، ان میں سے تین سرفروشوں نے راجپال پر یکے بعد دیگرے حملے کئے۔ خدا بخش اور عبدالعزیز کے وار خطا گئے اور یہ سعادت غازی علم الدین شہید کے حصہ میں آئی کہ اس کے ہاتھ سے راجپال جہنم رسید ہوا اور علم الدین نے تختہ دار پر لٹک کر گوہر مقصود کو پا لیا۔ اس کی موت آئی اور حیاتِ جاوداں کا پیغام لے کر آئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کوچہ محبوب سے نسبتوں کی قدریں

جناب الحاج ڈاکٹر ہدایت الرحمٰن صاحب حال مکہ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حاضری کے موقع پر جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہمانوں سے فارغ ہوئے اور گھر جانے لگے تو فرمایا کہ ہدایت الرحمٰن کو بلاؤ۔ پھر مجھے بلایا اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنی پیشانی کو میرے قریب کرلو کہ میں اسے بوسہ دے دوں کہ اس نے حرمین شریفین کو دیکھا ہے اور یہ جبین حرمین شریفین کی مقدس زمین پر سجدہ ریز رہی ہے۔ (خصوصی نمبر ص ۳۲۰)

کوچہ محبوب کے مہمان

حافظ صفی اللہ (حال مدینہ منورہ) رقم طراز ہیں کہ:

ہم تینوں بھائی جب مدینہ منورہ (جہاں پر ہماری زندگی کے تقریباً دس سال گزرے تھے) سے اکوڑہ خٹک آئے اور والد گرامی نے اکوڑہ خٹک میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا تو پھر انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کو بتائے بغیر اپنے طور پر دارالعلوم کے ناظم اور دارالحفظ کے ارباب بست وکشاد سے ہمارے داخلہ کی بات کی مگر اس وقت کی انتظامیہ اور ذمہ داروں نے ہمارے داخلہ سے صاف انکار کر دیا۔ اب یاد نہیں کہ وجہ کیا تھی، غالباً یہی وجہ ہوگی کہ مزید داخل کی گنجائش نہ ہوگی یا پھر شرائط وقواعد کے مطابق ہمارے کوائف مکمل نہ ہوں گے۔ بہر حال صورتحال جو بھی ہوا تنا یاد پڑتا ہے کہ جب حضرتؒ کو اس بات کا علم ہوا تو ذمہ داروں کو بلایا اور انہیں تاکیداً فرمایا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے آئے

ہوئے مہمان ہیں، ان کو فوراً داخلہ دے دو۔ ایسوں کے لئے کسی شرط و قاعدہ اور عدم گنجائش کا ضابطہ نہیں ہے۔ پھر سب حضرات کو تاکیداً ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کے مہمانوں کے داخلہ کا خصوصیت سے اہتمام کیا جائے اور انہیں خصوصی کمرہ بھی دیا جائے۔ چنانچہ حضرتؒ کے تاکیدی حکم کے مطابق ہمارے ساتھی امتیازی سلوک کیا گیا۔ (خصوصی نمبر ص ۱۸۲)

مدینہ طیبہ کا اتنا احترام صرف اسی وجہ سے ہے کہ مدینہ کو نسبت ہے آقا دو جہاں محمد عربیؐ سے، مدینہ طیبہ وطن ہے محمد عربیؐ کا۔

خاکِ یثرب

مولانا ظفر الحق حقانی فرماتے ہیں کہ:

ایک بار کوئی صاحب مدینہ منورہ سے کھجور آپ کی خدمت میں لائے۔ عصر کا وقت تھا، آپ نے انہیں اپنی آنکھوں سے لگایا، چوما اور فرمایا کہ یہ حضورؐ کے شہر سے آئی ہیں ...... جیب الیٰ قلبی حبیب حبیب ...... شہرِ خوباں سے بھی کس قدر پیار تھا:

خاک یثرب از دو عالم از دو عالم بہتر ست
خوشتر آں شہرے کہ آنجا دلبر ست

راقم کا سینکڑوں ہزاروں بار کا مشاہدہ ہے۔ جب بھی کبھی آقائے نامدارؐ کا اسمِ گرامی آپ کے سامنے لیا جاتا تھا تو آپ خفیۃً فرماتے، فداہ ابی وامی ﷺ۔ آپ یہ بھی چپکے چپکے فرماتے تھے کہ کوئی سن نہ پائے، میں آپ کے بالکل قریب ہو کر بمشکل یہ جان سکا۔

درد زبان و مونس جان ست نام یار
یک دم نمی رود مکرر نمے شود

(خصوصی نمبر ص ۲۷)

کوچہ محبوب کی زیارت کی روئیداد

الحاج حبیب الرحمٰن صاحب مدینہ منورہ کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لوگوں کا بے حد ہجوم تھا، ٹرانسپورٹ کا مسئلہ بڑا کٹھن تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے حکم فرمایا، ساتھیوں کے لئے ٹرانسپورٹ کا انتظام کر دیں۔ میں جب اس سلسلہ میں آگے بڑھا تو یہ کام آسان نہ تھا۔ کارے وارد بڑی پریشانی ہوئی۔ اتفاقاً ایک عرب نوجوان سے انگریزی میں بات ہوئی۔ میں نے عرض کیا، میرے ساتھ ضعیف ساتھی ہیں، مکہ مکرمہ تک ان کے پہنچانے کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے میری بات سمجھ لی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کی دعا و توجہ کی برکت اور کرامت تھی کہ انہوں نے بس نمبر دے دیا اور تاکید کر دی کہ سامان اس گاڑی میں پہنچا دو اور ساتھیوں کو بٹھا دو۔ میں طبعاً تیز واقع ہوا ہوں اور پھر ایسے ہجوم میں جب کچھ نکلنے کا راستہ بھی مل جائے تو طبعاً طبیعت میں تیزی کا آنا بھی تو فطری بات ہے۔ میں ساتھیوں کے پاس آیا اور جوش مسرت سے اونچی آواز سے کہنے لگا، جلدی کرو اور سامان سمیٹو اور فلاں جگہ پر پہنچاؤ اور ایسے مواقع پر منتظمین یا خدام یا ذمہ دار ساتھیوں کو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ حضرتؒ نے مجھے اشارہ سے بلایا اور بڑے نرم اور محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا:

> ''یہ سفر بڑا مبارک اور مقدس سفر ہے، یہ مقام بھی مقدس ہے، یہ سفر بھی مقدس ہے۔ اتنی اونچی آواز سے بات نہیں کرنی چاہئے۔''

بس حضرت کا یہ اشارہ میرے لئے کافی تھا۔ الحمد اللہ کہ اس کے بعد کسی بھی جگہ بھی میں آپ سے باہر نہ ہو سکا۔ تمام سفر میں میری آواز نیچی اور بات کرنے کا لہجہ پست رہا۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مولانا عبدالحق کا عشقِ رسولؐ

مدینہ منورہ کے لئے جب ہم روانہ ہوائے تو پھر وہی جوش، وہی عشق، وہی والہیت اور عجیب کیفیت۔ ۸ روز قیام رہا۔ حضرتؒ مدینہ منورہ میں بس خاموش ہی رہتے، زیادہ تر وقت خاموشی اور ذکر میں گزرتا۔ باتیں کم کرتے، نظر عموماً گنبدِ حضریٰ پر رہتی۔ حسرت وارمان اور محبت سے اسے دیکھتے رہتے۔ مکہ المکرمہ یا مدینہ منورہ میں گاہے گاہے ارشاد فرماتے۔ یہ میٹھی میٹھی ہوائیں، یہ مبارک مبارک فضائیں، یہ عظمتیں اور کہاں ہم گنہگار۔ فرماتے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے، خدا جانے پھر زندگی میں نصیب بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ مدینہ منورہ میں اگر کوئی بات کی تو وہ یہی، مکہ معظمہ میں بھی اگر گفتگو ہوئی تو اس موضوع پر اور مختصر سی۔ باقی نہ دنیا کا ذکر، نہ اہل دنیا کا۔ (خصوصی نمبر ۱۰۶۰)

صدائے عشق

شیخ الحدیثؒ کبھی کبھی تصورِ مدینہ اور عشقِ مدینہ اور دیارِ محبوبؐ سے منسوب یہ اشعار پڑھا کرتے:

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذالجدار و ذالجدار

''میرا جب لیلیٰ کے گاؤں پر گزر ہوتا ہے تو کبھی ایک دیوار اور کبھی دوسری دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔''

فما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیار

''میری گاؤں سے کوئی محبت نہیں ہے بلکہ مجھے اس گاؤں کی رہنے والی

(لیلیٰ) سے محبت ہے۔''

ومن مذهبی حب الديار لاهلها
وللناس فيما يعشقون مذاهب

''میرے مذہب عشق میں کوچہ محبوب کی محبت ہے اور لوگ عشق و محبت میں جدا ذوق رکھتے ہیں۔''

غور فرمایئے کہ حضرتؒ کے دل میں کوچہ محبوب دو عالم ﷺ کی کتنی عظمت، محبت اور عقیدت تھی۔ جب حجاج کا جانا ہوتا یا واپس آنا ہوتا معتمرین حرمین شریفین کے لئے رختِ سفر باندھتے یا واپس تشریف لاتے۔ حضرت زبانِ قال اور زبانِ حال سے سراپا عشق رسولؐ کا نمونہ ہوتے، محبت سے رخصت کرتے اور بے چینی سے واپسی کے منتظر رہتے۔

مدینہ کی پھر یاد آنے لگی
جنونِ محبت بڑھانے لگی

نبی کریم ﷺ کا پیغام

حضرت شیخ الحدیثؒ کو قدرت نے عشق رسولؐ کی دولتِ لازوال سے مالا مال کر دیا تھا۔ جب نبی کریمؐ کا نام مبارک سنتے تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور تحفہ درود ضرور بھیجتے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ عالمِ دین جو غالباً بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، موصوف مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے جہاں مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کی بہت باتیں کیں، وہیں دورانِ گفتگو بڑے ہلکے لہجے میں یہ بھی عرض کیا کہ حضرت! مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا۔ حضور ﷺ نے آپ کے نام پیغام دیا کہ

(مولانا) عبدالحق سے کہہ دیجئے کہ کافی وقت سے تمہارا ہدیہ نہیں پہنچ رہا۔ ہدیہ کا تعین نہ ہو سکا لیکن غالب گمان اور خیال یہی ہے کہ حضرتؒ کا درود شریف کا کوئی باقاعدہ معمول تھا اور اس معمول میں مشاغل زندگی کی وجہ سے کوئی کمی واقع ہو رہی تھی کیونکہ سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''اخبار الاخیار'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص جو حضرت بختیار کاکیؒ کے متعلقین میں سے تھا، اس کا نام رئیس تھا، کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ نبی کریمؐ نے رئیس سے فرمایا کہ......... کہ بختیار کاکیؒ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں ملا.......... یہ محض عقیدت کا غلو نہیں ہے، ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من صلّٰی علی نائیاً ابلغته.

''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

بعض احادیث شریف میں مروی ہے کہ بھیجے والے شخص کا نام بمع اس کے والد کے لیا جاتا ہے، فلاں بن فلاں تحفہ درود بھیج رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ بارگاہِ رسالتؐ میں

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی بیماری کے ایام میں بارگاہِ رسالتؐ میں ایک خط بھیجا اور حضرتؒ کا یہ خط تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں بلکہ تاریخ اسلاف میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ عمر بن احمد خربوتی اپنی شرح قصیدہ بُردہ کے اس شعر: ؎

کم ابراءت وصبا باللمس راحته
واطلقت اربا من ربقة اللمم

کے تحت لکھتے ہیں کہ میرے استاد کی اہلیہ محترمہ دل کی بیماری مبتلا تھیں۔ ع
''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق علاج معالجہ سے کوئی افاقہ اور آرام نہ ہوا تو ایک دن میرے استاد نے مجھے فرمایا کہ میری طرف سے امام الانبیاء ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ اور درخواست لکھیں کہ آپؐ بارگاہِ الٰہی میں مریضہ کی صحت یابی کے لئے شفاعت اور سفارش فرمائیں۔ عمر بن احمد خربوتیؒ فرماتے ہیں، میں نے خط لکھ کر حجاج کرام کے حوالہ کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں بھیج دیا۔ جس دن حجاج مدینہ منورہ پہنچے اور گنبدِ خضریٰ پر کھڑے ہو کر وہ خط سنایا، اسی دن سے مریضہ صحت منداور شفایاب ہو گئی۔

چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اکثر بیمار رہتے تھے۔ خاص کر بینائی پر بہت اثر پڑ گیا تھا۔ اس لئے اسلاف امت کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مفتی سیف اللہ حقانی سے ادب واحترام سے بارگاہِ رسالتؐ میں خط لکھوایا۔ مفتی سیف اللہ حقانی صاحب بیان فرماتے ہیں:

> ''جب احقر نے وہ خط سنایا تو حضور سیّد دو عالم ﷺ کے ساتھ فرطِ محبت کی وجہ سے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ خط کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا، فرزندِ من! اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں سرفراز فرمائیں۔ آپ نے میرے دل کی ترجمانی کی ہے۔''

اس موقع پر اتفاق سے حضرت مولانا سیّد شیر علی شاہ صاحب مدنی دامت برکاتہم مدینہ منورہ واپس تشریف لے جانے والے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ارشاد کے مطابق وہ خط میں نے مولانا سیّد شیر علی صاحب مدظلہٗ کے حوالے کیا۔ جس تاریخ اور جس وقت پر وہ خط وہاں سنایا گیا، اس تاریخ اور اس وقت سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی حالت میں بہت خوشگوار تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ (خصوصی نمبر ۲۹۶)

مکتوبِ گرامی

امابعد! بندۂ ضعیف عبدالحق جو اپنی تقصیر اور عجز کا مقر ہے اور اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کا رہنے والا ہے۔ عرض کر رہا ہے کہ:

میں ضعیف البصر، ضعیف السمع بلکہ تمام قویٰ کے اعتبار سے ضعیف ہوں اور اس کے ساتھ قلیل العلم اور امراضِ مختلفہ کا مریض ہوں۔ میں نے بہت سے ڈاکٹروں سے رجوع کیا ہے اور مختلف قسم کی ادویات استعمال کر چکا ہوں لیکن میں اب تک شفایاب نہ ہوا ہوں اور میرا یہ حال ہو گیا ہے۔ میرا محبوب مشغلہ تعلیم و تعلم مجھ سے چھوٹ گیا ہے۔ اس لئے آنجنابؐ سے بصد ادب و احترام کے یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں میری شفاعت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمانِ کامل اور علمِ واسع اور تمام امراض سے شفاء تامہ نصیب فرمائیں اور یہ کہ مجھ کو تمام اشرار کے شر سے محفوظ فرمائیں اور تعلیم و تعلم کے لئے توفیق عطا فرمائیں اور یہ کہ میری اولاد، اموال و احوال اور ہمارے دار العلوم حقانیہ اور اس کے مدرسین اور فضلاء، طلبہ و معاونین اور خدام کو برکات سے مالا مال فرمائیں۔

العارض الفقیر المحتاج الی اللہ

عبدہ عبدالحق عفا عنہ

(خصوصی نمبر ص ۲۹۶)

اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد جناب ڈاکٹر داؤدی صاحب راوی ہیں کہ:

۵ ستمبر کو انتہائی نگہداشت کے کمرہ میں، میں حضرتؒ کے ساتھ تھا تو حضرتؒ بار بار چارپائی پر بیٹھ جاتے اور ساتھ رکھی ہوئی پگڑی کو بڑے اہتمام سے اپنے سر پر باندھنا شروع

کر دیتے۔ اسی دوران جب ایک مرتبہ غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو ارشاد فرمایا:

''ہمارا عصاء لے آؤ، ہم تو سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے پیش نظر جا رہے ہیں۔ صرف پانچ منٹ ہی تو لگیں گے، سنت کی اتباع بہت ضروری ہے۔''

تو اس دوران بخار کی شدت کی وجہ سے ہمیں ان کی اونی ٹوپی اور پگڑی اتارنی پڑی تھی۔ حضرتؒ نے یک دم فرمایا، میری پگڑی کہاں ہے؟ میں نے کہا، آپ کو بخار ہے، اسے ہم نے آپ کے ساتھ ہی میز پر رکھ دیا ہے۔ فرمایا، اگر ایک لحہ بھی سنت پر عمل کے بغیر گزر جائے تو بہت بڑا خسارہ ہے۔ مجھے فوراً پگڑی اور عصاء دے دو اور بخار ہونے کے باوجود انہوں نے پگڑی سر پر باندھ کر عصاء کو چارپائی کے ساتھ لگا دیا۔ میں افسردہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں پر مولانا سمیع الحق، پروفیسر محمود الحق، حضرت مولانا انوار الحق اور اظہار الحق اور میری اہلیہ تشریف فرما تھیں۔ ان کو بتایا تو انہیں یقین ہو گیا کہ حضرتؒ رحلت فرمانے والے ہیں اور ہم سب نے تلاوت شروع کر دی۔ (خصوصی نمبر ص ۹۱۳)

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور عشقِ رسولؐ

حضرتؒ فنافی الرسولؐ تھے۔ ہر وقت ہر گھڑی زبانِ مبارک پر حضورؐ کا مبارک ذکر رہتا۔ تقاریر میں سیرتِ نبویؐ کا پہلو غالب رہتا۔ دورانِ تقریر گھڑی گھڑی:

قال قال رسول اللہ.

''شان والے نبیؐ نے فرمایا۔''

کے مبارک جملے آپؒ کی زبان مبارک پر ہوتے۔ حدیث نبویؐ:

حبب الی من دنیا کم الثلث.

میں عام محدثین کی عادت کے مطابق حضرتؒ کی پسندیدہ تین چیزیں درج ذیل ہیں:

☆ حبب الی من الدنیا الثلاث.

☆ التوکل علی اللّٰہ.

☆ والشغل بذکرِ اللّٰہ.

☆ والموت فی بلدۃ رسول اللّٰہ.

مدینہ طیبہ میں موت کی خواہش آپ کے عشق رسولؐ کی روشن دلیل ہے۔ یہ خواہش اگرچہ پوری نہ ہو سکی مگر اس کے بدلے میں ایسے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی جس کے بارے میں امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ قبرستان جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔

قصیدۃ الاولیٰ فی فراق النبیؐ

از زبدۃ العارفین سراج السالکین مصباح المقربین حضرت حافظ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ

قلبی محزون بھجر المصطفیٰ

صدری مجروح بفراق المجتبیٰ

میرا دل حضورؐ کی جدائی کی وجہ سے مغموم ہے

اور میرا سینہ حضورؐ کے فراق کی وجہ سے مجروح ہے

اتفکرہٗ لیلاً وّ نھاراً دائما

ولا یفارق قلبی فکر المرتضیٰ

ہمیشہ شب و روز میں حضورؐ کی فکر میں رہتا ہوں
اور میرے دل سے آقائے نامدارؐ کا فکر کبھی بھی جدا نہیں ہوا

اذکر احدیثہ فی المجامع سرمدا
ولا اترک حدیثہ قاعداً او قائما

حضورؐ کے ارشادات کا ذکر ہمیشہ ہر مجمع میں کرتا ہوں
اور حضورِ اکرمؐ کی حدیث کو کبھی قیام وقعود میں بھی ترک نہیں کرتا

ھو اشرف الرسل واکرم الانبیأ
ھو خاتم الرسل فی الارض والسماء

وہ تمام رسولوں سے زیادہ بزرگ اور تمام انبیاء سے زیادہ معزز ہیں
اور وہ زمین و آسمان میں تمام رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں

ھو اشجع الناس وافضل الانبیاء
وھو احلم الناس ومعدن الصدق والصفا

وہ تمام لوگوں سے زیادہ شجاع اور تمام انبیاء سے افضل ہیں
وہ تمام لوگوں سے زیادہ حلیم اور منبع صدق و صفا ہیں

جودہٗ اعلیٰ وفیضہٗ اولیٰ
دینہٗ اذکیٰ ووجھہ ابھیٰ

حضورؐ کی سخاوت سب سے اعلیٰ اور آپؐ کا فیض سب سے اولیٰ ہے
آپؐ کا دین بہت پاکیزہ اور آپؐ کا چہرہ بہت زیادہ چمکنے والا ہے

مثلہٗ لا یوجد فی الارض والسماء
ونظیرہٗ لا یخلق سرمداً ابدا

آپؐ کی مثال زمین و آسمان میں نہیں پائی جاتی
اور آپؐ کی نظیر کبھی بھی پیدا نہیں کی جائے گی

ھو عبد فی العبودیة در مفردا
ھو بشر فی البشریة بلغ العلیٰ

حضورؐ عبد ہیں اور عبودیت میں مفرد موتی ہیں
حضورؐ انسان ہیں اور بشریت میں بلند مراتب کو پہنچنے والے ہیں

الٰھنا واحد لا شریک لہٗ احدا
ونبینا محمد لا نظیر لہٗ فی العلم والتقیٰ

ہمارا معبود یگانہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے
ہمارے حضورؐ رسول اللہ ہیں جس کی نظیر علم اور تقویٰ میں آئی ہی نہیں

قصیدۃ الثانیہ فی رثاء النبیؐ

وجھہٗ منور کالبدر فی الدجیٰ
وخدہٗ منور کالشمس فی الضحیٰ

آپؐ کا رُخ انور چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہے
آپؐ کے رخسار مبارک دوپہر کے سورج کی طرح منور ہیں

قولہٗ حق للناس لازم الاقتداء
وفعلہٗ برھان للناس للاھتدا

حضورؐ کا فرمان حق ہے ہر انسان کو اس کی اقتداء واجب ہے
اور آپؐ کا فعل لوگوں کے واسطے حجت ہدایت حاصل کرنے کے لئے

منکر حدیثهٗ منکرا القرآن بالا امترآء

جاحد فعلهٗ محروم عن الصدق والصفا

بے شک و شبہ آپؐ کی حدیث کا منکر قرآن کا منکر ہے

آپؐ کی سنت سے انکار کرنے والا صدق اور صفا سے محروم ہے

هو شافع مشفع فی یوم الجزاء

هو صاحب عدلٍ معدن جودٍ و سخا

قیامت کے دن آپؐ شفاعت کریں گے اور آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی

آپؐ صاحب عدل ہیں اور جود و سخا کی کان ہیں

هو خطیب وقریب صاحب لواءٍ

هو مخزن علومٍ ومنبع فیوضٍ وعطا

آپؐ واعظ، دل کے قریب اور صاحب لواء ہیں

آپؐ علوم کا خزانہ ہیں اور فیض و عطا کا منبع ہیں

هو رؤف ورحیم جمیل الحیاء

هو هادٍ وداعٍ الی الرَّبِّ دائما

آپؐ بڑے مہربان اور بڑے رحم کرنے والے نہایت شرم والے ہیں

آپؐ ہدایت دینے والے اور ہمیشہ اللہ کی طرف بلانے والے ہیں

مسجدهٗ افضل مساجد الانبیاء

وقبرهٗ افضل قبورِ الاتقیاء

آپؐ کی مسجد تمام انبیاء کی مسجدوں سے افضل ہے

آپؐ کا مزار مبارک تمام مقبولانِ خدا کی قبور سے برتر و بہتر ہے

ما ان لہٗ نظیر فی الارض والسماء
وما ان لہٗ شریک فی العلم والتقیٰ
آپؐ کی نظیر آسمان اور زمین میں کوئی نہیں ہے
اور نہ ہی علم اور تقویٰ میں آپؐ کا کوئی برابر ہے
ھو رحمۃ للعالمین وخاتم الانبیاء
ھو شفیع المذنبین وافضل الاتقیاء
آپؐ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں اور خاتم النبیین ہیں
آپؐ گنہگاروں کے لئے شفیع ہیں اور تمام اتقیاء سے افضل ہیں
دینہ افضل وذکرہٗ ارفع فی السماء
علمھا کثر وشانہ اعلیٰ فی الھدیٰ
آپؐ کا دین سب دینوں سے افضل ہے اور آپؐ کا ذکر آسمانوں میں ذکر سے عالی ہے
آپؐ کا علم بہت ہے اور آپؐ کی شان ہدایت بہت بلند ہے
ھو حی فی قبرہٖ کحیاۃ الانبیاء
حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء
آپؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ دیگر انبیاء ہیں
اور زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسدوں کو کھائے
حیاتھم اعلیٰ واکمل من الشھداء
وشانھم ارفع فی الارض والسماء
انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے اعلیٰ و اکمل ہے
اور انبیاء کی شان آسمان اور زمین میں نہایت اونچی ہے

دیارِ حبیبؐ سے محبت

شیخ حماداللہ ہالیجوی کے متعلق صاحب تجلیات فرماتے ہیں کہ:

احقر جب زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوا تو اجازت کے لئے حضرت والا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ بعد اجازت بتاکید فرمایا کہ دیارِ حبیبؐ میں کسی چیز کو حقیر مت سمجھا اور کسی شخص کو اپنے سے کمتر نہ جاننا کیونکہ دیارِ حبیبؐ کے رہنے والے ہم سے بہتر ہیں۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۴۶)

دیارِ حبیبؐ کا میوہ

کھجوروں کے موسم میں حضرت کے خدام بطورِ ہدیہ کھجور لا کر پیش کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ کھجوریں کھاؤ اور خود بھی تناول فرماتے اور ارشاد ہوتا۔ یہ میوہ محبوب ترین میوہ ہے۔ اس لئے کہ دیارِ حبیبؐ میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اہل جماعت میں تقسیم فرماتے۔

(تذکرہ شیخ ہالیجوی ۱۰۹)

حدیث شریف پر عمل

اخیر عمر میں صرف ایک دانت باقی رہ گیا تھا مگر مسواک کی پابندی فرماتے۔ جب بھی کوئی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو مصافحہ و معانقہ کے بعد فرماتے۔ نام، قوم اور وطن دریافت فرماتے اور خیرت معلوم کرتے کیونکہ یہ مسنون طریقہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا اخی الرجل الرجل فلیساله عن اسمه واسم ابیه وممن هو فانه اوصل للمودة. (ترمذی شریف ابواب الزہد ج ۲، ص ۶۵)

''جب آدمی کسی سے تعلق پیدا کرے تو چاہئے کہ اس کا نام، اس کے والد کا نام پوچھ لے اور یہ کہ وہ کس قبیلہ اور وطن کا ہے، اس سے محبت کامل ہوتی ہے۔'' (تذکرہ شیخ ہالیجوی ۱۱۰)

حضورِ اکرمؐ کی زیارت

حضرتِ اقدس شیخ حماد اللہ ہالیجوی نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ میں مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لائے اور مجھ کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔ اس کے بعد مسجد کے باہر تشریف لے چلے۔ میں بھی ساتھ میں تھا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا۔ حضور والا! میں کچھ لاتا ہوں، آپ نوش فرمائیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، مولوی صاحب مجھے کھانے کی حاجت نہیں ہے۔

پھر دروازے سے باہر تشریف لائے اور اس گلی میں جو قدیم مسجد کے مشرقی جانب تھی۔ اس میں داخل ہو کر شمال کی جانب روانہ ہوئے اور چلتے وقت السلام علیکم فرماتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ (تذکرہ شیخ ہالیجوی ۱۰۰)

خوبصورت جو ایک نام ہے وہ تیرا نام ہے

بعض خاندانوں میں مسلسل محمد ہی نام رکھا جاتا ہے اور رکھا گیا ہے جیسا کہ:

تیونس کے ایک عالم باعمل کا نام ایمن بوالبرکات محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد (۱۴ پشت تک محمد ہی تھا) نے مدینہ منورہ میں کافی زمانہ گزارا۔ جب وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو سید دو عالم ﷺ نے خواب میں فرمایا، تو نے کس طرح ہماری جدائی گوارا کر لی۔ چنانچہ واپس لوٹے اور وہیں

۷۲۴ھ میں انتقال فرمایا۔ (رحمت ص ۲۵۶)

عالم شوق

بعض عشاق نے جواموات کے لئے بھی قبرستان میں اس عظمت اور وقار کو شانِ امتیاز دے کر محمدیوں کے لئے علیحدہ قبرستان بنائے ہیں جیسا کہ:

سمرقند کے شہر ماکردین میں ایک قبرستان ہے جس کا نام تربۃ المحمدین ہے یعنی اس قبرستان میں صرف ان ہی اموت کو دفن کیا جاتا ہے جن کا نام محمد ہو۔ (ﷺ)

چنانچہ چھٹی صدی ہجری تک اس قبرستان میں چار سو سے زیادہ صاحب تصنیف و افتاء اہل علم مدفون تھے۔ جب ۵۹۳ھ میں شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کا انتقال ہوا تو ان کو بھی اس قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی کہ ان کے نام میں محمد (ﷺ) کا مبارک کلمہ نہیں۔ چنانچہ ان کو قریب ہی اس قبرستان کے باہر دفن کیا گیا۔

(الجواہر ج۱ ص۴/ مقدمۃ الہدایہ ص۲)

شانِ مسلم

حضرت سیّد دو عالم ﷺ نے ایک مسلمان مرد کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اس کو اتار کر پھینکتے ہوئے فرمایا، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ آگ کی چنگاری اپنی مٹھی میں لے۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس مسلمان سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لے اور انگلی میں تو نہ پہن کہ (مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے) مگر اس کو بیچ کر اپنے کسی دوسرے کام میں لگا لے تو اس نے یہ کہا:

''(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس انگوٹھی کو حضورِ انور ﷺ نے پھینکا ہے، میں اس کو کبھی نہ اٹھاؤں گا۔'' (مشکوٰۃ باب الخاتم)

سرشت مردِ مؤمن کا بدلنا غیر ممکن ہے

جھوٹے نبی اسود عنسی نے ایک مسلمان ابو مسلم خولانی سے یہ کہا:

کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابو مسلم نے کہا، میں نے تیری بات نہیں سنی۔ پھر اسود عنسی نے کہا، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں تو ابو مسلم نے کہا، بے شک میں سیّد دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسولؐ مانتا ہوں۔ تو اس بد بخت نے ابو مسلم کو آگ میں ڈلوا دیا مگر لوگوں نے دیکھا کہ ابو مسلم سلامت ہے اور نماز پڑھ رہا ہے۔ سیّد دو عالم ﷺ کے سفر آخرت کے بعد ابو مسلم جب مدینہ مدینہ منورہ آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو اپنے اور ابو بکر صدیقؓ کے درمیان بٹھا کر یہ کہا:

''اس اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے جس نے مجھے اپنی زندگی میں ایک ایسا عاشق رسولؐ دکھایا جس پر اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی فضل فرمایا جیسا کہ اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام پر کیا تھا۔'' (رحمت کائنات ص ۵۵)

کاش میں حضورؐ کے زمانے میں ہوتا

خراسان کا ایک بادشاہ جس کا نام تو عمرو بن لیث تھا مگر عرف صفار تھا۔ اس کی وفات کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا تو اس نے جواب میں کہا:

''میں نے اپنی زندگی میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی سے اپنی ساری فوج کو دیکھا تو مجھے اس قدر فوج دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے کہا، کاش میں حضورِ انور ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تو آپؐ کی پیروی میں دین اسلام کی سر بلندی کے لئے آپ کی مدد کرتا اور یہ فوج وہاں کام آتی۔''

میری اس دلی تمنا کو دربارِ خداوندی میں مقبولیت حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ (الشفاء ج ۲، ص ۲۷)

سوئے طیبہ جانے والو

شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

یا سائرا نحو الحجاز مشمرا
اجهد فدیناک فی المیسر وفی السری
واذا سهرت اللیل فی طلب العلی
فحذرا ثم حذرا من خدع الکری
فالقصد حیث النور یشرق ساطعا
والطرف حیث تری لثری متعطرا
قف بالمنازل والمناهل من لدن
وادی قباء الی حمی ام القری
وتوخ آثار النبی فضع بها
متشرفا خدیک فی عفر الثری
واذا رایت مهابط الوحی التی
نشرت علی الافاق نورا انوار
فاعلم بانک ما رایت شبیها
مذ کنت فی ماضی الزمان ولا تری

''اے حجاز کی طرف چلنے والے! میں تجھ پر فدا کہ تو رات دن چلنے میں کوشش کرنا۔

جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے تو اونگھ کے قریب سے بھی بچنا پھر بچنا۔

تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے اور جہاں کی خاک خوشبودار نظر آتی ہے۔

تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا جو وادی قبا کے قریب ام القری کے سبزہ زار تک ہیں۔

پھر نبی اکرمؐ کے آثار کا قصد کرنا۔ ان کی زیارت کرتے ہوئے دونوں رخسار کو خاک پر رکھ دینا۔

جو تو وحی اترنے کی جگہ دیکھے۔ جنہوں نے تمام دنیا پر نور ہی نور پھیلا دیا۔

تو جان لینا کہ تو نے اس کی مثل نہیں دیکھا۔ نہ اپنے ماضی میں اور نہ ہی آئندہ دیکھے گا۔''

فرزدق کا عشق رسولؐ

ذیل کا قصیدہ فرزدق کی طرف منسوب ہے۔ اس کے مضامین اور نکتہ آفرینی کی وجہ سے یہی توقع ہے کہ فرزدق کی بخشش ہو جائے گی۔ واقعہ کچھ یوں پیش آیا کہ:

ایک سال ہشام بن عبدالملک اپنے باپ کے دور میں حج کے لئے آیا۔ طواف کرتے ہوئے اس نے چاہا کہ حجر اسود کی تقبیل و استلام سے مشرف ہو لیکن کثرتِ اژدحام کی وجہ سے قادر نہیں ہو سکا۔ پھر اس کے لئے کرسی لائی گئی، وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اسی دوران حضرت زین العابدین علی بن الحسین بن علی جو نہایت خوبصورت اور خوشبو سے معطر تھے۔

تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آگے بڑھے اور جب انہوں نے حجر اسود کو بوسہ کا ارادہ کیا تو اژدحام چھٹتا گیا، جگہ مل گئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر ہشام حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنے میں ایک شامی آدمی جو اس کے ساتھ تھا، پوچھنے لگا، شہزادہ مکرم! یہ شخصیت کون ہے کہ اس کے احترام میں عوام غیر معمولی شغف لے رہے ہیں تو اس شامی کو ہشام نے بتایا کہ میں اسے نہیں جانتا حالانکہ وہ جانتا تھا۔ اسی مجمع میں فرزدق بھی موجود تھا۔ اس شاعر نے یہ سنتے ہی کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ شامی نے کہا کہ بتایئے کون ہیں؟ اس وقت فرزدق نے حضرت زین العابدین کی شان میں یہ قصیدہ برجستہ کہا: ؎

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته
والبیت یعرفه والحل والحرم

''یہ وہ آدمی ہے جس کو بطحاء کی نرم زمین، بیت اللہ، حل وحرم سب جانتے پہچانتے ہیں۔''

هذا علی رسول اللّٰه والده
امست بنور هداة تهتدی الامم

''یہ زین العابدین بن علی ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ ان کے نانا ہیں ان ہی کے نورِ عرفان سے قومیں ہدایت پا رہی ہیں۔''

هذا ابن خیر عباد اللّٰه کلهم
هذا التقی النقی الطاهر العام

''یہ اللہ کے نیک بندوں میں سب سے بہتر شخص کے بیٹے ہیں۔ صاف ستھرے، متقی، پاکیزہ اور سردار ہیں۔''

اذ راته قریش قال قائلها
الی مکارم هذا ینتهی الکرم

''جب قریش ان کی زیارت کرتے ہیں تو بے ساختہ ہو کر اٹھتے ہیں کہ ان صاحب کے افعال کریمانہ پر بزرگی کی انتہا ہے۔''

ینمی الی ذروۃ العزاللتی قصرت
عن نیلھا عرب الاسلام والعجم

''یہ صاحب شرف وعزت کے ایسے مقام پر فائز ہیں جس کے حاصل کرنے سے عربی وعجمی سبھی لوگ عاجز رہتے ہیں۔''

یکاد یمسکہ عرفان راحتہ
رکن العطیم اذا ما جاء یستلم

''ممکن ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت رکن حطیم ان کو روک لے اس لئے کہ وہ ان کی ہتھیلی پر پہچانتا ہے۔''

فی کفہ خیزران ریحہ عبق
من کف اروع فی عرنینہ شمم

''ان کے دستِ مبارک میں عصائے شاہی ہے جس میں حسین ہتھیلی کے مَس ہونے کی وجہ سے خوشبو پھوٹ رہی ہے اور ان کی ناک حسین وہموار ہے۔''

یغضی حیاء ویغضی من مھابتہ
فما یکلم الاحین یبتسم

''یہ شرم وحیاء کی وجہ سے نگاہوں کو نیچی رکھتے ہیں بلکہ ان کی ہیبت سے لوگ نگاہیں نیچی کر لیتے ہیں اور جب وہ مسکراتے ہیں تو لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔''

ینشق نورالھدی من نور غرتہ

کالشمس ینجاب عن اشراقھا القتم

''ان کی روشن پیشانی کی چمک سے ہدایت کا نور پھیل رہا ہے جس طرح کہ طلوع آفتاب سے (صبح ہو جاتی ہے) اور تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔''

مشتقة من رسول اللّٰہ نبعۃ

طابت عناصرہ والخیم والشیم

''ان کا شریف خاندان جناب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ ان کی نسل، عادت وخصلت وسب پاکیزہ ہیں۔''

ھٰذا ابن فاطمة ان کنت جاھلہ

بجدہ انبیاء اللّٰہ قد ختموا

''اگر تم ان سے ناواقف ہو تو سنو، یہ حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادہ ہیں اور ان کے جدامجد پر انبیاء کا سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔''

اللّٰہ شرّفہ قدما وعظّمہ

جری بذالک لہ فی لوحہ القلم

''اللہ ہی نے ان کو شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے جس کے متعلق لوح محفوظ میں قلم جاری ہو چکا ہے۔''

کلتا یدیہ غیاث عمّ نفعھما

یستو کفان ولا یعررھما عدم

''ان کے دونوں ہاتھوں سے فیض عام ہے ان سے بخشش طلب کی جاتی ہے اور ان پر کبھی افلاس طاری نہیں ہوتا۔''

سهل الخليقة لا تغشى بوادره
يزينه اثنان حسن الخلق والشيم

''یہ نرم خو ہیں ان سے بے جا غیظ وغضب کا خطرہ نہیں ہے۔ ان کو بردباری، بزرگی دو خصلتوں سے زیب وزینت ہے۔''

حمّال اثقال اقوام اذا اقترحوا
حلو لشمائل يحلو عنده نعم

''جب کوئی قوم ان سے قرض مانگتی ہے تو یہ اس بوجھ کو برداشت کرتے ہیں۔ ان کی تمام عادتیں میٹھی ہیں۔ ان کے نزدیک بوقتِ سوال کلمہ ''نعم'' ہی اچھا ہے (یعنی کبھی انکار نہیں کرتے)۔''

ما قال لا قطّ الا فی تشهده
لولا التشهد كانت لائه نعم

''انہوں نے تشہد کے علاوہ کبھی کلمہ ''لا'' (یعنی نہیں) استعمال ہی نہیں کیا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو ان کے ہاں کلمہ ''لا'' بھی نعم (یعنی ہاں) ہی ہوتا۔''

عمّ البرية بالاحسان فانقشعت
عنها الغيابة والاملاق والعدم

''یہ احسان ونوازش کی وجہ سے تمام مخلوق پر چھا گئے اور ان کی وجہ سے مخلوق سے تاریکی، افلاس، روفاقہ دور ہوگیا۔''

من معشر حبهم دين وبغضهمو
كفرو قربهموا منجى والنعم

''یہ ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن سے محبت رکھنا عین دین ہے۔ دشمن رکھنا کفر ہے۔ ان کی قربت باعثِ نجات وذریعہ حفاظت ہے۔''

یستدفع السوء والبلوی بحبّهم
ویستزاد به الاحسان والنعم

''ان کی محبت کے ذریعہ مصیبتیں اور بلائیں دور کی جاتی ہیں اور انہی کے ذریعے نعمتوں اور عطایا میں اضافہ کرایا جاتا ہے۔''

من جده دان فضل الانبیاء له
وفضل امته دانت له الامم

''یہ وہ صاحب ہیں جن کے نانا کی وجہ سے نبیوں کی بزرگی عزت یاب ہے۔''

مقدم بعد ذکر اللّٰه ذکر همو
فی کل بدء ومختوم به الکلم

''ہر چیز میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے اور انہی کے ذکر کے بعد کلام ختم کیا جاتا ہے۔''

ان عداهل التقی کانوا مائمتهم
او قیل من خیر اهل الارض قیل هم

''اگر متقی لوگوں کو شمار کیا جانے لگے تو یہ ان کے پیشوا ہوتے ہیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ زمین میں سب سے بہتر کون ہے تو یہی جواب ہوتا ہے کہ یہی ہیں۔''

لا یستطیع جواد بعد غایتهم
ولا یدا ینهوا قوم وان کرموا

''کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی قوم ان کے برابر ہو سکتی ہے خواہ کتنی ہی شریف و کریم الطبع ہو۔''

هـم الـغيـوث اذا مـا ازمة ازمـت

والاسـد اسـد الشـرى والبـاس معـتـدم

''جب کبھی قحط سالی ہوتی ہے تو یہ ابرِ باراں کی طرح ہو جاتے ہیں اور خوف ودہشت کے وقت شری مقام کے شیروں کی طرح ہوتے ہیں۔''

لا يـنـقـص العسر بسـطـا مـن اكـفّهـم

سيـان ذالک ان اثـروا وان عـدمـوا

''ان کی ہتھیلیوں کی فراخی کو فقر و فاقہ تنگ نہیں کر سکتا۔ ان کے یہاں تو آسودگی اور تنگی دونوں برابر ہیں۔''

يـا بـى لهـم ان يـحـل الـذم سـاحتهـم

خـلـق كـريـم وايـد بـالـندى حـضـم

''ان کی مذمت و برائی کرنے سے ان کے پاکیزہ اخلاق اور فیاض ہاتھ روکتے ہیں۔''

اى الـخـلائـق ليسـت فـى رقـابهـم

لا ولية هـذا اوّلـه نـعـم

''مخلوق میں ایسا کون ہے جس کی گردن میں ان کی نوازش و کرم کا طوق نہ ہو۔''

مـن يـعـرف الـلّٰـه يـعـرف اولية ذا

فـالـديـن مـن بيـت هـذا نـالـه الامـم

''جو شخص خدا کو جانتا ہے وہ ان کی عظمت کو بھی پہچانتا ہے اس لئے کہ سبھی لوگوں نے ان کے گھرانے سے دین حاصل کیا ہے۔''

ان کنت لا تعرفه فاللّٰه یعرفه
والعرش یعرفه واللوح والقلم

''اگر تم ان کو نہیں جانتے پہچانتے تو خدا تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ عرش، لوحِ محفوظ اور قلم بھی ان کو جانتے ہیں۔''

ولیس قولک ھذا بضائرہ
العرب تعرف من انکرت العجم

''اور تیرا یہ کہنا کہ وہ کون ہیں ان کے لئے مضر نہیں اس لئے کہ جس کا تم انکار کرتے ہو ان کو عربی وعجمی سب جانتے ہیں۔''

یہ قصیدہ سنتے ہیں ہشام کو غصہ آ گیا۔ چنانچہ مکہ و مدینہ کے درمیان مقامِ عسفان میں فرزدق کو قید کر لیا۔ جس وقت حضرت زین العابدینؒ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھیجے اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو ہم زائد پیش کر دیتے۔ فرزدق نے کہا، فرزندِ رسولؐ! جو بھی میں نے کہا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ و رسولؐ کے لئے غصہ کی وجہ سے کہا ہے، کچھ لینے کی غرض سے نہیں کہا۔ آپؒ نے فرمایا، بہت بہت شکریہ۔ بات یہ ہے کہ ہم اہل بیت ہیں جب کوئی کام کرتے ہیں تو اقدام واپس نہیں کرتے۔ اس پر فرزدق نے آپؒ کا ہدیہ قبول کر لیا اور قید خانہ میں بھی ہشام کی ہجو کرتا رہا حتیٰ کہ ہشام نے اس کو رہا کر دیا۔ (حیوۃ الحیوان ۱/۶۶)

شیخ عمر النسائی کی خوش قسمتی

۵۴۸ھ/1153ء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ:

حجرہ منیفہ میں دھماکہ کی آواز سنی گئی مگر اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ چنانچہ امیر مدینہ قاسم بن مہنا الحسینی کو واقعی کی اطلاع دی گئی۔ موصوف نے کہا کہ صورت حال معلوم

کرنے کے لئے کسی آدمی کو حجرہ کے اندر اتارا جائے۔ اس پر سب متفکر ہوئے کہ کون سا ایسا متقی پرہیز گار آدمی ہو جو یہ خدمت ادا کر سکے۔ بالآخر سب کی نظر انتخاب شیخ المشائخ، امام العارفین، والاتقیاء الشیخ عمر النسائی پر پڑی۔ موصوف موصل کے باشندے تھے لیکن عرصہ دراز سے مدینہ باسکینہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب انہیں اس مقصد سے آگاہ کیا گیا تو فرمایا، اس مقدس خدمت کی بجا آوری کے لئے چند دن کی مہلت کی ضرورت ہے تاکہ میں تیاری کرسکوں۔

چنانچہ موصوف نے کئی دن تک خورد ونوش ترک کر دیا اور ہمہ وقت ذکرِ خداوندی میں مصروف ومستغرق رہے۔ پھر جب داخل ہونے کو تیار ہو گئے تو لوگوں نے رسیوں کے ذریعہ مسجد کی چھت کے نیچے سے حجرہ شریفہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے تعمیر کردہ پنج گوشہ احاطہ کے درمیان اتارا۔ پھر وہ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے۔ موصوف اپنے ساتھ روشن شمع بھی لے گئے تھے۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ حجرہ شریفہ کی دیوار اور چھت کا کچھ حصہ قبور مبارکہ پر گرا پڑا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اچھی طرح صفائی کی اور اپنی ریش مبارک سے قبور مقدسہ پر جھاڑو دیا۔

روضہ اقدسؐ میں نقب زنی کی جسارت

سلطان نورالدین محمود شہید بن عمادالدین زنگی المتوفی ۵۶۹ھ/ 1173ء نہایت متقی، پرہیز گار، ذاکر، شاغل، شب بیدار اور عادل بادشاہ تھا۔ ۵۵۷ھ/ 1162ء کو ایک رات نمازِ تہجد سے فارغ ہو کر سو گیا۔ خواب میں آقائے دو جہاں ﷺ کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا۔ حضورِ اقدسؐ نے نیل گوں آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ

کھلی، فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر بعد لیٹا ہی تھا کہ معاً آنکھ لگ گئی، دوبارہ وہی خواب دیکھا جس سے پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا مگر نیند غالب آ گئی اور سو گیا۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا۔ بادشاہ یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اپنے نیک سیرت وزیر جمال الدین کو بلا کر خواب سے آگاہ کیا۔ وزیر باتدبیر نے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر مدینہ منورہ روانہ ہو جانا چاہئے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے۔

بادشاہ فی الفور تیار ہو گیا۔ وزیر موصوف اور بیس خاص خدام کو ساتھ لیا۔ تیز رو اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال و متاع لاد کر اسی رات مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ شب و روز سفر کرنے کے بعد سولہویں دن شام کے وقت مصر سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ بادشاہ موصوف نے مدینہ باسکینہ میں داخل ہونے کے بعد نہایت عجز و نیاز اور ادب و احترام کے ساتھ مسجدِ نبویؐ شریف میں داخل ہو کر ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے، پھر متفکر و متردد ہو کر سوچنے لگا کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ بالآخر طے پایا کہ شہر کے تمام لوگوں کی دعوت کی جائے اور ان میں انعامات تقسیم کئے جائیں۔ اس طرح مطلوبہ اشخاص کی پہچان کر کے انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وزیر موصوف نے اعلان کرایا کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں، وہ اہل مدینہ کو انعامات و اکرامات سے نوازیں گے لہٰذا ہر آدمی آئے اور سلطان کی سخاوت سے لطف اندوز ہو۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اور شاہی تحائف سے بہرور ہونے لگے۔ بادشاہ عطا کے وقت گہری نگاہ سے ہر آدمی کو دیکھتا اور خواب میں دیکھی ہوئی شکلوں کو تلاش کرتا۔ شہر کے ہر صغیر و کبیر، امیر اور فقیر نے شاہی تحائف حاصل کئے مگر جن کی جستجو تھی وہ شکلیں نہ آئیں۔ بادشاہ نے پھر اعلان کرایا کہ کوئی اور آدمی رہ گیا ہو تو اسے بھی بلا لیا جائے۔ لوگوں نے کہا، سب آدمی آ چکے ہیں، کوئی باقی نہیں رہا۔

بہت زیادہ غور وحوض اور سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے متقی، پرہیزگار، تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہیں، وہ نہیں آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں بھی بلا لیا جائے۔ لوگ کہنے لگے، بادشاہ سلامت! وہ تو بڑے مستغنی ہیں، انہیں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں، وہ خود بے دریغ صدقات و خیرات کر کے ہر آدمی کو نوازتے رہتے ہیں اور دن رات عبادت میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آئے۔

لیکن شاہی فرمان کے باعث انہیں بادشاہ کے روبرو پیش کرنا ہی پڑا۔ بادشاہ نے انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی دو آدمی خواب میں دکھائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے دریافت کیا، تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے بتایا، ہم مغربی لوگ ہیں، حج کو آئے تھے۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ زیارت نبویؐ کو حاضر ہوئے اور حضورِ اقدسؐ کے پڑوس میں رہنے کی تمنا اور شوق نے یہیں کا کر دیا۔ بادشاہ نے ان کی قیام گاہ دریافت کی۔ بتایا گیا کہ وہ روضہ انور کے قریب ہی ایک رباط میں مقیم ہیں۔ انہیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر بادشاہ ان کی قیام گاہ پر گیا۔ تلاش بسیار اور تجسس کے باوجود مال ومتاع اور چند کتابوں کے سوا کوئی مشتبہ چیز نظر نہ آئی جس سے خواب کی تعبیر پایہ تکمیل کو پہنچتی۔

بادشاہ کی پریشانی اور فکر ہر گھڑی بڑھتا جا رہا تھا اور ادھر اہالیان مدینہ ان مشتبہ افراد کی سفارش کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں، انہیں عبادت و ریاضت سے فرصت کہاں؟ دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز ریاض الجنۃ میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع کی زیارت اور ہر شنبہ کو مسجد قبا پابندی سے جانا ان کے معمولات میں شامل ہے۔ ان کی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں۔ سال رواں میں قحط کے باعث اہل مدینہ کے ساتھ بے حد ہمدردی اور غمگساری کا برتاؤ کیا، بڑی فراخ دلی سے روپیہ پیسہ خیرات کیا۔

ایسی باتوں نے بادشاہ کے تفکرات میں اور بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ بادشاہ پریشانی

کے عالم میں کہتا ہے، یا خدا! سمجھ نہیں آ رہا، کیا معاملہ ہے؟ دفعتاً بادشاہ کو خیال آیا کہ ان کے مصلے والی جگہ دیکھی جائے۔ ایک بوریئے پر بچھا ہوا مصلیٰ الٹا تو ایک پتھر نظر آیا۔ جب پتھر ہٹایا گیا تو سرنگ نمودار ہوئی جو بہت گہری اور بہت دور قبر اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔

سمجھے تھے جسے رہبر، وہی رہزن نکلا

بادشاہ نے انہیں ڈرا دھمکا کر اس مذموم حرکت کا سبب دریافت کیا۔ چار و ناچار انہیں حقیقت کا انکشاف کرنا ہی پڑا اور اس راز کو بھی افشا کرنا پڑا جس کے پس پردہ عیسائیت ایک منحوس خواب دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بے پناہ مال و دولت اور زر کثیر دے کر اس لئے بھیجا کہ کسی طرح حجرہ مقدسہ میں داخل ہو کر سیّد کائنات، رحمتِ موجودات ﷺ کے جسد عنبریں کے ساتھ گستاخانہ حرکت کریں اور نکال کر لے جائیں۔ ہم رات بھر کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر رات ہی میں بقیع کے مضافات میں ڈال دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات یہ نقب زن قبر اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے۔ اس رات سخت بارش ہوئی اور گرج و چمک سے زبردست زلزلہ آیا اور تیز و تند جھکڑ چل رہے تھے۔

سلطان نور الدین زنگیؒ ان کی ایمان سوز باتیں سن کر آتش غضب سے بھڑک اٹھا اور انہیں عبرت ناک سزا کا حکم دیا لیکن بادشاہ کی طبیعت میں غیض و غضب کی شدت کے باوجود ایک عجیب رقت انگیز کیفیت بھی طاری تھی کہ اللہ جل جلالہٗ اور مدنی تاجدار ﷺ نے اس خدمتِ جلیلہ پر مجھے مامور فرمایا۔ بالآخر انہیں قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا، اسی شام لوگوں نے ان کی منحوس لاشوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

کذلک العذاب ولعذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون.

ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد سلطان موصوف نے حجرہ منیفہ کے چاروں

طرف شکست وریخت سے محفوظ ایسی مضبوط دیوار بنوائی جس کی بنیادیں پانی تک گہری کھود کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار سطح زمین تک بنادی۔ اس پر مسجد کی چھت تک دیوار بنائی جس میں دروازہ نہیں رکھا تاکہ قبورِ مقدسہ زمانہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہیں۔

امام زین الدین مراغی نے بھی قدرے اختصار سے یہ واقع بیان کیا ہے۔

خسف کا ایک عبرت ناک واقعہ

چراغِ را کہ ایزد بر فروزد
کسے کوتف زند ریشش بسوزد

شیخ شمس الدین صواب رئیس خدام حرم نبویؐ بیان کرتے ہیں کہ:

میرے ایک مخلص دوست جن کے امیر مدینہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے، میں انہی کی وساطت سے امیر مدینہ سے کام کرایا کرتا تھا، ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ حلب کے رافضیوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے۔ جنہوں نے نہایت قیمتی سامان اور تحائفِ نادرہ امیر کو بطور رشوت دے کر ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اجسام نکال لے جانے پر رضامند کرلیا۔ امیر موصوف مذہبی بے حسی اور حب دنیا کا شکار ہو کر ان کے دام میں پھنس گیا اور انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ شیخ موصوف کہتے ہیں، یہ بات سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے اور میں اسی فکر میں بیٹھا ہی تھا کہ امیر کا قاصد بلانے آ گیا۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ امیر نے کہا، آج رات کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے، ان کے لئے دروازہ کھول دینا اور ان کے کام میں مداخلت نہ کرنا۔ بہت اچھا جناب، کہہ کر میں واپس آ گیا مگر سارا دن حجرہ مقدسہ کے پاس بیٹھے روتے گزر گیا۔ لمحہ بھر کے لئے بھی آنسو نہ تھمے، کسی کو کیا خبر کہ مجھ پر کیا گزری؟

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب لوگ چلے گئے تو میں نے دروازے بند کر دیئے۔ کچھ دیر بعد باب السلام جو امیر مدینہ کے گھر کے قریب تھا، کی طرف سے وہ لوگ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے حسب الحکم دروازہ کھول دیا اور وہ اندر آنا شروع ہوئے، ان کی تعداد چالیس تھی۔ وہ لوگ پھاوڑے، کدال، ٹوکریاں، کھودنے کے دیگر آلات اور شمع ساتھ لائے تھے۔ میں سخت حیران اور پریشان ہو کر ایک طرف بیٹھا رونے اور سوچنے لگا کہ خداوندا! تو قیامت برپا کردے تاکہ یہ بدطینت اپنے ناپاک عزائم سے باز رہیں۔

وہ لوگ مسجد شریف میں داخل ہو کر حجرہ مقدسہ کی طرف بڑھتے جارہے تھے لیکن رَبّ ذوالجلال کی قدرت پر قربان جاؤں جس نے اپنے محبوب و مقبول بندوں کی حفاظت کا ایسا غیبی انتظام فرمایا جسے دیکھ کر عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ وہ ابھی منبر شریف تک پہنچنے ہی نہ پائے تھے کہ ساز و سامان سمیت زمین میں دھنس گئے۔

فاخذهم اخذة رابية، فهل ترىٰ لهم من باقية.

یہ واقع سیّدنا حضرت عثمانؓ کی توسیع کے پہلے مغربی ستون کی جگہ کے قریب پیش آیا تھا۔

امیر مدینہ ان لوگوں کی واپسی کا منتظر رہا لیکن زیادہ دیر گزر جانے پر اس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو امیر نے پوچھا، کیا وہ لوگ نہیں آئے؟ میں نے کہا، آئے تھے۔ امیر کہنے لگا، پھر کیا ہوا؟ میں نے جو ماجرا دیکھا تھا، لفظ بلفظ کہہ سنایا لیکن امیر کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ انہیں زمین نگل گئی ہو۔ امیر نے ذرا درشت لہجہ میں کہا، ہوش سے بات کرو۔ میں نے کہا، آپ تشریف لے چلیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، ابھی دھنسنے کے آثار اور کچھ کپڑے وغیرہ نظر آرہے ہیں۔ امیر نے مجھے سخت تنبیہ کی کہ اس واقعہ سے کسی کو آگاہ نہ کرنا ورنہ تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔

فاعتبروا یا ولی الابصار.

علامہ محبّ الدین طبری فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ بیان کرنے والے سچائی، دیانت، ورع اور تقویٰ میں مشہور تھے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شد

ایک اور ناپاک جسارت

اسی طرح عبیدی حکومت کے چھٹے حکمران ''الحاکم'' کے عہد میں بغض صحابہؓ سے مخمور اور عداوتِ صحابہؓ میں چور کچھ شر پسند عناصر، بدطینت رافضیوں نے بادشاہ کو سبز باغ دکھائے کہ:

دنیا بھر کے مسلمان مدینہ منورہ میں پروانہ وار جمع ہوتے ہیں۔ کیوں نہ مصر ہی میں گنبد خضراء کی طرز کا ایک عالی شان گنبد بنایا جائے اور پھر نبی کریم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وجود مدینہ منورہ سے نکال کر نئے گنبد میں منتقل کر دیئے جائیں تاکہ لوگ زیارت کرنے مصر آئیں اور تیرا نام دنیا میں روشن ہو اور مصر کے لوگوں کی عزت کو چار چاند لگ جائیں۔ الحاکم زندیق مشیروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور مصر میں ایک فقید المثال عمارت اور شاندار گنبد بے انتہا دولت خرچ کر کے تعمیر کرایا۔ جب وہ بیت العنکبوت (مکڑی کا گھر) مکمل ہو گیا تو اپنے ایک معتمد اور مقرب آدمی ''ابوالفتوح'' کو ناپاک پروگرام کے لئے مدینہ منورہ بھیجا۔ اس بات کا پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا گیا کہ ہر کس و ناکس بادشاہ کے مذموم ارادہ سے آگاہ تھا۔ ابوالفتوح جب مدینہ طیبہ پہنچا تو اس کی ملاقات معززین شہر سے ہوئی۔ ان میں سے ایک قاری صاحب نے یہ آیات تلاوت کیں:

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلو ائمة

الکفر انهم لا ایمان لهم لعلم ینتهون☆ الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول وهم بدء و کم اوّل مرة اتخشونهم فالله احق ان تخشوه ان کنتم مؤمنین.

''اور اگر وہ لوگ عہد کر دینے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرغنوں کو قتل کر دو۔ بے شک ان کی قسمیں باقی نہ رہیں۔ تم ان سے لڑائی کیوں نہیں کرتے جنہوں نے قسم توڑ دی اور اللہ کے رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہل کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ اگر تم ایماندار ہو۔''

تلاوت کچھ ایسی باعظمت اور رقت انگیز انداز میں ہوئی کہ حاضرین میں ایک ولولہ اور زبردست ہیجان پیدا ہو گیا اور وہ ابوالفتوح کو کیفر کردار تک پہنچانے پر تل گئے لیکن شہر خوباں کی عظمت اور خداداد حکمرانی کے باعث وہ اس سے دست کش رہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوالفتوح کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ سخت خوفزدہ ہو کر کہہ رہا تھا۔ خدا کی قسم! اگر میرا سر قلم کر دیا جائے تب بھی پرواہ نہیں مگر میں قبر مبارک کی طرف برے ارادہ سے ہاتھ تک نہیں اٹھاؤں گا۔ اس رات ایسی تند و تیز آندھی آئی جس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کرہ زمین اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں دوسری جگہ پہنچ گیا ہو۔ بادصرصر اونٹ بمعہ پالانوں کے اور گھوڑوں کو زینوں سمیت گیند کی پٹخ پٹخ کر مار رہی تھی۔ ابوالفتوح اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر سخت اندوہگیں ہوا۔ اس کا دل خوفِ خداوندی سے کانپ اٹھا اور بادشاہ کے ظلم وستم کا خیال کافور ہو چکا تھا۔ اس نے صدق دل سے اس ناپاک پروگرام سے توبہ کر لی اور عزت وعظمت اور امن وسلامتی کے ساتھ وطن لوٹ گیا۔

غازی علم الدین شہیدؒ

زندگی امن اور چین سے گزر رہی تھی۔ بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔اب علم الدین کی باری تھی چنانچہ ماموں کی بیٹی سے منگنی ہو گئی۔شادی کی طرف پہلا قدم تھا۔

علم الدین کو گھر اور کام سے سروکار تھا۔ باہر جو طوفان برپا تھا اس کی خبر نہ تھی۔''اس وقت انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ گندی ذہنیت کے شیطان صفت راجپال نامی بدبخت نے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کے خلاف ایک دل آزار کتاب (رنگیلا رسول) شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔''

وہ سیدھے سادھے مسلمان یعنی انسان تھے۔ باہر تو اور بھی کئی طوفان اٹھ رہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد زندہ باد! انقلاب زندہ باد! فرنگی راج زندہ باد اور اسی نوع کی فلک شگاف نعرے، رات دن گونج رہے تھے۔ادھر ان کی سب کو تہس نہس کرنے کے لیے راجپال نے نفرتوں اور کراہتوں سے لدا پھندا طوفان برپا کر دیا ہے۔اس طوفان بدتمیزی سے ہندو آپس میں بٹ گئے۔ مسلم دشمن ایک طرف ہو گئے۔عدل وانصاف کے پرستار اور ہندو مسلم اتحاد کے طلبگار دوسری طرف ہو گئے۔ ثانی الذکر کی تعداد کم تھی چنانچہ ان کی دال نہ گل رہی تھی۔اب تو علم الدین کے دل میں بھی طوفان برپا ہوا جس نے ایک دم ان کی سوچ ہی بدل دی۔شاید ان کی گھریلو تعلیم وتربیت کا یہی نتیجہ تھا۔علم الدین کی سرفرازی اور ان کے گھرانے کی سربلندی کا وقت آ گیا تھا۔قدرت کو اسی گھڑی کا انتظار تھا، وقت نے انہیں اسی کے لئے تیار کیا تھا۔انہوں نے امن وسکون سے جو بیس سال گزارے، وہ اب زندگی کے نئے موڑ پر آ گئے، ہوا کا رُخ بدل گیا۔یہی نہیں بلکہ ہوا طوفان خیز ہو گئی۔

حکومت کو راجپال کے خلاف مقدمہ چلانے کو کہا گیا، مقدمہ چلا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

عبد العزیز اور اللہ بخش کو الجھا کر سزا دی گئی، الٹا چور سرخرو ہوا اور کوتوال ان کے ساتھ مل گیا۔ اخبارات چیختے چلاتے، راجپال کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کرتے۔ جلسے ہوتے، جلوس نکلتے لیکن حکومت اور عدل وانصاف کے کان بہرے ہو گئے۔

مسلمان دل برداشتہ تو ہوئے لیکن سرگرم عمل رہے۔ دلی دروازہ سرگرمیوں کا گڑھ تھا، یہاں سے جو آواز اٹھتی پورے ہند میں گونج جاتی۔ وہ دور ہی ایسا تھا۔ دلی دروازہ اور موچی دروازہ میں ہر دم جوالا مکھی سلگتی رہی۔ آتش نفس مقرر انہیں ہوا دیتے رہے، یہ باکمال مقرر زندگی کو موت سے لڑا دیتے، زندگی دیوانہ وار موت کے گلے پڑ جاتی، لوگ سود و زیاں سے بالاتر ہو جاتے اور بے دریغ جانوں پر کھیل جاتے۔ راجپال کا معاملہ اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ دلی دروازے کے باغ میں اس کا ذکر لازم ہو گیا۔

علم الدین حالات سے بے خبر تھے۔ ایک روز حسبِ معمول کام پر گئے ہوئے تھے، غروبِ آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے تو دلی دروازے میں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رکے، کچھ دیر سنتے رہے لیکن ان کے پلے کوئی بات نہ پڑی۔ قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا تو انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ راجپال نے نبی کریم ﷺ کے خلاف کتابی چھاپی ہے، اس کے خلاف تقریریں ہو رہی ہیں۔

وہ دیر تک تقریریں سنتے رہے۔ پھر ایک مقرر آئے جو پنجابی زبان میں تقریر کرنے لگے، یہ علم الدین کی اپنی زبان تھی جس کی تربیت گھر سے ملی تھی، اردو کی تعلیم مدرسے سے ملتی تھی، مدرسے وہ گئے ہی نہیں۔ پنجابی تقریر اچھی طرح ان کی سمجھ میں آئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ راجپال نے کتاب چھاپی ہے جس میں ہمارے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اور نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ راجپال واجب القتل ہے، اسے

اس شرانگیز حرکت کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔

علم الدین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے، پڑھے لکھے نہ تھے، سیدھے سادھے مسلمان تھے۔ اور کچھ نہ سہی کلمہ تو انہیں آتا تھا، یہی بہت بڑا سرمایہ حیات تھا ان کے لئے۔ کلمے میں اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کا نام ایک سانس میں لیتے تھے۔ یہی دو سہارے، دو محور تھے ان کی سوچ کے۔

جب جہاد باللسان اور جہاد بالقلم سے کام نہ بنے تو پھر جہاد بالسیف ہی سے قضیہ نمٹتا ہے۔ علم الدین بے چارے کے اس اس سلسلہ میں لسان اور قلم کہاں سے آئے؟ تقریر کر سکتے، نہ لکھ پڑھ سکتے لیکن ان کے ہاتھ میں وہ خوبی تھی جس نے جہاد بالسیف کا راستہ ہموار کیا، آسان کیا۔ اس کے پیچھے وہ شدید اور گراں قدر جذبہ تھا جو شر کو مٹانے کے لئے حرکت میں آیا۔ انہوں نے راجپال کو اس کی شرارت بلکہ شرانگیزی کی سزا دینا ضروری سمجھا۔

دلی دروازے کے باغ سے آتش نوا مقرروں کو تقریریں سن کر دیر سے گھر آئے تو طالع مند (والد) نے پوچھا، دیر سے کیوں آئے ہو؟ تو انہوں نے جلسے کی ساری کاروائی بیان کی۔ راجپال کی حرکت کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ جلسے میں اسے واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ طالع مند بھی سیدھے سادھے کلمہ گو تھے۔ ہر مسلمان کی طرح انہیں بھی اپنے نبیؐ کی شان میں گستاخی گوارا نہ تھی۔ انہوں نے بھی اس بات کی تائید کی کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات پر حملہ کرنے والے بداندیش کو واصل جہنم کرنا چاہئے۔

یوں علم الدین کو گویا گھر سے بھی اجازت مل گئی اور دشمن کا کام تمام کرنے کے خیال کو تقویت پہنچی۔ علم الدین کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔ وہ اپنے دوست شیدے سے ملتے، راجپال اور اس کی کتاب کا ذکر کرتے، ان دنوں کوچہ و بازار میں ہر جگہ یہی موضع زیر بحث آتا۔ جہاں دو بندے اکھٹے ہوئے، راجپال کی حرکت پر تبادلہ

خیال شروع ہوگیا۔فرنگی کی جانبداری، مجرم کو کھلی چھٹی دینے اور مسلمانوں کو جبر وتشدد کا نشانہ بنانے کا تذکرہ ہوتا۔مسلمانوں کی تاریخی رواداری اور غیر مسلم ہمسایوں سے حسن سلوک کی باتیں ہوتیں۔رات دن یہی ہوتا باقی تمام موضوع اس موضوع میں دب کر رہے گئے۔ذکرِ خدا اور ذکرِ محمدؐ کو اولیت حاصل نہ ہوتو اور کس موضوع کو ہو؟ شیدا اچھا لڑکا تھا لیکن ایک بھلے آدمی نے طالع مند کے دل میں شک بٹھا دیا کہ وہ آوارہ ہے، علم الدین کی اس سے دوستی ٹھیک نہیں۔طالع مند نے بیٹے کو سمجھایا لیکن بات نہ بنی۔علم الدین کا یہی ایک نوجوان مزاج آشنا تھا، اسی کے ساتھ علم الدین گھومتے پھرتے۔

پتہ نہ چل رہا تھا کہ راجپال کون ہے؟ کہاں ہے دکان اس کی؟ کیا حلیہ ہے اس کا؟

انجام کار علم الدین کو شیدے کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ شاتم رسول ہسپتال روڈ پر دکان کرتا ہے۔طالع مند کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ علم الدین کو کیا ہوگیا ہے، کام پر باقاعدہ نہیں جاتا، کھانے کا بھی ناغہ کر لیتا ہے۔کیا عجب کہ علم الدین کے روز و شب کے معمولات میں جو بے قاعدگی آئی ہے اس کا سبب شیدا ہو، جس کے باپ کی نسبت خبر ملی کہ وہ جواری ہے اور اپنی دکان جوئے میں ہار چکا ہے۔

طالع مند کی طبیعت غصیلی تھی۔علم الدین جب دیر سے گھر آئے اور طالع مند کو پتہ چلا کہ شیدے لوفر کے ساتھ پھرتے رہے ہیں تو وہ غصے سے لال پیلے ہوگئے۔باپ کے سامنے جوان بیٹا خاموش سر جھکائے کھڑا رہا۔باپ کا ادب بھی تھا، ڈر بھی تھا۔باپ نے انہیں پکڑ کر دھکیلا اور کہا، چلا جا اس لوفر کے پاس۔بڑے بھائی محمد دین کو اپنے چھوٹے بھائی سے بڑا پیار تھا۔فوراً بیچ بچاؤ کے لئے آئے اور باپ کو منا لیا۔بھائی اندر لے گیا اور ناصحانہ درس دیا، اونچ نیچ سمجھائی، بری صحبت سے بچنے کو کہا۔

علم الدین کو اپنی ذات پر یقین تھا اور جانتے تھے کہ وہ بری صحبت کے شکار نہیں،

شیدے کے حوالے سے بری صحبت کا سن کر آبدیدہ بھی ہوئے اور برہم بھی۔ وہ پوری طرح واضح نہیں کر سکتے۔ ان کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا اس کا وہ کیسے ذکر کرتے؟ موت اورزندگی کا سوال تھا، انہوں نے سر پر کفن باندھ لیا تھا لیکن کسی کونظر نہ آ رہا تھا۔ اپنے ارادے کا خفیف سا اشارہ بھی کسی کو نہ دے سکتے تھے۔ مبادا کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے اور وہ شک کی بھول بھلیوں میں جا پہنچیں۔ البتہ اب اتنا ضرور ہو گیا کہ گھر میں راجپال کے قتل کی بات عام انداز میں ہونے لگی، اس گفتگو میں طالع مند اورعلم الدین شریک ہوتے۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی، گھر گھر اس کا چرچا تھا۔

لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی، ادھر باہر بھی آگ بھڑک رہی تھی۔ مسلمانوں کے لیڈر، رہنما، سیاسی اور مذہبی خطیب پوری قوت سے کہہ رہے تھے کہ زبان دراز راج پال کو عبرت ناک سزا دی جائے تا کہ ایسا فتنہ پھر کبھی سر نہ اٹھائے۔ عاشق رسولؐ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بڑی رقت انگیز تقریر کی۔ دفعہ 144 کا نفاذ تھا جس کی رُو سے کسی نوع کا جلسہ، اجتماع نہیں ہو سکتا تھا لیکن مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگارہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسولؐ نے ناموس رسالت پر جو تقریر کی، وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہو گئی، کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی ﷺ کی عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرۂ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔''

اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی

نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''آج مفتی کفایت اللہ اور احمد سعید کے دروازے پر اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ دروازہ پر تو کھڑی نہیں۔''

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ ابل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبدِ خضریٰ میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہؓ اور عائشہؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ، تمہارے دلوں میں اُمہات المومنین کے لئے کوئی جگہ ہے؟ آج اُمّ المومنین عائشہؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ ''حمیرا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے، جنہوں نے سید عالم ﷺ کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے خدیجہؓ اور عائشہؓ کے لئے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔''

شاہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

''جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالتؐ پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکا لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ دفعہ 144 کے یہیں

پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ میں دفعہ 144 کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتادوں گا۔"

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جی نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ لاہور میں بدنامِ زمانہ کتاب، اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جا بجا جلسے ہونے لگے۔ انہی دنوں انجمن خدام الدین نے شیرانوالہ دروازہ میں راجپال کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

سارا ماحول شعلوں سے بھرپور ہو گیا۔ ملک کے طول و عرض میں احتجاجی جلسے ہونے اور جلوس نکلنے لگے تھے۔ آخر ایک مردِ غازی اٹھا اور اس نے ایک صبح راجپال کی دکان پر جا کر چاقو سے حملہ کیا۔ تیس برس کا یہ مجاہد اندرون یکی دروازے کا شیر فروش خدا بخش اکو جہاں تھا۔ راجپال زخمی تو ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔ مقدمہ چلا اور جلد ہی نمٹا دیا گیا، مجاہد خدا بخش کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا۔ ایک دو دن کی کاروائی کے بعد عدالت نے سات سال قید سخت کی سزا دی جس میں تین ماہ قید تنہائی کے تھے۔ رہائی کے بعد پانچ ہزار روپے کی ضمانت کا بھی پابند کیا گیا۔ مسلمان اس عدالتی فیصلے کو کیونکر قبول کرتے، سراسر ناانصافی ہو رہی تھی او مجرم کو پناہ دی جا رہی تھی۔ عدالت سے ملزم کو قرار واقعی سزا ملنے کی امید نہ رہی تو وہ خود ہی برائی کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بات ہند کی حدود سے باہر جا چکی تھی چنانچہ افغانستان کے عبدالعزیز نامی غیور تاجر نے راجپال پر حملہ کیا لیکن انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ عبدالعزیز مہاشے کی دکان پر پہنچ گئے ہاں دو آدمی بیٹھے اسلام کے خلاف اشتعال انگیز گفتگو کر رہے تھے۔ غازی نے اپنی دانست میں مہاشہ راجپال پر حملہ کیا

لیکن وہ سوامی ستیا نند تھا۔ اب پھر بسرعت فیصلہ کیا گیا، عبدالعزیز وکیل کے بغیر پیش ہوئے۔ عدالت اتنی جلدی میں تھی کہ وکیل بنانے کے لئے وقت ہی نہ ملتا۔ 9 اکتوبر 1927ء کو حملہ ہوا، 11 اکتوبر کو عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، 12 اکتوبر کو عدالت نے سات سال قیدِ سخت کی سزا دی۔ تین ماہ قیدِ تنہائی، رہائی کے بعد پانچ پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں دینا قرار دیا۔ شاید ہی کبھی عدالت میں قتل کے مقدمات اس عجلت سے پیش ہوئے اور وکیل کے بغیر نمٹا دیئے گئے ہوں۔ یہ صورتحال بیسویں صدی کی فرنگی عدالتوں کی تھیں، کلیسائی عدالتوں کے صدیوں بعد بھی فرنگی کے تیور نہ بدلے، امن قائم نہ ہوا۔

اب غازی علم الدین حرکت میں آئے۔ ان کا رویہ والدین کے لئے تشویش ناک تھا، علم الدین کے کام میں بے قاعدگی اور طبیعت میں بے کلی آ گئی تھی، اکھڑ پن آ گیا تھا رویئے میں۔ طالع مند نے علم الدین کے بارے میں سوچا، اس اکھڑ پن کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کا بیاہ کر دیا جائے۔ ماں باپ کو اولاد کی پریشانی کے سلسلہ میں یہی نسخہ یاد ہے، سب اسی کو آزماتے ہیں۔ طالع مند نے فیصلہ کر لیا کہ علم الدین کو جلد ہی سلسلہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے گا۔

ادھر علم الدین کی حالت ہی اور تھی۔ ایک رات اس نے خواب دیکھا، ایک بزرگ ملے اور انہوں نے کہا، علم الدین! ابھی تک سو رہے ہو۔ تمہارے نبیؐ کی شان کے خلاف دشمن کارروائیوں میں لگے ہیں، اٹھو جلدی کرو۔ علم الدین ہڑبڑا کر اٹھے، ان کا تمام جسم پسینے میں شرابور تھا، پھر آنکھ نہ لگی۔ منہ اندھیرے اٹھے، اوزار سنبھالے اور سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔ شیدے کو لیا اور بھاٹی دروازہ کی طرف چلے گئے۔ ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ عجیب بات ہے کہ علم الدین نے خواب دیکھا تھا تو ویسا ہی خواب شیدے نے رات کو دیکھا تھا۔ دونوں ہی کو بزرگ نے راجپال کا صفایا کرنے کو کہا، دونوں پریشان

ہوئے۔ کون یہ کام کرے، کون نہ کرے۔ دیر تک بحث چلتی رہی، دونوں ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے لیکن ان میں کوئی فیصلہ نہ ہورہا تھا، دونوں ہی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ آخر قرار پایا کہ قرعہ اندازی کی جائے، دونوں اس پر رضامند ہوگئے۔ دو مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی، دونوں مرتبہ علم الدین کے نام کی پرچی نکلی۔ شیدے نے اصرار کیا کہ تیسری بار پھر قرعہ اندازی کی جائے۔ پرچی نکالنے والا اجنبی لڑکا حیران تھا کہ یہ دونوں جوان کیا کر رہے ہیں۔ آخر تیسری بار پر علم الدین رضامند ہوگئے۔ اب پھر انہی کا نام نکلا۔ اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ علم الدین مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے۔ قرعہ فال انہیں کے نام نکلا، وہی باہمی فیصلے سے شاتم رسولؐ کا فیصلہ کرنے پر مامور ہوئے۔ پھر دونوں وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

گھر والوں کو خبر ہی نہ ہوئی کہ علم الدین نے کیا فیصلہ کیا ہے، ان کے اندر کب سے طوفان انہیں بے چین کر رہا ہے اور اس کا منطقی انجام کیا ہوگا؟ ان کی زندگی میں جو بے ترتیبی آئی ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ ایک مرتبہ پھر خواب میں آکر بزرگ نے اشارہ کیا۔ علم الدین! اٹھو، جلدی کرو، دیر کی تو کوئی اور بازی لے جائے گا۔ ارادہ تو کر ہی چکے تھے مکرر خواب میں بزرگ کو دیکھا تو ارادہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ آخری بار اپنے دوست شیدے سے ملنے گئے، اسے اپنی چھتری اور گھڑی یادگار کے طور پر دی۔ گھر آئے، رات گئے تک جاگتے رہے۔ نیند کیسے آتی؟ وہ تو زندگی کے سب سے بڑے مشن کی تکمیل کی بابت سوچ رہے تھے، اس کے علاوہ اب کوئی دوسرا خیال پاس بھی پھٹک نہ سکتا تھا۔ اگلی صبح گھر سے نکلے، گمٹی بازار کی طرف گئے اور آتما رام نامی کباڑیئے کی دکان پر پہنچے جہاں چھریوں کا ڈھیر لگا تھا۔ وہاں سے انہوں نے اپنے مطلب کی چھری لے لی اور چل دیئے۔ اب ''نغمہ بیش از تار'' ہو گیا۔ روح بے قابو ہوگئی۔

انار کلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے ہی راجپال کا دفتر تھا۔ معلوم ہوا کہ راجپال ابھی نہیں آیا، آتا ہے تو پولیس اس کی حفاظت کے لئے آ جاتی ہے۔ اتنے میں راجپال کار پر آیا، کھوکھے والے نے بتایا، کار سے نکلنے والا راجپال ہے، اسی نے کتاب چھاپی ہے۔

راجپال ہردوار سے واپس آیا تھا۔ دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پولیس کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے ٹیلیفون کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ علم الدین دفتر کے اندر داخل ہوئے، اس وقت راجپال کے دو ملازم وہاں موجود تھے۔ کدار ناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا جب کہ بھگت رام راجپال کے پاس ہی کھڑا تھا۔ راجپال نے درمیانے قد کے گندمی رنگ والے جوان کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا لیکن وہ سوچ بھی نہ سکا کہ موت اس کے اتنے قریب آ چکی ہے.......... پل جھپکنے میں چھری نکالی.......... ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور پھر راج پال کے جگر پر جا لگا.......... چھری کا پھل سینے میں اتر چکا تھا۔ ایک ہی وار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ راجپال کے منہ سے صرف ہائے کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر جا پڑا۔ علم الدین الٹے قدموں باہر دوڑے۔ کدار ناتھ اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور مچایا.......... پکڑو...... پکڑو.......... مار گیا...... مار گیا...... مار گیا۔

راجپال کے قتل کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔ پوسٹ مارٹم ہوا تو کئی ہزار ہندو ہسپتال پہنچ گئے اور آریا سماجی ''ہندو دھرم کی جے...... ویدک دھرم کی جے'' کے نعرے سنائی دینے لگے۔

امرت دھارا کے موجد پنڈت ٹھاکر دت دشرما، رائے بہادر بدری داس اور پرمانند کا وفد ڈپٹی کمشنر سے ملا اور راجپال کی ارتھی کو ہندو محلوں میں سے لے جانے کی درخواست کی لیکن ڈپٹی کمشنر نہ مانا۔ کیسے مانتا؟ اس کی منشاء کے عین مطابق، حسبِ ضرورت

ہندو مسلم اتحاد درہم برہم ہونے کی صورت پیدا ہوگئی تھی، وہ کسی کو اس حد کے آگے کیونکر جانے دیتا۔ اگلا مرحلہ تصادم کا تھا جس سے امن قائم نہ رہتا۔ فرنگی کو اس سے نقصان پہنچتا چنانچہ جب لوگ زبردستی کرنے اور ارتھی کا جلوس نکالنے پر تل گئے تو پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم ملا۔ پنجاب پولیس امن قائم کرنے کا بڑا تجربہ رکھتی ہے۔ پولیس نے لٹھ برسائے اور وہ لٹھم لٹھا ہوئی کہ توبہ ہی بھلی۔

علم الدین کے گھر والوں کو علم ہوا تو وہ حیران ضرور ہوئے لیکن انہیں یہ پتہ چل گیا کہ ان کے چشم و چراغ نے کیسا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ پولیس نے بغرض حفاظت ان کے گھر پر پڑاؤ ڈال لیا اور ہجوم کو ہٹا دیا۔ اب کوئی ان کے گھر میں جا نہ سکتا تھا، وہ بھی گھر سے باہر نہ آسکتے تھے۔ شیدا باہر رہ کر انہیں ضرورت کی چیزیں پہنچانے لگا۔ طالع مند کو قرعہ اندازی کا علم ہوا تو شیدے کے بارے میں سارے شکوک وشبہات رفع ہوگئے۔ پھر اس نے جس لگن سے خدمت کی اس سے، اس نے ان کا دل موہ لیا۔

مسلمان اب چاہتے تھے کہ حکومت غازی علم الدین کے اقدام کو درست سمجھے کیونکہ انہوں نے بجا طور پر اپنے پیارے رسولؐ کی شان میں گستاخی گوارا نہیں کی۔ ان کا دل مجروح ہوا جس کے نتیجے میں بدباطن راجپال کا خاتمہ کیا، علم الدین اپنے فعل میں حق بجانب تھے۔ غازی علم الدین کی بے گناہی میں نہ صرف ہند بلکہ افغانستان تک میں بھی آوازیں اٹھنے لگیں اور علم الدین کی بریت پر زور دیا جانے لگا۔

ادھر آریا سماج والے چلا رہے تھے کہ مسلمان انکے فرائض منصبی میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی توہین کے لئے کھلی چھٹی دی جائے۔ وہ دل آزار تقریریں کرتے اور اشتعال انگیز کتابیں کھلم کھلا چھاپتے رہیں۔ مسلمان

چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھتے رہیں اور ان سے باز پرس نہ کریں۔ فرنگی تماشا دیکھ رہا تھا اور طوفان بدتمیزی کو روک نہ رہا تھا۔

دونوں طرف آگ کے شعلے پھیل رہے تھے، نتیجہ واضح تھا۔ بالآخر دونوں قوموں کے رہنماؤں اور اخبار والوں نے سد باب کی تدبیر کی۔ باہمی افہام وتفہیم سے طے پایا کہ لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کیا جائے تا کہ فساد نہ ہو جائے۔ ایسا ہوا تو گلی گلی، کوچہ کوچہ خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی اور بڑے پیمانے پر معصوم انسان جانیں گنوا بیٹھیں گے۔ مولانا ظفر علی خان سے استدعا کی کہ اپنے اخبار ''زمیندار'' میں اشتعال انگیز خبریں اور مضامین نہ چھاپیں۔ مولانا صاحب نے صاف صاف کہا، اگر راجپال کے خلاف پہلے ہی کاروائی کی جاتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا، اب جو بویا ہے سو کاٹو۔ تاہم وہ اس شرط پر مان گئے کہ ہندو اخبارات کی زبان بندی بھی کی جائے ورنہ یہ سلسلہ تو یونہی چلتا رہے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے یقین دلایا کہ ہندو پریس کو بھی کنٹرول کیا جائے گا۔ تاہم معاملہ معمولی نہ تھا جسے لوگ دل سے اتار دیتے۔ لاہور میں علامہ اقبالؒ، مولانا محمد علی، سر شفیع، مراتب علی شاہ اور میاں عبدالعزیز نے غازی علم الدین کے حق میں قرارداد پاس کروائی۔ کتنے ہی دوسرے شہروں میں بھی ایسی ہی قراردادیں منظور ہوئیں۔ بخشی بشن داس نے کہا:

''میں ہندو ہوں اور ہندو بھی کون آریہ، بلکہ آریہ سے بھی دس قدم آگے۔ میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ تم کسی بت کو بھی گالی نہ دو۔ اس میں تمام مسلمانوں کا قصور نہیں ہے بلکہ برا فعل کرنے والا اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ سوامی دیانند کو ایک ہندو برہمن نے زہر دے دیا، اس میں قصور برہمن کا تھا نہ کہ تمام ہندوؤں کا۔ مہاشے رام چند کو جموں میں ہندوؤں ہی نے لاٹھیاں مار مار کر مار دیا، اس میں قصور صرف ان

ہندوؤں کا ہی تھا نہ کہ تمام ہندوستان کے ہندوؤں کا۔''

اس طرح ہندو مسلم کشیدگی میں کمی آئی اور اب توجہ اس امر پر دی جانے لگی کہ عدالت انصاف سے کام لے۔ آخر عدالت کا دروازہ کھلا اور غازی علم الدین کی قسمت کے فیصلے کی نوبت آئی۔ سب کی نظریں ایک نقطے پر جمع ہوگئیں۔ 10 اپریل کو پہلی پیشی ہوئی، غازی علم الدین کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا، کیسی تعجب کی بات ہے کہ اس سے پہلے بھی یہی صورت تھی۔ مردِ غازی خدا بخش اکو جہاں پر راجپال پر قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلا تو انہیں کوئی وکیل میسر نہ آیا۔ اسی طرح افغانستان کے تاجر غازی عبدالعزیز بھی راجپال پر قاتلانہ حملے کے لئے الزام میں وکیل کے بغیر ہی عدالت میں پیش ہوئے۔

بہرحال تین مرتبہ ایسا ہوا۔ بعدازاں غازی علم الدین کی طرف سے چوٹی کے وکیل پیش ہوئے۔ بعدازاں خواجہ فیروز الدین بیرسٹر نے یہ مقدمہ لے لیا۔ ان کے معاون ڈاکٹر اے آر خالد تھے، فرخ حسین بیرسٹر تو پہلے سے شامل تھے، ان میں مسٹر سلیم اور دیگر وکلاء بھی شامل ہو گئے۔ وکلاء نے جرح کی اور صفائی میں دلائل پیش کئے لیکن یہاں دلائل سننے والا اور انہیں درخورِ اعتناء کرنے والا کون تھا؟ عدالت طوفان میل کی طرح مقدمے کی سماعت کرنے اور فیصلہ سنانے کے لئے بے چین تھی۔ صفائی کے وکلاء کی کوئی بات مانی نہ گئی، کوئی دلیل قبول نہ کی گئی اور 22 مئی کو سزائے موت سنادی۔ فرخ حسین بیرسٹر بمبئی گئے اور ہندوستان کے ذہین ترین نوجوان وکیل محمد علی جناح سے ملے تا کہ وہ ہائی کورٹ میں غازی علم الدین کی اپیل کی پیروی کریں۔

جناح صاحب مان گئے۔ اس وقت ہائی کورٹ کی صورت یہ تھی کہ سر شادی لال چیف جسٹس تھے۔ جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں جو شادی لال سے سنیئر تھے، انتقال کر چکے تھے۔ ان سے پوتے میاں منظر بشیر کے بقول میاں شاہ دین کے نام سے مال روڈ (شاہراہِ

قائداعظم محمد علی جناحؒ) پر شاہ دین بلڈنگ تعمیر ہوئی۔ قریب ہی 23 لارنس روڈ پر وہ کوٹھی ہے جہاں شاہ دین ہمایوں کے فرزند ارجمند میاں بشیر احمد رہے اور قائداعظم تحریکِ پاکستان کے دوران میں قیام فرماتے تھے۔

میں شاہ دین کی بے وقت موت کے باعث جونیئر سر شادی لال کو چیف جسٹس بننے کا موقع مل گیا جس کی وجہ سے غازی علم الدین کے مقدمے میں عام عدالت سے لے کر ہائی کورٹ تک میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ ایک ہی راگ الاپا جا رہا تھا۔ راجپال نے جو فتنہ کھڑا کیا، دنیا بھر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی، وہ درست ہے۔ غازی علم الدین نے شاتم رسولؐ کو قتل کیا، وہ لائق گردن زنی ہے۔ ہائی کورٹ میں سماعت ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دفاع میں دو نکات پیش کئے:

ا: راجپال نے پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کی ہے، بدزبانی کی ہے۔ ملزم کے ذہنی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی جس سے غصے میں آ کر اس نے راجپال پر حملہ کیا۔ جرم اس پر ٹھونسا گیا ہے۔

۲: ملزم کی عمر انیس اور بیس سال کے قریب ہے۔ وہ سزائے موت سے مستثنٰی ہے۔

(بحوالہ مقدمہ امیر بنام کراؤن نمبر 954 سال 1922ء)

لیکن فرنگی اور سر شادی لال کی موجودگی میں غازی علم الدین کو کیسے بخشا جا سکتا تھا۔ 7.7.29 کو سزائے موت دی گئی۔

کب سے امتِ مسلمہ بالعموم اور اسلامیانِ ہند بالخصوص سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے، ان کے دل رو رہے تھے۔ قانون اور اخلاق کی دھجیاں اڑائی گئیں، انصاف کی آنکھ ہمیشہ اس فیصلے پر خون کے آنسو ٹپکائے گی۔ فرنگی عہد کی عدالتوں کے انتہائی غیر جانبدارانہ اور غیر منصفانہ فیصلے پر اظہارِ افسوس کرے گی۔ فرنگی منصفون نے بالعموم شاتم

رسولؐ کا کردار ادا کیا ہے۔ چند دیانتدار دانشوروں کو چھوڑ کر باقی اسی مہم میں لگے رہے کہ جہاں تک بن پڑے مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے اور غیر مسلموں کی آنکھوں میں دنیا کی عظیم ترین ہستی، انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے انقلاب آفرین پروگرام لانے والے رسول عربی ﷺ کی شخصیت کو گرایا جائے......اسلام کی تبلیغ کو روکا جائے۔ قرآنی تعلیمات اور حیاتِ رسولؐ کا مطالعہ کرنے کے بعد ممکن نہیں کہ غیر مسلم اسلام قبول کئے بغیر رہ سکے۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۳۵ تا ۴۵)

مال و زر جہاں کی تمنا نہیں ہے مجھے
عشق رسولؐ میری متاع حیات ہے
دہلیز مصطفیٰ ؐ سے کہاں اٹھ کے جاؤں گا
میرا تو آسرا ہی پیغمبر کی ذات ہے

غازی خدا بخش اکو جہاں

آپ کے والد کا اسمِ گرامی محمد اکرم تھا، معروف کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ رہائش اندرون یکی دروازہ لاہور میں تھی، بڑے خوبصورت جوان تھے۔ آپ کا جسم فربہ، رنگ سرخ و سپید، قد لمبا اور مضبوط و توانا تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے شیر فروش تھے، جلد سازی کا بھی کام کر لیتے تھے۔

ملعون راج پال نے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی جس سے مسلمانوں میں سخت غیظ و غضب پایا جاتا تھا۔ ایک دن آپ نے ناموس رسالتؐ پر تقریر سنی تو حالات سے آگاہی ہوئی۔ یہ سن کر تڑپ اٹھے کہ خبیث راجپال نے اس کے آقا و مولا ﷺ پر کتاب لکھ کر انتہائی درجہ کی توہین کی ہے۔ 24 ستمبر 1927ء کی صبح جہنمی راجپال اپنی دکان پر بیٹھا

کاروبار میں مصروف تھا کہ غازی خدابخش اکو جہاں آئے اور اس پر تیز دھار چاقو سے حملہ کر کے اسے مضروب کر دیا۔ وہ بد بخت تیزی سے اٹھا اور جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا اور قتل ہونے سے بچ گیا۔

پولیس نے غازی خدابخش اکو جہاں کو زیر دفعہ 307 الف تعزیراتِ ہند گرفتار کر لیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی۔ ایم۔ بی اوگلوی کی عدالت میں مقدمہ سماعت شروع ہوئی۔ غازی خدابخش اکو جہاں نے اپنی جانب سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ راجپال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا، مجھ پر یہ حملہ کتاب کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے، مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدابخش مجھے جان سے مار دے گا۔

اور کچھ کہنا چاہتے ہو۔ جج نے پوچھا۔

راجپال بولا، حملہ کے وقت ملزم نے چلا کر کہا تھا، کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اس پر جج نے غازی خدابخش اکو جہاں سے استفسار کیا تو آپ نے گرجدار آواز میں کہا:

> ''میں مسلمان ہوں، ناموس رسالتؐ کا تحفظ میرا فرض ہے۔ میں اپنے آقا و مولا ﷺ کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔''

پھر لعین راجپال کی طرف اشارہ کر کے کہا:

> ''اس نے میرے رسول مکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اس لئے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔''

اقرارِ جرم کے بعد غازی خدا بخش اکو جہاں کو سات سال قیدِ سخت جس میں تین ماہ قیدِ تنہائی بھی شامل تھی، کی سزا دی ئی اور میعادِ قید کے اختتام پر پانچ پانچ ہزار روپے کی تین ضمانتیں حفظ امن کے لئے داخل کرنے کا حکم دیا۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۶۰)

ڈراتا ہے ہمیں دار و رسن سے کیوں ارے ناداں
نبیؐ کے عشق میں سولی پہ چڑھنا عین ایمان ہے

غزنوی کا وار

راج پال کو جہنم واصل کرنے کے لیے غازی عبدالعزیز خان کوہاٹ سے لاہور 19 اکتوبر 1927ء کو آیا اور لوگوں سے دریافت کرتے کرتے اس بدذات ناشر کی دکان پر پہنچ گیا۔ اتفاق سے اس وقت راج پال دکان میں موجود نہیں تھا۔ اس کی جگہ اس کے دوست جتندر داس اور سوامی ستیانند بیٹھے تھے۔ غازی موصوف نے سوامی ستیانند کو راج پال سمجھا اور میان سے تلوار نکال کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد خود ہی چلا کر کہہ دیا کہ میں نے موذی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ میرے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ غازی عبدالعزیز نے عدالت میں یہ بیان کیا:

''میرا نام عبدالعزیز ہے۔ میں غزنی کا رہنے والا ہوں۔ میرے وطن کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے سلطان محمود غزنویؒ جیسا مجاہد' مبلغ اور بت شکن پیدا کیا تھا جس نے اس برصغیر پر کم وبیش سترہ حملے کر کے کفر والحاد کا خاتمہ کیا تھا اور اس بت کدہ کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ یہی وہ بت شکن ہے جس کے سامنے سومنات کے پجاریوں نے دولت کے انبار لگا دیئے تھے اور کہا تھا کہ مہاراج یہ ساری دولت لے لیں مگر ہمارے بتوں کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ لیکن اسلام کے اس فدائی نے بلا جھجک کہا تھا

کہ مسلمان بت شکن ہے' بت فروش نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے سومنات کے
بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اور علامہ اقبالؒ نے اس کے استغنا اور
ایمان کامل پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

یہی وہ غازی تھا جس نے سنا تھا کہ ملتان میں ایک قرامطہ فرقہ ہے جو
اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے' لیکن دراصل کافر اور بت پرست ہے۔
ان کی ریاکاری کی انتہا یہ ہے کہ وہ فرقہ نماز تو باقاعدگی سے اور باجماعت
پڑھتا ہے لیکن سامنے نعوذ باللہ حضرت رسول کریم ﷺ کی ایک فرضی
شبیہہ بنا کر رکھتا ہے۔ محمود غزنوی یہ اندوہناک رپورٹ ملتے ہی بگولے کی
طرح یہاں پہنچا تھا اور اس نے قرامطی داؤد حاکم ملتان کا خاتمہ کر کے
وہاں اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔ مجھے خواب میں سلطان محمود غزنویؒ نے حکم دیا
تھا کہ جاؤ اور اس ملعون کے پرخچے اڑا کر ثوابِ دارین حاصل کرو۔ مجھے
افسوس ہے کہ اصل خبیث کو جہنم واصل نہ کر سکا۔''

غازی کا پر مغز اور عالمانہ خطبہ سن کر ہر مسلمان عش عش کر اٹھا۔ فرنگی حکومت کے
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایم۔ بی۔ اوگلوی نے قانونی تقاضوں اور کچھ مصلحتوں کی بنا پر عبدالعزیز
خان کو شہادت کا اعزاز بخشنے کی بجائے صرف چودہ سال قید کی سزا دی۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۶۱)

غازی عبدالقیوم شہید

''اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔''

یہ ہے مفکروں کے صدر نشین علامہ اقبالؒ کا خراجِ تحسین، ضربِ حیدری اور رسمِ

شبیری تازہ کرنے والے عاشق جانباز غازی علم الدین شہید کی خدمت میں۔

ایسے ہی تاثرات کا اظہار انہوں نے غازی عبدالقیوم شہید کے بارے میں کیا تھا۔ جب مسلمانوں کے ایک وفد نے علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ غازی عبدالقیوم شہید کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے کے لئے وائسرائے ہند سے سفارش کی جائے تو پہلے تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر عجیب تیوروں کے ساتھ پوچھا، کیوں؟ کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ جواب ملا، نہیں۔ پھر آپؒ نے تفسیرِ خودی ان الفاظ میں بیان فرمائی:۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالمِ معنیٰ کا سفر
ان شہیدوں کی دِیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مردِ مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرفِ لا تدع مع اللہ الٰھا آخر

شمعِ محمدؐ کا یہ بے تاب پروانہ ہزارہ کے ایک دور افتادہ گاؤں ''غازی'' کا رہنے والا تھا۔ بہت غریب باپ کا بیٹا تھا، وہ اپنے گاؤں میں زمینداروں کے کھیتوں میں مزدوری کیا کرتا۔ پھر تلاشِ معاش میں کراچی پہنچا، یہاں گھوڑا گاڑی چلانے پر نوکر ہو گیا۔ مذہب سے لگاؤ اس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اس کے بے داغ جوانی پروان چڑھی تو صحیح معنوں میں ایک مسلمان اور صالح جوان کی جوانی تھی۔ نماز، روزہ، کسبِ حلال پر عمل، اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمانِ خالص اور حضور نبی کریم ﷺ سے بے پایاں عقیدت جو عشق کی ریشمی چادر میں لپٹی ہوئی تھی، اس کے ایمان کے اجزائے ترکیبی تھے اور یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ اس وقت

برعظیم کے ہر مسلمان کی تعمیر عموماً انہی اجزائے ترکیبی سے مرکب ہوتی تھی۔

غازی عبدالقیوم خان ایک بوڑھے چچا، ایک ضعیف ماں اور ایک بیوہ بہن کی روزی کے واحد کفیل اور ان کے علاوہ ایک نئی نویلی دلہن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا امین بھی تھا۔ وقوعہ سے ہفتہ عشرہ قبل ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ صرف ناظرہ قرآن پڑھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے علاوہ کچھ نہ جانتا تھا۔ بدر و حنین کے واقعات سنے ہوئے تھے۔ یہ وفا کا پتلا بحرِ عشق کا شناور اور عمل کے میدان کا غازی تھا۔ اس کی مالی حالت کراچی میں بھی نہ سدھری۔ اکثر دوپہر کا آٹا دوپہر کو اور شام کا آٹا شام کو پرچون کی دکان سے آتا تھا۔ پیٹ تو خالی تھا مگر درِ دل کی دولت سے مالا مال تھا۔ رسائی، پشت پناہی جو کچھ بھی نام دیں، اپنی جھونپڑی کے قریب والی مسجد کے امام تک تھی جہاں وہ فجر اور عشاء کی نماز پڑھا کرتا۔ خود اخبار پڑھنے کی استعداد نہ تھی، پیش امام کی زبانی نتھو رام کی خرافات کا ذکر اس نے سنا، اس کی غیرتِ ایمانی نے کروٹ لی۔ اس نے وہیں مسجد کے صحن میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کیا کہ وہ اس گستاخ نا ہنجار کو واصل جہنم کر کے رہے گا اور آوارہ و بے خانماں عشق ایک ہی جست میں عرفان و عمل کی آخری منزل طے کر گیا۔ کراچی کا یہ گمنام مزدور اس مقام پر پہنچ گیا جس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے ملک الموت کے بھی پر جلتے ہیں۔

اس مردِ مجاہد اور عاشقِ رسولؐ کی داستانِ شجاعت مجھے سید محمد اسلم ایم اے (آکسن) بار ایٹ لاء نے سنائی تھی۔ جنہوں نے غازی کے پاک عمل کی حمایت میں اپنے زورِ قلم اور زورِ بیان سے کی...... اور مقدمہ لڑا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میں ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا تو وہ غازی کے مقدمے کی فائل لئے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی خوش اخلاقی کے ساتھ استقبال کیا۔ کھڑے کھڑے دیوار پر آویزاں ایک پرانی سی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ یہ غازی عبدالقیوم شہید ہے۔ تصویر کے نیچے یہ شعر

درج تھا: ؎

من از سر نو جلوه دہم دار و رسن را
عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

میری نگاہیں تصویر پر جم گئیں۔ بڑی دیر تک احترام اور عقیدت سے اس عاشقِ رسولؐ کو دیکھتا رہا، ایک عالم کیف اور بے خودی طاری ہوگئی۔ اتنے میں بیرسٹر صاحب کے اس ارشاد نے چونکا دیا۔ تشریف رکھئے اور روداد سنئے۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے داستانِ عشق و محبت بیان کرنا شروع کردی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب شردھانند کی شدھی تحریک زوروں پر تھی اور بدزبان اور گستاخ ہندو ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر رکیک حملے کررہے تھے۔ 1933ء کے اوائل میں آریہ سماج حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھو رام نے ایک کتابچہ بعنوان ''ہسٹری آف اسلام'' شائع کیا۔ یہ پمفلٹ ''رنگیلا رسول'' اور اس جیسی دیگر کتابوں سے ماخوذ مواد پر مشتمل تھا۔ اور اس میں ناموسِ رسالتؐ پر اسی انداز میں حملے کئے گئے تھے جیسا کہ گزشتہ گیارہ سال سے آریہ سماجی کررہے تھے۔ اس وقت سندھ صوبہ بمبئی میں شامل تھا۔ گو صوبہ بمبئی ہندو اکثریت کا صوبہ تھا۔ لیکن سندھ کے تمام اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ مسلمان اکثریت ہونے کے باوجود ملازمت، تجارت، تعلیم اور اقتصادی شعبوں میں ہندوؤں سے پیچھے تھے۔ تاہم وہ اپنے مذہب پر کسی حملے کو برداشت کرنے کے روادار نہ تھے۔

چنانچہ نتھو رام کا ناپاک کتابچہ بازار میں آیا' عبدالمجید سندھی' حاتم علوی اور دوسرے مسلمان لیڈر اٹھ کھڑے ہوئے۔ نتھو رام کے خلاف استغاثہ دائر کیا گیا۔ حیدرآباد کی عدالت نے کتابچہ ضبط کرلیا اور ملزم کو ایک سال قید سخت اور جرمانے کی سزا دی یعنی وہی کھیل کھیلا گیا جو مسلمانوں نے راج پال کے مقدمے میں دیکھا تھا۔

نھو رام نے عدالت (ان دنوں جوڈیشل کمشنری کہلاتی تھی) میں اپیل کر دی۔ ضمانت پر وہ پہلے ہی رہا ہو چکا تھا۔ مارچ 1934ء میں اپیل کی سماعت شروع ہوئی، ہندو اور مسلمان بھاری تعداد میں کاروائی سننے آئے جن میں، میں بھی شامل تھا۔نھو رام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوش گپیاں کرتا ہوا آیا اور عدالت میں ڈائس کے قریب پڑے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک مسلم نوجوان عدالت کے کمرے میں داخل ہوا، معذرت کرتے ہوئے نھو رام کو تھوڑا سا سرکایا اور پھر اس کے بالکل قریب بیٹھ گیا۔ پونے بارہ بجے کا عمل تھا اور پندرہ منٹ بعد نھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہونے والی تھی، میں پہنچا تو بارہ بجنے میں سات منٹ باقی تھے۔ عدالت کے برآمدے میں، میں ایک دوست سے باتیں کرنے لگا۔ اچانک عدالت کے کمرے سے تیز تیز آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی نعرے لگا رہا ہو، ساتھ ہی بہت سے آدمی باہر کو بھاگے۔ میں لپک کر کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نھو رام کی آنتیں نکلی پڑی ہیں اور وہ زمین پر پڑا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی گدی سے خون کا فوارہ ابل رہا ہے۔ قریب ہی ایک مسلمان نوجوان ہاتھ میں ایک بڑا سا خون آلود خنجر لئے کھڑا ہوا نظر آیا۔ انگریز ججوں میں سے ایک جس کا نام اوسالون (O.Solvin) تھا، ڈائس سے اترا۔ مسلم نوجوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور تحکمانہ انداز میں بولا، تونے اسے مار ڈالا؟

ہاں......اور کیا کرتا؟ نوجوان نے بڑی بے باکی سے جواب دیا اور پھر کمرے میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اگر یہ تمہارے اس بادشاہ کو گالی دیتا تو تم کیا کرتے؟ تم میں غیرت ہوتی تو کیا قتل نہ کر ڈالتے؟ پھر انتہائی حقارت سے نھو رام کی لاش کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا اور

شہنشاہوں کے شہنشاہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی تھی اور اس کی یہی سزا تھی، پھر بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

اسی اثناء میں ایک سب انسپکٹر ریوالور تانے کمرۂ عدالت میں داخل ہوا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی غازی نے چھری پھینک دی، کھڑا ہو گیا اور بڑی جوشیلی آواز میں کہا۔ ڈریئے نہیں، ریوالور ہولسٹر میں رکھ لیں، مجھے جو کچھ کرنا تھا الحمد للہ کر چکا ہوں۔ سب انسپکٹر نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کر لیا۔ آگے بڑھ کر غازی کی کلائی پکڑ لی، ساتھ والے کانسٹیبل نے فوراً ہتھکڑی پہنا دی۔ میرا دل جو نتھو رام کی گندی کتاب سے مجروح ہو چکا تھا، اس منظر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ غازی نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، میں نے اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے غازی کے چچا کو تلاش کیا اور انہیں پیشکش کی کہ میں اس مقدمے کی پیروی منت کروں گا۔ انہوں نے تشکر آمیز الفاظ کے ساتھ میری پیشکش قبول کر لی۔ دوسرے روز میں غازی کے قانونی مشیر کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنے جیل گیا۔

اس سے پہلے بھی میں نے جیل میں قتل کے ملزموں سے ضابطے کی ملاقاتیں کی تھیں اور ان کی صورتیں مجھے یاد ہیں مگر جو اطمینان اور سکون غازی عبدالقیوم کے چہرے سے ہویدا تھا، وہ کسی اور چہرے پر نظر نہ آیا۔ جب میں نے بتایا کہ میں آپ کا مقدمہ لڑوں گا تو مردِ مجاہد پکار اٹھا، آپ جو چاہیں کریں مگر مجھ سے انکارِ قتل نہ کرائیں، اس سے میرے جذبہ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی۔ میں نے نوجوان غازی کو تشفی دی اور کہا، بے شک آپ اقرار کریں اور میں اس اقبال کے ذریعہ ان شاء اللہ آپ کو پھانسی سے اتار لوں گا۔ مگر میری اس تشفی پر انہوں نے خوشی کا اظہار نہ کیا۔ میں نے دو چار باتیں اور کیں اور ایک کاغذ پر دستخط کرا کے لوٹ آیا۔

ہندو پیروکاری کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ اینگلو انڈین قانون کا ضابطہ اپنے مخصوص اور

روایتی چال کی بجائے اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ مہینوں کا کام گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ پہلی رپورٹ کے بعد تفتیش، چالان وغیرہ سب کچھ دو دن میں ہو گیا اور مقدمہ قتل عمد سماعت کے لئے ابتدائی عدالت میں پہنچ گیا۔ جب میں نے گوہانِ صفائی کی فہرست پیش کی تو اسے پڑھ کر مجسٹریٹ بہادر چونک اٹھے۔ میں نے دوسرے گواہوں کے علاوہ مولانا ظفر علی خان، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ کے علاوہ دیوبند اور فرنگی محل کے متعدد مقتدر علماء کو طلب کیا تھا۔

عدالت نے اعتراض کیا کہ یہ گواہ مقدمے سے غیر متعلق ہیں، اس لئے نہیں بلائے جا سکتے۔ میں نے جواب دیا کہ جس جذبے کے تحت استغاثہ عبدالقیوم کو قاتل قرار دیتا ہے، اس جذبے کی نفسیاتی ترجمانی یہی حضرات کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے میری یہ دلیل جج کے فہم سے بالاتر تھی چنانچہ اس نے میری درخواست خارج کر دی۔ میں نے فوراً جوڈیشل کمشنری کراچی میں اپیل دائر کر دی جس کے دو جج اوسالون اور فیرس وقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ان ججوں کے اختیارِ سماعت پر قانونی اعتراض کر دیا۔ کراچی جوڈیشل میں اس وقت چار جج تھے، دو چھوٹے اور دو بڑے۔ ان میں سے تین اس درخواست کی سماعت کے اہل نہ تھے، چوتھے سیشن جج تھے۔

چنانچہ عدالتِ عالیہ کے ججوں نے ایک جج مسٹر لوبو (LOBO) کو طلب کر کے بنچ ترتیب دے لیا۔ اپیل کی سماعت شروع ہوئی اور بنچ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ ان غیر متعلق گواہوں کو بلانے کی کوئی گنجائش نہیں، گویا اپیل خارج ہو گئی۔ دو تین روز مقدمہ سیشن جج کراچی کی عدالت میں آ گیا۔ مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر عدالت نے اسے ''جیوری ٹرائل'' قرار دیا۔ جیوری نو افراد پر مشتمل تھی جن میں چھ انگریز، ایک پارسی اور دو عیسائی تھے۔ یہ سب کے سب اچھی شہرت، معقول سوجھ بوجھ کے مالک اور باعزت شہری تھے۔

قتل کے عام مقدموں کے برعکس اس مقدمے کا کام بہت سیدھا سادا اور مختصر تھا۔ صفائی کا تو کوئی گواہ تھا ہی نہیں، سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ ثبوت میں اوّل تو خود عدالتِ عالیہ کے دو انگریز جج تھے، دوسرے غازی عبدالقیوم نے اپنے اقبالی بیان میں تسلیم کرلیا تھا کہ میں نے جونا مارکیٹ کی مسجد میں پیش امام کی زبانی نتھو رام کے فحش پمفلٹ کے مندرجات سنے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کل اس کی اپیل کی سماعت کے لئے عدالت میں پیشی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اگلے روز میں نے اپنا کاروبار چھوڑا، بازار سے ایک خنجر خریدا، اسے تیز کرایا اور سماعت سے پہلے ہی عدالت میں پہنچ گیا۔ ایک نامعلوم شخص کے ذریعے نتھو رام کو شناخت کیا اور پھر اس کے قریب ہی جا کر بیٹھا۔ میں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔ یکا یک میرے سینے میں غیظ و غضب کا طوفان امنڈ آیا۔ میں آپے سے باہر ہو کر اپنی نشست سے اٹھا۔ شلوار کے نیفے میں چھپایا ہوا خنجر نکالا اور چشم زدن میں نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس کی آنتیں نکل آئیں اور وہ منہ کے بل گر پڑا، دوسرا وار اس کی گدی پر کیا اور یہ ضرب پہلی سے بھی زیادہ کاری ثابت ہوئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور چند ہی منٹ میں اس کا قصہ تمام ہو گیا۔

اس اقبالی بیان کی تائید میں ضابطے کے بیانات ہوئے اور استغاثے کے چشم دید گواہ (عدالتِ عالیہ کے دو جج) پیش ہوئے۔ جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلق تھا، بچاؤ کی کوئی گنجائش نہ تھی، بس جذبے اور ارادے والی بات رہ جاتی تھی۔ مگر غازی موصوف کے اقبالی بیان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ اقدام ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر کیا تھا، اس میں فوری اشتعال اور فوری عمل کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ تاہم میں نے کیس کو تقریباً انہی خطوط پر تیار کیا اور قانون سے زیادہ نفسیاتِ انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔ جیوری اور جج کے سامنے میں نے جو بحث کی، وہ شاید برطانوی ہند میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد بحث تھی۔

جس روز بحث ہونا تھی، میں قانونی پلندوں کی بجائے قرآن کریم کا ایک نسخہ لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ جج اور جیوری میرے ہاتھ میں قرآن پاک کا نسخہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ عام وکلاء سے ذرا پیچھے ہٹ کر میں نے بلند آواز میں بحث کا آغاز کیا اور کہا۔

حضورِ والا اور معزز صاحبان جیوری!

مجھے مقدمے کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں کہنا کیونکہ جہاں تک وقوعے کا تعلق ہے، وہ ثابت ہو چکا ہے۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ میرا یہ اقدام اس قانون پر مبنی تھا اور یہ آئین جو آج چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک جاری و ساری ہے، جسے کئی حکومتیں اپنے پینل کوڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی بنیاد ہے۔ میں جانتا ہوں عدالت اس کوڈ سے انکار کر کے اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائے گی لہٰذا میں اسے کھول کر نہیں دکھاؤں گا لیکن مجھے جو کچھ کہنا ہے، اسی کے سہارے کہوں گا۔ اس میں بار بار مذہبی پیشواؤں کو برا کہنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ نہیں ہے۔ گزشتہ چند سال میں ایسی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔ خصوصاً دلی اور لاہور میں بالکل اسی نوعیت کے دو قتل ہو چکے ہیں۔

حضورِ والا، صاحبان جیوری!

ہر شخص جانتا ہے کہ فطرتِ انسانی دوسرے کی بدزبانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے نفسیاتی طور پر جواب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اپنی استطاعت کے مطابق زبان، قلم یا ڈنڈے سے کام لے کر اپنی انا کی تسکین کرتا ہے۔ اگر گزشتہ واقعات کے فوراً بعد اس قسم کی حرکتوں کے انسداد کے لئے قانون کوئی مؤثر کاروائی کرتا تو نتھو رام کی وارداتِ قتل ہرگز ہونے نہ پاتی۔

مسلمان ایک عرصے تک ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت کو سمجھا رہا ہے کہ

حضرت محمد ﷺ اس کے جذبات وحسیات اور حیات کی شہ رَگ ہیں۔ حضور ﷺ کے معاملے میں وہ اتناذکی الحس واقع ہوا ہے کہ معمولی سی گستاخی پر بھی اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی جان تو ایک طرف، وہ خود اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ لیکن نہ ہندو اکثریت نے اس طرف دھیان دیا، نہ برطانوی حکومت کے کانوں پر جوں رینگی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ماہرِ نفسیات ہونے کی حیثیت سے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ دی گئی تو ایسے ہولناک واقعات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ انہیں نہ ہندو اکثریت روک سکے گی اور نہ تعزیراتِ ہند کی کوئی دفعہ۔

اس مرحلے پر جج نے مداخلت کی، ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا اور پہلو بدلتے ہوئے بولا، کیا فاضل جورسٹ اپنی بحث سے فرقہ وارانہ منافرت کو نہیں ابھار رہے ہیں؟

حضورِ والا! میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ منافرت کا مخرج اور سرچشمہ جہاں ہے، دراصل وہیں سے نفرت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ میں تو مقتول نتھورام کی کتاب ''تاریخ اسلام'' کے ابھارے ہوئے جذبہ منافرت کے عوامل ونتائج پر تقریر کر رہا تھا۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مسلمان کے اعصاب توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں، اس لئے وہ نہ تعزیراتِ ہند سے گھبرائے گا، نہ پھانسی کے پھندے سے ڈرے گا۔ حتیٰ کہ چین سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کا بچہ بچہ اس فتنے کا سر کچلنے کے لئے میدان میں آجائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسی صورت سے دوچار ہونے والے مسلمان کا سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوا قدم بھی فوری اشتعال کی تعریف میں آنا چاہئے۔

اس مرحلے پر میں نے قرآن مجید کو ذرا بلند کرتے ہوئے کہا، حضورِ والا! جو کچھ میں نے کیا ہے، اس قانون کی رُو سے اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے جس کے ساتھ چودہ سو برس

سے میں نے پیمانِ وفا باندھ رکھا ہے اور جن خطوط پر پشت ہا پشت سے میرا تربیتی ماحول تشکیل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ میں نے اپنی دانست میں قانون کو نہیں، انصاف کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ میرے اس اقدام میں شدید اور فوری غیظ و غضب کی عمل فرمائی تو ضرور ہے مگر قاتل کے سے جذبے کا کوئی شائبہ دور دور تک نہیں ہے۔ پھر سب سے زیادہ معصوم جذبہ اس عہد کی پاسداری ہے جس پر میرے ایمان کی بنیاد ہے۔ اور یہی چیز مجھے بے قصور اور سزا سے بری قرار دیتی ہے۔

جج میری تقریر پر بہت جز بز ہوا۔ شاید یہ منطقی بحث اس کے مزاج کے لئے قابل قبول نہ تھی مگر میرے پاس بھی اپنے دفاع کو مستحکم کرنے کے لئے کوئی اور دلیل نہ تھی۔ اس نے ''عہد کی پاسداری'' کے الفاظ دہرائے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا، تم اپنے فہم و تدبر اور سطح سے نیچی بات کر رہے ہو، تمہارے جیسے فاضل مقنن سے اس کی توقع نہ تھی۔

مجھے وکیل کی جبلت کے برعکس تاؤ آ گیا، پینترا بدلا اور کہا۔ حضورِ والا! یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ اس قسم کے عہد کی پاسداری نہ کرنے پر چار اگست 1914ء کو ہمارے شہنشاہ جارج پنجم نے ایک چھوٹے سے ملک کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ عظیم برطانیہ کو اس جنگ میں سب سے بڑے رکن کی صورت میں شامل ہونا پڑا۔ ایک چھوٹے سے عہد کی خلاف ورزی کے نتیجے میں وہ خون ریزی ہوئی کہ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے، لاکھوں عورتوں کے سہاگ لٹ گئے اور دنیا کا جغرافیہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ میں نے جس عہد کا ذکر کیا، اس میں آج پچاس کروڑ مسلمان جکڑے ہوئے ہیں جو کسی قانونی دفعہ، پھانسی کے پھندے یا تلوار کے گھاؤ سے ڈر کے اس عہد سے رُوگردانی نہیں کر سکتے لہٰذا جہاں تک ''ناموس محمدؐ'' کا سوال ہے، مسلمان کا رونگٹا رونگٹا عبدالقیوم ہے۔

پس میری عرض ہے کہ ایک ایسے معصوم انسان کو جو ذہنی اور تربیتی طور پر بلائنڈ

فیتھ کی رسی میں جکڑا ہوا ہے، جو ایک اَن پڑھ دیہاتی نوجوان ہے اور اپنی افتادِ طبع کے مطابق فوری اشتعال کے تحت اس فعل کا مرتکب ہوا ہے، جس کو آج بھی وہ اپنا فرض عین سمجھ رہا ہے۔ اسے کسی سزا کا مستوجب نہیں ہونا چاہئے اور اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو اسے تھوڑی بہت قید بامشقت سے زیادہ کوئی سزا نہیں دی جانی چاہئے۔ آپ کی عدالت جنسی رقابت کے معاملے میں رقیب کو دن دیہاڑے قتل کرنے والے اقبالی مجرم کو بری کر سکتی ہے اور اراضی کے قبضے اور بے دخلی کے سلسلہ میں مالک کو ہلاک کرنے والے مزارع کے لئے صرف چار چھ سال کی سزا کافی سمجھتی ہے تو عبدالقیوم کے معاملے میں کیوں نرمی سے کام نہیں لے سکتی؟

بیرسٹر صاحب بحث کی تفصیل سناتے سناتے سانس لینے کے لئے رکے۔ چند لمحے بعد میں نے پوچھا، پھر کیا ہوا؟ بیرسٹر صاحب۔ بیرسٹر صاحب نے ایک جھرجھری سی لی، چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور بولے۔

عدالت نے بحث سننے کے بعد اسی دن فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ مقررہ تاریخ پر دفتری اوقات شروع ہونے سے پہلے ہی ہندو اور مسلمانوں کے ہجوم عدالت کے باہر جمع ہو گئے۔ کراچی کے علاوہ حیدر آباد، ٹھٹھہ، نواب شاہ، بہاولپور اور پنجاب تک سے لوگ کشاں کشاں آئے تھے۔ نظم و نسق کے لئے پولیس کی بھاری تعداد موجود تھی۔ مشہور ہندو لیڈر، وکیل اور صحافی آئے ہوئے تھے۔ مسلم اکابرین میں سے متعدد اصحاب تشریف لائے تھے۔ ہندو...... مسلمان سب امید و بیم میں تھے۔ البتہ جن مسلم اصحاب کو خفیہ ذرائع سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جیوری کی اکثریت سزائے موت کی بجائے حبس دوام کے حق میں ہے، وہ اسی کو غنیمت جان کر قدرے مطمئن تھے۔ میں وکیلوں کی صف میں ایک کرسی پر بیٹھا یہ سب نقشہ دیکھ رہا تھا، اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری تھی۔ اچانک ڈائس پر جج نمودار ہوا،

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے قبل ازیں قتل کے کئی مقدمات کی پیروی کی تھی جن میں سے بعض کو پھانسی ہوئی، بعض رہا ہوئے مگر دل کی یہ کیفیت پہلے کبھی نہ تھی۔ تقریباً دو منٹ موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ پھر جج کے اشارے پر پیش کار نے چپڑاسی سے کہا کہ ملزم حاضر کیا جائے۔ غازی بیڑیاں پہنے سر اٹھائے سنگین بردار محافظوں کے حلقے میں عدالت کے کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔ پھر ایک مہیب سناٹا چھا گیا۔ جج نے ایک فائل الٹ پلٹ کر دیکھی اور ریڈر سے کچھ سرگوشی کی۔ اس نے ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ جج نے وہی کاغذ اٹھایا اور دھیمی آواز میں پڑھ کر سنایا:

''عبدالقیوم خان تمہیں موت کی سزا دی جاتی ہے۔''

غازی عبدالقیوم کے منہ سے ذرا تھرتھرائی ہوئی آواز میں بے ساختہ نکلا الحمدللہ...... پھر کچھ سنبھلا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا قد ایک فٹ اونچا ہو گیا ہو۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی جس میں بے پایاں مسرت ملی ہوئی تھی۔ اس کے لب ہلے، حاضرین نے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

''جج صاحب میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سزا کا مستحق سمجھا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے میرے پاس لاکھ جانیں ہوتیں تو وہ بھی ایک ایک کر کے اسی طرح نبی ﷺ کے نام پر قربان کر دینا..........اللہ اکبر...........''

یہ نعرہ مستانہ اس زور سے گونجا کہ اس کی گونج کمرۂ عدالت، گیلری، برآمدے اور باہر والوں نے بھی سنی۔ وہ سمجھے کہ عبدالقیوم بری ہو گیا ہے۔ بیرسٹر صاحب رک گئے۔ ہاں بیرسٹر صاحب پھر کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

آگے کا المیہ بڑا ہی دردناک ہے اور سنگین ہے۔ عبدالقیوم تو حکم سن کر اللہ تعالیٰ کا

شکر ادا کرتے ہوئے جیل چلا گیا اور مجھے حکومت نے پرفیشنل مس کنڈکٹ کا نوٹس دے دیا جس میں حدودِ قانون سے متجاوز ہو کر بحث کرنے کا الزام تھا۔ میں نے دوسری عدالت میں اس الزام کو غلط اور بے بنیاد ثابت کر کے پہلی عدالت کی جہالت پر مہر ثبت کی۔ چند روز بعد میں نے اپنے تین رفیقوں حاجی عبدالخالق صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب پر مشتمل وفد اپنے استاد علامہ اقبالؒ کی خدمت میں بھیجا کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے کے لئے وائسرائے تک سفارش پہنچائیں۔

مرحوم نے جو جواب دیا، اس کا ذکر میں شروع میں کر چکا ہوں۔ میں نے ایک طرف یہ وفد علامہؒ کے پاس روانہ کیا، دوسری طرف گورنر بمبئی کے نام رحم کی عرضداشت بھیج دی۔ اس کا جواب ملا، درخواست زیر غور ہے، دو ہفتے تک آپ کو نتیجے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ گورنر بمبئی کا جواب ملے تیسرا روز تھا کہ صبح کے وقت میں نے اپنے دفتر میں سنا کہ رات غازی عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی۔ میں مولانا عبدالعزیز کو لے کر جیل پہنچا تو پرائیویٹ ذریعہ سے پتہ چلا کہ صبح اذان کے وقت غازی کے لواحقین کو ان کی جائے قیام پر جگا کر بتایا گیا کہ عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی ہے۔ لاش کو پولیس سرکاری گاڑی میں رکھ کر میوہ شاہ قبرستان لے گئی ہے، جنازہ تیار ہے، منہ دیکھنا ہے تو جلد چلو۔

ہم لوگ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ میت قبر میں اتاری جا چکی ہے کہ مسلمانوں کا جم غفیر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مٹی ڈالنے نہ دی۔ ایک جوشیلا قومی کارکن قلندر خان قبر میں کود گیا اور میت کو لحد میں سے نکالا، چارپائی کفن وغیرہ کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا، فوراً لاش کو کفنایا اور جنازہ لے کر روانہ ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ کراچی مسلم اکثریت کا شہر تھا اور صبح کا وقت۔ دیکھتے ہی دیکھتے دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود دس بارہ ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوراً فوج طلب کر لی۔ ہم اس عرصہ میں راستہ کاٹ کر چاکیواڑہ کے قریب ایک تنگ گلی سے گزر کر جنازے کے قریب پہنچ گئے، بے پناہ ہجوم تھا۔ کندھا دینے والوں میں قلندر خان خاصا نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہجوم کا ریلا آیا اور پھر برابر والی پتلی گلی سے ''تڑتڑ'' کی آواز گونجی۔ نظر اٹھا کر آگے کا جائزہ لیا تو قلندر خان کے بدن سے خون کا فوارہ اچھلتے دیکھا، اس کے باوجود وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ جنازے کو کندھا دیئے جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا۔ نہتے اور پرامن جلوس پر گوروں نے بے تحاشا فائرنگ کی۔ سینکڑوں مسلمان شہید اور ہزاروں مجروح ہو گئے۔ اندھا دھند فائرنگ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مکانوں اور جھونپڑیوں میں بیٹھے بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی اس کا نشانہ بن گئیں۔ حالات قدرے پرسکون ہوئے تو میں، مولانا عبدالخالق، مولانا عبدالعزیز اور حاتم علوی زخمیوں کی عیادت کے لئے سول ہسپتال گئے۔ ہسپتال کے اردگرد پولیس کی بھاری تعداد اور کچھ فوج بھی موجود تھی۔

ہم کسی نہ کسی طرح شہیدوں اور زخمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے۔ میں نے 106 لاشیں گنیں اور بعد میں ان کی تعداد ایک سو بیس ہو گئی۔ ہسپتال میں کہرام مچا ہوا تھا، لاشیں علیحدہ کی جا رہی تھیں۔ تڑپتے، سسکتے، کراہتے اور چیختے ہوئے زخمی الگ...... بڑی تعداد ایسے زخمیوں کی تھی جن کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔ حادثہ اتنا مہیب تھا کہ بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ پھر صبح کے وقت جب جوانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ پاؤں سے بھری ہوئی ایک وین سول ہسپتال سے نکلی تو بے اختیار میری چیخ نکل گئی۔ بلکہ کئی دن تک حواس بجا نہ ہوئے، خواب و خور حرام ہو گیا۔ بے شمار لاشیں ان کے وارثوں نے پولیس میں رپٹ دیئے بغیر چپکے سے دفن کر دیں۔ اتفاق سے ان دنوں دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ہم نے

وائسرائے کے نام ایک تار دیا، ساتھ ہی ایک قاصد بذریعہ ریل قائداعظم کے پاس روانہ کیا۔ کراچی میں ہم نے مسلم ریلیف کمیٹی قائم کی جس کی امداد کے لئے دہلی اور لاہور دونوں نے چندے دیئے۔ ادھر قائداعظم نے اسمبلی میں آواز بلند کی، پھر تو ہماری آواز برٹش پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی گونجی۔ سرونسٹن چرچل نے اظہارِ تاسف کیا۔

شمعِ رسالتؐ کے پروانے کی ایمان پرور داستان ختم ہو چکی تھی۔ میں جب بیرسٹر صاحب کے پاس سے رخصت ہوا تو میرے ہاتھ میں ایک تاریخی دستاویز تھی جس کا نام ''عبدالقیوم'' تھا۔ یہ ایک پمفلٹ تھا جو بیرسٹر صاحب نے مجھے دیا تھا۔

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۸۳ تا ۹۴)

مٹا دے اپنی ہستی آج ناموسِ محمدؐ پر
یہ نکتہ ہے مسلمان کی حیاتِ جاودانی کا

غازی مرید حسین شہید

اس دنیا میں ایسے خوش نصیب ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اور آئندہ بھی قیامت تک رہیں گے جن کے دل میں سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کے سوا اور کسی چیز کا گزر ممکن نہیں ہوتا۔ دنیائے رنگ و بو کی نیرنگیاں، جینے کی بے تاب تمنائیں، بیوی بچے، ماں باپ، عزیز و اقارب، مال و دولت اور خود نعمتِ حیات جیسی دل کش چیزیں ان کے عشق کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ اور وہ جذبہ عشق و مستی سے سرشار ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر قربان ہو کر شہادت کی اعلیٰ ترین سعادت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

انہی میں سے ایک خوش نصیب عاشقِ رسولؐ کا اسمِ گرامی مرید حسین ہے۔ موصوف موضع بھلہ کریالہ (چکوال) کے رہنے والے تھے۔ ابھی وہ پانچ برس کے تھے کہ ان

کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے انہیں گاؤں کی مسجد اور مڈل سکول میں داخل کرا دیا۔ قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم سید محمد شاہ صاحب سے حاصل کی۔ 31-1930 میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول چکوال سے اول درجہ میں پاس کیا۔ بڑے تیز اور ذہین طالب علم تھے۔ گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ نمبرداری کے فرائض بھی آن پڑنے سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بعد میں انہوں نے نمبرداری بھی چھوڑ دی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی کشمکش کی وجہ سے تحریکِ بیداری میں سرگرم حصہ لینا شروع کر دیا۔

مرید حسین غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کے کارناموں سے متاثر تھے۔ ایک ہندو راجپال کو ''رنگیلا رسول'' کے عنوان سے ایک گستاخانہ کتاب لکھنے کی وجہ سے غازی علم الدین نے جہنم رسید کر دیا تھا۔ ایک ہندو نتھو رام نے بھی ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں، اس پر غازی عبدالقیوم شہید نے اسے کراچی کی ایک عدالت میں واصلِ جہنم کیا۔ موت کی سزا سن کر انہوں نے جج سے کہا، یہ جان کس گنتی میں ہے، اگر میری لاکھ جانیں بھی ہوتیں تو میں ناموس رسالتؐ پر نچھاور کر دیتا۔

مرید حسین مولانا ظفر علی خان کا اخبار ''زمیندار'' بھی پڑھا کرتے تھے جس سے وہ ہندو مسلم کشمکش کے واقعات سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ سیاسی شعور اور دینی لگاؤ کی وجہ سے وہ مشہور خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے جس کے راہنما علامہ عنایت اللہ مشرقی تھے۔ مرید حسین ہندوؤں سے ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے متنفر تو تھے ہی لیکن رسول اکرمؐ سے ان دو ہندوؤں کے گستاخانہ رویئے کے سبب ان کے دل میں نفرت کی آگ بہت زیادہ بھڑک رہی تھی۔ اسی بناء پر انہوں نے ہندوؤں کی بسوں پر سفر کرنا ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے قلب و نظر کے سکون کے لئے ایک مرشد کامل کی تلاش میں نکلے، آخر ایک بزرگ حضرت

خواجہ محمد عبدالعزیز کے دستِ حق پر بیعت کر لی۔ مرید حسین پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے، ماں نے بچپن ہی میں ان کی منگنی چچازاد بہن امیر بانو سے کر دی تھی اور بیٹے کی شادی کی پرمسرت تقریب دیکھنے کے لئے 1935ء میں ان کی شادی کر ڈالی۔

مرید حسین پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کے دل میں سرورِ کونین ﷺ کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک رات انہیں سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورِ پاک ﷺ نے حسینؓ کے اس مرید کو ایک گستاخ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا جسے انہوں نے ڈائری میں اچھی طرح نوٹ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کے دل میں زبردست انقلاب آ گیا اور وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب رہنے لگے۔ ایک روز ایک دعوت میں مدعو تھے، ابھی چند ہی لقمے کھائے تھے کہ محلّہ کی مسجد میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ مرید حسین ہاتھ کا لقمہ وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میزبان نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ بولے، نماز پڑھنے مسجد کو جا رہا ہوں۔ اس نے کہا، یہ سفر تو بڑا طویل اور کٹھن ہے۔ مرید حسین نے جواب دیا، اسی لئے میں نے بھی جلدی شروع کیا ہے۔

آخرکار قدرت نے اس عاشقِ صادق کو امتحان کا موقع فراہم کر دیا۔ ایک دن ''زمیندار اخبار'' میں ایک خبر ''پلول کا گدھا'' کے عنوان سے شائع ہوئی کہ ہندوستان کے ایک قصبہ پلول ضلع گوڑگانواں کے ایک ہندو گوپال نے جو شفاخانہ حیوانات میں ڈاکٹر ہے، ہسپتال کے ایک گدھے کا نام محسنِ انسانیت ﷺ کے اسمِ گرامی پر رکھا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بدذات کی اس شرمناک جسارت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مسلمانوں نے آگ بگولہ ہو کر صدائے احتجاج بلند کی۔ جب فسادِ امن کا خطرہ بڑا تو مصلحتاً اس ڈاکٹر کا تبادلہ وہاں سے ضلع حصار کے قصبہ نارنوند میں کر دیا گیا۔ مرید حسین پہلے ہی راجپال، نھورام اور دوسرے متعصب ہندوؤں کی حرکتوں سے رنجیدہ خاطر رہتے

تھے کہ ڈاکٹر رام گوپال کی اس قبیح حرکت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ آپ کی تمام سوچیں اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو گئیں۔ انہوں نے اصرار کر کے ماں سے رخصت کی اجازت لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔ بھیرہ پہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں اس لئے سب کچھ اللہ تعالیٰ اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ بھیرہ ہی سے ایک دو دھارا خنجر خریدا اور چاچڑ شریف میں اپنے مرشدؒ کے ہاں گئے۔ عرض مدعا کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئی۔ رخصت کے وقت پیر نے مرید کو گلے سے لگایا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو سنا اور دعا کے طور پر کہا۔ ''بسلامت روی و باز آئی۔''

راستے میں مرید حسین پیشاور سے رسالپور میں ایک دوست کے پاس آئے وہاں انہوں نے اپنے کپڑے دھلائی کے لئے دیئے۔ جب کپڑے دھل کر واپس آئے تو انہوں نے پہننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کسی ہندو نے دھوئے ہیں، ان سے بدبو آ رہی ہے۔ تحقیق پر یہ بات درست ثابت ہوئی اور اہل نظر نے کہا کہ یہ اس مردِ مؤمن کی صفائی باطن کی دلیل ہے جسے کرامت بھی کہا جا سکتا ہے۔

رسالپور سے واپس گھر پہنچے، وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشق رسول ﷺ کا امتحان تھا۔ عقل سوچتی رہ گئی مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ سیدھے چکوال گئے اور ڈاکخانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے (اس زمانہ کے سات سو روپے آج کل کے ستر ہزار سے بھی زیادہ تھے) اور کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔

چکوال سے آپ پہلے لاہور داتا کی نگری پہنچے، پھر سیدھے دہلی چلے گئے، وہاں

سے حصار گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال ایک ماہ کی چھٹی پر پشاور چلا گیا ہے۔ آپ پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے لیکن ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں 6 اگست 1936ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال جا پہنچے جہاں وہ گستاخ زمانہ رام پال متعین تھا۔ اسے غور سے دیکھا اور مخبر صادق ﷺ کے بتائے ہوئے حلیئے کو ڈائری میں دیکھا، اسے ہو بہو درست پا کر دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی، حالات کا جائزہ لیا پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ ایک مسافر کی حیثیت سے نمازِ ظہر ادا کی اور بارگاہِ ربّ العزت میں یہ دعا مانگی:

''میرے اللہ! تیرے اس نحیف ونزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب ﷺ کی محبت جس مقصد کے۔ لئے کھینچ لائی ہے، اس میں کامیابی و کامرانی عطا فرما۔''

اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی۔ صحن میں قدم رکھا تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں وہ ملعون سو رہا تھا جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ قریب ہی دوسری چارپائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے۔ ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھے۔

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف وخطر نعرہ لگایا ''اللہ اکبر'' پھر ملعون کو مخاطب کر کے پکارا ''اے گستاخِ زمانہ کافر اٹھ، آج محمدؐ کا پروانہ آ ہی گیا ہے۔'' بیوی نے بھی شوہر سے کہا، رام گوپالا، اٹھ کوئی مسلہ آ گیا ہے۔ رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اٹھا، بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کے لئے لپکے مگر انہوں نے آن کی آن

میں خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔ انہوں نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگے۔

پولیس کی جمعیت نے تالاب کو گھیرے میں لے لیا۔ غازی مرید حسین نے پوچھا۔ ''تم میں کوئی مسلمان ہے؟'' اتفاق سے تھانیدار مسٹر احمد شاہ کھوٹ تھا۔ اس نے کہا: ''میں مسلمان ہوں۔'' مرید حسین تالاب سے باہر آئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا ''میرا نام عاشق رسولؐ '' ہے۔ میں نے اس ڈاکو کو قتل کیا ہے، جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن وسکون لوٹ لیا ہے۔

اخبارات سے اطلاع پاتے ہی غازی صاحب کی والدہ، بھائی اور چودھری محمد بخش حصار پہنچے۔ پھر 12 اگست 1936ء کی صبح کو حصار ڈسٹرکٹ جیل میں غازی صاحب سے ملاقات کی۔ غازی صاحب نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ''آپ کو مبارک ہو۔ وہ کام جس کا میں ذکر کیا کرتا تھا، وہ خدا کے فضل وکرم سے ہو گیا ہے۔

مقدمے کی پیروی کے لیے ان کے بھائی لاہور سے حصار کے ایک مشہور وکیل بیرسٹر جلال الدین کے نام زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کا ایک خط لے گئے تھے۔ اس کے ذکر پر غازی صاحب نے کہا۔'' مجھے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں، میرا وکیل تو اللہ تعالیٰ ہے۔'' قریشی صاحب سے وکالت کی گفتگو ہو رہی تھی جو غالباً اپنی انتخابی مصروفیات کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کے لئے تیار نہ تھے۔ اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب تشریف لائے۔ قریشی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا، مولانا یہ لوگ چکوال سے آئے ہیں اور ''بدقسمت'' ملزم کے لواحقین ہیں جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو نارنوند میں قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آ گئے اور کہا۔ جلال الدین صاحب بدقسمت آپ ہیں، بدقسمت میں ہوں، بدقسمت ہمارا سارا

علاقہ ہے۔ بدقسمت ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں کہ جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا، بدقسمت اور بے غیرت تو ہم ہیں۔ ان کی خوش قسمتی میں کسے کلام ہوسکتا ہے جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سینکڑوں میل دور علاقہ چکوال سے آ کر ناموسِ رسالتؐ کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے؟ قریشی صاحب نے مولوی صاحب کے چلے جانے کے بعد بتایا کہ وہ سرسہ کے ممتاز عالم دین تھے جو انتخاب کے سلسلے میں ان سے بات چیت کرنے آئے تھے۔ مولوی صاحب کی اس سرزنش اور ڈانٹ کا یہ نتیجہ نکلا کہ قریشی صاحب نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کا ذمہ لے لیا۔ ان کے علاوہ پانچ دوسرے وکیلوں نے بھی کہا کہ وہ بھی بلا معاوضہ ان کی مدد کریں گے۔

حصار کی ضلع کچہری میں مقدمے کی سماعت ایک مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت کے ہاں شروع ہوئی لیکن ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن سپرد کر دیا۔ ایک روز کارروائی جاری تھی کہ مرید حسین نے کہا کہ ظہر کی نماز کیلئے مصلیٰ اور پانی کا بندوبست کیا جائے۔ جج نے کہا، یہ عدالت ہے۔ مرید حسین نے کہا، میں خالق کائنات کی عدالت میں حاضری دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ان کی بات مان لی گئی اور عین عدالت میں انہوں نے نماز ادا کی اور آئندہ اس کا انتظام خودبخود کر دیا جاتا رہا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوتے تو کارروائی دوبارہ شروع کر دی جاتی۔ تین دن کی سماعت کے بعد چوتھے دن فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا۔ ''میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں۔'' لیکن ایک درخواست کے نتیجے میں مقدمے کی دوبارہ سماعت کی گئی مگر سزائے موت برقرار رہی، اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کی گئی، اس نے بھی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔

جیل کی جس کوٹھڑی میں غازی صاحب تھے، ان کے ساتھ والی کوٹھڑی میں قتل کا ایک ہندو مجرم قید تھا۔ وہ غازی صاحب کی عبادت گزاری، شرافت اور بے باکی سے متاثر تھا۔ ایک دن دیکھا کہ غازی صاحب کا کمرہ نور سے منور ہے۔ وہ حیران اور ششدر ہو کر بولا، میری بھی کچھ رہنمائی کریں کہ میں آپ کا پڑوسی ہوں۔ غازی صاحب نے کہا، تیری رہنمائی تب ہوسکتی ہے کہ تو مسلمان ہو جائے۔ ہندو قیدی نے کہا، میں روشنی کا طالب ہوں، آپ جو چاہیں کریں۔ غازی صاحب کے کہنے پر ہندو نے کلمہ طیبہ پڑھ کر خدا تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام قبول کرلیا۔ غازی صاحب نے اس کا نام ''غلام رسول'' رکھا۔

آخری ملاقات پر ماں نے بیٹے سے کہا کہ پھانسی کا پھندا وہ خود اپنے گلے میں ڈالے، کوئی بھنگی وغیرہ نہ ڈالے۔ غازی صاحب نے کہا، ماں جی! ٹھیک ہے۔ آخر خدا خدا کر کے 24 ستمبر 1937ء بمطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۶ھ بروز جمعتہ المبارک کی وہ صبح آ پہنچی، غازی مرید حسین جس کا انتظار بڑی بے تابی سے ایک مدت سے کر رہے تھے۔ جیل سے باہر عاشق رسولؐ کے عاشقوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ رسالتؐ شمع رسالتؐ پر جل مرنے کو بے تاب۔ جب شہادت کا وقت آیا تو آپ درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے کہا، زبان کو حرکت نہ دیں۔ انہوں نے کہا، میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ کہتے ہیں کہ ایک خفیف سے جھٹکے اور یادگار مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ عشق کی ایک ہی جست سے طویل سفر لمحوں میں طے ہو گیا اور غازی مرید حسین اگلی دنیا میں شہیدوں کی صفوں میں جا ملے اور حیاتِ دوام اور رضائے حق کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۰۷ تا ۱۱۲)

غازی میاں محمد شہیدؒ

میاں محمد 1915ء میں قصبہ تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی

صوبیدار غلام محمد تھا' جو اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم چھڑی تو صوبیدار غلام محمد کو اپنی پلٹن کے ساتھ ملک سے باہر جانا پڑا، اسی دوران میاں محمد پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد عراق میں تھے، بیٹے کی ولادت کی خبر سنی تو جی چاہا کہ فوراً اڑ کر تلہ گنگ پہنچیں اور نومولود کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں کیونکہ یہ بچہ شادی کے سات سال بعد بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا صوبیدار غلام محمد 1919ء تک جنگ کے اختتام تک وطن واپس نہ آسکے۔ اس عرصہ میں وہ اپنی پلٹن کے ساتھ عراق، شام، فلسطین اور استنبول وغیرہ میں فوجی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

میاں محمد پانچ سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد گھر لوٹے اور پہلی بار اپنے جگر گوشہ کو دیکھا، بار بار گود میں اٹھاتے اور پیار کرتے، پھر چند روز بعد انہیں پرائمری سکول میں داخل کرادیا۔ پرائمری کے بعد وہ ہائی سکول میں داخل ہو گئے لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعد ان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔ 15 سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں وہ ملازم ہو گئے اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے لیکن بہت جلد اس سے بھی جی بھر گیا۔ 1931ء میں کوئٹہ چلے گئے اور ایک ٹھیکیدار کے ساتھ بطور منشی کام کرنے لگے۔ یہ کام بھی پسند نہ آیا تو 1932ء میں گاؤں واپس آ گئے۔ 1933ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہو گئے۔ اسی ملازمت کے دوران پھوپھی زاد بہن ''نیک اختر'' کے ساتھ ان کی شادی ہوگئی۔ انڈین نیوی میں نوکری کرتے ابھی بمشکل ڈیڑھ برس ہی گزرا تھا کہ کھیل کے دوران ایک ساتھی کی بدکلامی کی وجہ سے بگڑ گئے اور ہاکی سے اسے پیٹ ڈالا۔ آرمی ایکٹ کے تحت مقدمہ چلا اور وہ ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔

2 جنوری 1935ء کو وہ بلوچ رجمنٹ میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی

ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدراس چھاؤنی بھیج دیئے گئے۔ اصل میں یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے ایک غیر معمولی کام لینا تھا اور جس کے لئے وہ مختلف مقامات پر پھرتے پھراتے بالآخر یہاں پہنچے تھے۔

میاں محمد کو بچپن ہی سے آنحضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ لگاؤ تھا، انہیں بہت سی نعتیں یاد تھیں جنہیں وہ اکثر تنہائی میں یار دوستوں میں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ وہ بڑے خوبصورت جوان تھے اور ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس زیب تن کئے رہتے۔ ان کو دیکھنے والوں نے ان کا حلیہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لمبا قد، دلکش خدوخال، سرخ وسپید رنگ، باریک ہونٹ، گھنی بھویں، ناک معیارِ حسن کے عین مطابق، پیشانی چوڑی، آنکھیں چمکدار، خوبصورت سی چھوٹی داڑھی اور خاص ادا کی مونچھیں جن سے مردانہ وجاہت ٹپکتی تھی۔ سر پر کلاہ اور خوبصورت پگڑی، غرض پیکرِ حسن تھے۔

16 مئی 1937ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ مدراس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعتِ رسول کریم ﷺ سننے میں محو تھے۔ اتفاق سے جو شخص نعت شریف سنا رہا تھا، وہ ایک ہندو تھا، یہ بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سرا تھا۔ قریب ہی ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت کے ساتھ نعت پڑھتے سنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر کباب ہو گیا۔ اس نے باآواز بلند آنحضور ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر کہا:

''محمدؐ کو............کرو، کسی اور کا ذکر کرو۔ تو کیسا ہندو ہے، تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے۔ تیرا پاپ معاف نہیں کیا جا سکتا۔''

مسلمان سپاہیوں نے ڈوگرہ سپاہی کی یہ بدزبانی سنی تو صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے

لیکن میاں محمد اپنے آقا کی شان میں یہ گستاخی سن کر تڑپ اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا، تیرے ہم مذہب کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ حضور محمد ﷺ کے نامِ مبارک سے اطمینان قلبی حاصل کرے، اس لئے وہ گا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی نعت پڑھ رہا ہے۔ تجھے اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں تو تو یہاں سے چلا جا، خبردار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔

یہ سن کر ڈوگرہ سپاہی بولا، میں تو بار بار ایسا ہی کروں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے کرلو۔ یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا۔ ایک ہندو ڈوگرے نے ان کی حمیتِ ایمانی کو للکارا تھا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا، آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دوچار کر دے گی۔

بدقسمت ڈوگرے سپاہی نے پھر ویسا ہی تکلیف دہ جواب دیا اور کہا، مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ یہ سن کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے، یہ بھی ہندو تھا۔ آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا، اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے برسرِ عام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ اب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے نمازِ عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں گڑگڑاتے ہوئے دعا کی:

''میرے اللہ! میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ تیرے محبوب کی شان میں گستاخی

کرنے والے کا کام تمام کر دوں۔ یا اللہ! مجھے حوصلہ عطا فرما، ثابت
قدم رکھ، مجھے بھی اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کر لے۔ میری
قربانی منظور فرمالے۔

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم گئے، اپنی رائفل نکالی، میگزین لوڈ کی اور باہر نکلتے ہی چرن داس کو للکار کر کہا۔ کم بخت! اب بتا، نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں۔

یہ سن کر شاتمِ رسول ﷺ چرن داس نے بھی جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالی اور رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا لیکن اگلے ہی لمحے ناموسِ رسالت ﷺ کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل کی دس گولیاں اس کے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کیے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے وہ کہتے جاتے تھے، اس ناپاک منہ سے تو نے میرے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

جب غازی مردود چرن داس کے جہنم واصل ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ جب سب پلٹن جمع ہو گئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھیجو تا کہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دوں۔ آپ کی گرفتاری کے لئے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کمانڈنٹ افسر نے غازی موصوف سے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، چرن داس نے ہمارے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی۔ میں نے اس کو روکا لیکن وہ باز نہ آیا، میں نے اس کو ہلاک کر دیا، اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔

اگلے روز 17 مئی 1937ء کو غازی میاں محمد کو مقدمے کی تفتیش کے لئے پولیس کے حوالے کر دیا گیا، ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ غالباً کو خدشہ تھا کہ شاید سول عدالت میں مقدمہ کا فیصلہ حکومت کے منشاء کے خلاف ہو۔

فوجی حکام کی خواہش تھی کہ مقدمے کے فیصلے تک غازی صاحب کے والدین کو کوئی اطلاع نہ دی جائے لیکن صوبیدار غلام محمد کو کسی طرح فوجی حکام کی اس سازش کی اطلاع ہوگئی اور وہ فوراً مدراس پہنچ گئے۔ عدالتی چارہ جوئی اور مقدمے کی پیچیدگیوں سے نپٹنے کے لئے مدراس کے معروف مسلمان ایڈووکیٹ سید نور حسین شاہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نور حسین شاہ نے قانون کا امتحان لندن سے پاس کیا تھا اور ایک عرصہ تک وہیں پریکٹس بھی کی تھی، انہوں نے بڑی دیانتداری اور فرض شناسی سے اس عظیم کام کا آغاز کیا لیکن کیس ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ کسی سنگ دل نے محافظ کی موجودگی میں ایڈووکیٹ موصوف کو چھرا گھونپ دیا، زخم کاری اور مہلک تھا جس سے وہ رحلت کر گئے۔

ان کے بعد یہ مقدمہ اصغر علی ایڈووکیٹ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ بھی لندن کے تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے بھی بڑی جانفشانی اور لگن کے ساتھ کیس کی تیاری میں حصہ لیا اور پیشیوں کے معاوضہ میں کبھی کسی رقم کا مطالبہ نہ کیا۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی صاحب کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تاکہ کیس کو مذہبی رنگ بھی نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں۔ اس مقصد کے تحت غازی صاحب کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال مدراس میں داخل کر دیا گیا۔ ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ میں نے پورا مہینہ میاں محمد کو اپنی خصوصی نگرانی میں رکھا ہے، نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے، کئی بار چھپ کر بھی معائنہ کیا ہے لیکن اس عرصہ مس ایک بار بھی میں نے انہیں فکر مند یا کسی سوچ میں گم نہیں پایا (جیسا کہ

پاگل اکثر گم صم رہتے ہیں) ایک ماہ میں ان کا وزن بھی بڑھ گیا ہے۔ اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ قتل کے مقدمہ میں میرا کیا حشر ہوگا تو ان کا وزن کم ہو جاتا، یہ کسی غم و فکر میں مبتلا نہیں۔ جب چرن داس ایک ہی گولی لگنے سے مر گیا تھا تو پھر ساری گولیاں چلانے اور سنگین سے پے در پے زخم لگانے کی ضرورت نہ تھی اور ایسی حالت میں جب کہ کوئی دیکھنے والا بھی نہ تھا، یہ آسانی سے فرار ہو سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ میرا میڈیکل تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ میاں محمد نے قتل کا ارتکاب مذہبی جذبات برانگیختہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

16 اگست کو غازی صاحب کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا، پانچ دن کاروائی ہوتی رہی۔ کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات قلمبند ہوئے، تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔ جرح کے دوران انہوں نے یہ متفقہ موقف اختیار کیا کہ غازی محمد نے جو کچھ کیا ہے، ہماری رائے میں وقوعہ کے وقت وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکا۔ لیکن غازی صاحب اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے اور کہا، میں نے جو کچھ کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا۔ چرن داس نے میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔

کورٹ مارشل کے دوران ان کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ بیان دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی کیونکہ چرن داس بھی مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن غازی نے سختی کے ساتھ اس تجویز کو مسترد کر دیا اور کہا کہ میری ایک جان تو کیا، ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی حرمت پر نچھاور کر دوں۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور ﷺ پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ ﷺ

23 ستمبر 1937ء کو پلٹن میں غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا۔

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

5 اکتوبر 1937ء کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی جو مسترد ہو گئی۔ پھر پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر کی گئی جو مختصر سماعت کے بعد رَد کر دی گئی۔ اپیلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے 12 اپریل 1938ء کو سزا پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔ ادھر حراست میں غازی کا معمول تھا کہ نماز کے لئے علاوہ ہمہ وقت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ اس دوران رمضان شریف کا مہینہ آیا جو انہوں نے جاگ کر گزارا۔ وہ رات دن نوافل اور درود شریف پڑھتے۔ عید کے روز غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ بڑی ردّوقدح کے بعد جیل کے چند غیرت مند مسلمان فوجی افسروں کی ضمانت پر حکام نے اس کی اجازت دی۔ غازی کی سزائے موت کی خبر اب تک پورے ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی۔ حکام نے بہت کوشش کہ نمازِ عید کے موقع پر مسلمانوں کو غازی کی آمد کا علم نہ ہو لیکن عید گاہ میں موجود نمازیوں کو اس کا علم ہو گیا۔ نقص امن کا خطرہ پیدا ہونے لگا تو غازی موصوف کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، آپس میں بھائیوں کی طرح اور پرامن رہو۔ میں پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شانِ رسولؐ پر ناروا حملہ کرنے والے ایک مردود کو قرار واقعی سزا ملی ہے۔ تاجدارِ مدینہؐ کی شان میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ آئندہ بھی

کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموسِ رسالت ؐ پر فدا ہونے کے لئے ہزاروں جان نثار مقتل کی طرف بڑھیں گے۔ تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو اور بارگاہِ رسالت ؐ میں مجھ ناچیز کی جان جیسی یہ حقیر قربانی قبول ہو جائے۔''

آخری تحریر

شہادت سے چار روز قبل 7 اپریل 1938ء کو غازی میاں محمد نے اپنے حقیقی بھائی ملک نور محمد کو ایک خط لکھا، اس میں بعض وصیتیں بھی کیں۔ آپ نے لکھا:

''خداوند کریم کی رضا پر راضی رہنا، ہر حال میں صبر کرنا، کسی پر تمہارا غم ظاہر نہ ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دل اس قدر خوش ہے کہ جس کا اندازہ کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا۔ میری دلی آرزو یہی تھی جو اللہ کریم نے پوری کر دی۔ میں گناہ کے سمندر میں غرق تھا کہ میرے مالک نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ اس مالک کی مہربانی کا ہزار ہزار شکریہ۔ (پھر اپنی اہلیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا) بندہ کی عیال (بیوی) کو واضح ہو کہ میں آپ سے نہایت خوش اور راضی ہوں۔ تم نے کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس کے لئے تمہیں معافی کا خواستگار ہونا پڑے۔ میری شہادت پر بجائے رونے دھونے کے اپنی ربّ کو یاد کرنا، نماز پڑھنا، اپنے ربّ کی بندگی کرنا اور میرے لئے بخشش کی دعا کرنا۔''

تختہ دار پر

پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے 3/10 بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدراس پہنچا۔ اس نے غازی صاحب سے پوچھا، کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ۔

فرمایا، ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔

غازی صاحب کا باڈی گارڈ دستہ چھ سپاہیوں، ایک انگریز افسر اور بیرے پر مشتمل تھا۔ جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی، ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور کی تازگی اور آنکھوں میں خمار کی چمک پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی تھی۔ والدین سے آخری ملاقات میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ والدہ اپنے تیئس سالہ جواں سال بیٹے کا دیوانہ وار کبھی سر چومتیں، کبھی منہ۔ والد نے بہ ہزار مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ اسی رات 11 اپریل کو انہیں مدراس سول جیل لے جایا گیا۔ رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے، تہجد کے بعد غسل فرمایا، سفید لباس زیبِ تن کیا، نمازِ فجر ادا کی۔ پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔ تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا، سرکار ﷺ میں حاضر ہوں۔ پھانسی کا پھندہ آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تختہ دار کھینچ دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ پر برستا ہوا نور کچھ اور فزوں ہوگیا۔ فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کر کے کہا، بے قرار روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوضِ کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔ یہ 12 اپریل 1938ء کی صبح تھی۔ وقت پانچ بج کر پینتالیس منٹ۔

(شہیدانِ ناموس رسالت ص۱۱۴ تا ۱۱۹)

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے ہے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

غازی عبدالرشید شہید

تحریکِ موالات دم توڑ رہی تھی۔ گاندھی ایک دو ماہ بعد ضلع گورکھ پور کے ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں چوراچوری کے معمولی سے واقعہ کو آڑ بنا کر تحریکِ ترکِ موالات کا گلا گھونٹنے والے تھے تاکہ مسلمانوں کے روزافزوں اثرورسوخ سے کانگریس اور ہندوستان کی سیاست کو محفوظ کیا جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے ہندو لیڈروں کے عملی اشتراک، اشیرباد اور بھاری سرمائے سے مسلمانوں کے خلاف شدھی اور سنگھٹن کی تحریک شروع کی گئیں۔ شدھی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو جو ہندوؤں کے بیان کے مطابق ہندو نسل سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام سے منحرف کر کے دوبارہ ہندو بنایا جائے اور سنگھٹن کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود ختم کرنے کے لیے نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے ہندوؤں بلکہ اور بودھوں کو بھی عظیم تر ہندو قومیت کے نام پر متحد کیا جائے اور جارحانہ حملوں کے لیے فوجی لائنوں پر مسلح دستے مرتب کیے جائیں۔

یو۔ پی کے بعض اضلاع میں کئی لاکھ کم تعلیم یافتہ مسلمان راجپوت آباد تھے جنہیں ملکانہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ شدھی کا پہلا سخت حملہ انہیں علاقوں پر ہوا۔ ملکانہ راجپوتوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے لالچ اور تشدد کے سارے طریقے استعمال کیے گئے تھوڑے بہت راجپوتوں کا ایمان روپیہ سے خریدا گیا اور جو لوگ اسلام کا دامن چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے، ان کے گھروں کو لوٹا گیا اور جلایا گیا اور ان کے ناموس پر حملے کیے گئے۔

شدھی کے خطرناک فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام قابل علماء و مشائخ اور اکابر و مشاہیر نے جس اتحاد اور عظم و استقلال کا مظاہرہ کیا، اسے اسلامی ہند کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ شدھی اور سنگھٹن کا سلسلہ اگر سنجیدہ مباحث اور عملی دلائل تک محدود رہتا تب بھی

غنیمت تھا' لیکن شردھانند اراس کے آریہ سماجی بھگتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گالیوں' بہتان تراشیوں اور انتہائی اشتعال انگیزوں کو اپنا مستقل اشعار بنا دیا۔ روزنامہ ''تیج'' دہلی میں شردھانند کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں کو گالیاں دی جاتی تھیں اور قرآن مجید کی آیتوں کا مذاق فحش الفاظ میں اڑایا جاتا تھا۔ ہندی اخبار ''ارجن'' میں ہندوؤں کو مشتعل کرنے کے لیے عہدِ سابق کے مسلم سلاطین کے فرضی مظالم کی کہانیاں بہت بڑھا چڑھا کر شائع کی جاتی تھیں اور کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب ہندو عورتوں کے اغوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے بے عزت کئے جانے کے دو چار جھوٹے قصے درج نہ کئے جاتے ہوں۔ ایک آریہ سماجی نے قرآن مجید کا جواب لکھنا شروع کیا۔ شردھانند کی اشیرباد سے ایک اخبار ''گروگھنٹال'' جاری کیا گیا تھا جس کا مقصد مسلمانوں اور ان کے مقدس رہنماؤں کو (جن میں اولیاء کرامؒ بھی شامل تھے) انتہائی شرمناک الفاظ میں گالیاں دینا تھا۔

شردھانند کے ایک چیلے نے ''جڑپٹ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضور سرکارِ دو عالم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام، خاص کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت لوط، حضرت ایوب، حضرت اسحٰق علیہم السلام کی شان میں اس قدر سخت گستاخیاں بالکل عریاں الفاظ میں کی گئی تھیں کہ اس خباثت کا تصور بھی مشکل ہے۔ ''جڑپٹ'' میرے دفتر ''ریاست'' میں ریویو کے لئے آئی تھی اور دل پر پتھر رکھ کر اسے ایک نظر دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شردھانند کا کلیجہ اس قدر سخت اشتعال انگیزیوں پر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے خاندانِ مغلیہ کی بے گناہ شہزادیوں کے خلاف فحش ڈرامے لکھنے کی تحریک سارے ملک میں شروع کر دی۔ چنانچہ اس نوعیت کے کئی ڈرامے اردو ہندی میں لکھے گئے۔ شہزادی زینت آراء بیگم کے متعلق ایک ڈرامہ اخبار ''ریاست'' میں میری نظر سے گزرا ہے جس میں اس پاک دامن شہزادی کو انتہائی بدچلن عورت کے روپ میں پیش کیا گیا تھا۔ بعد میں جب آریہ سماجیوں

نے اس ناپاک ڈرامے کو سٹیج پر پیش کرنے کی کوشش کی تو کئی شہروں میں ہنگامے بھی ہوئے۔

مسلمانوں کے سینے میں بھی دل تھا۔ وہ غلامانِ بارگاہ رسالت کی شانِ اقدس و اعلیٰ میں شرمناک گستاخیاں، انبیائے کرام علیہ السلام پر پُر خباثت حملے، قرآن مجید کی آیتوں کا مذاق اور بے گناہ مغل شہزادیوں کے خلاف فحش ڈرامے جو سب کچھ شردھانند کی قیادت میں شردھانند کے اشارے سے ہو رہا تھا، کب تک برداشت کرتے۔ ضبط وصبر کی آخر حد ہوتی ہے جس سے آگے بڑھنے کا نام بے غیرتی ہے۔ قاضی عبدالرشید مرحوم پیشہ کے لحاظ سے خوش نویس تھے۔ لمبا قد، چھریرا جسم، گندمی رنگ، لمبا چہرہ، کرتہ پاجامہ، ترکی ٹوپی، یہ ان کی عام پوشاک تھی۔ شردھانند کے زمانہ قتل کے قریب اخبار ''ریاست'' میں فرائض کتابت انجام دیتے تھے۔ دفتر کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں تھا، گلی میں دروازہ اور سپلینڈ روڈ کے سامنے برآمدہ۔ قیدِ علائق سے آزاد ہونے کے باعث میں ''ریاست'' کے دفتر ہی میں دن رات رہتا تھا، قاضی صاحب کی نشست میری میز کے قریب تھی۔ دفتر میں آریہ سماجیوں کے جو اخبارات ورسائل اور دیگر پمفلٹ اور ڈرامے وغیرہ تبادلہ وریویو کی غرض سے دفتر میں آتے رہتے تھے، وہ بہت غور اور سنجیدگی سے پڑھتے رہتے تھے۔ نماز کے بہت پابند تھے، دفتر کے اوقات میں ظہر وعصر کی نمازیں ہمیشہ دریبہ کی مسجد میں جماعت سے ادا کرتے تھے اور آریہ سماجیوں کی نجس وناپاک حرکتوں سے ان کے جذبات بے انتہا مجروح ہو چکے تھے۔

واقعہ قتل سے تین چار دن پیشتر قاضی عبدالرشید مرحوم بہت گم صم رہتے تھے۔ کام میں دل نہ لگتا تھا، جب تک جی چاہتا کتابت کرتے اور جب چاہتے تو برآمدے میں بچھے ہوئے کھرے پلنگ پڑے رہتے تھے۔ ریاست کے پروپرائیٹر دیوان سنگھ ان دنوں نابھہ کے معزول آنجہانی مہاراجہ پردمن سنگھ کے کسی سیاسی وذاتی کام سے دو ہفتوں کے لئے شملہ گئے ہوئے تھے۔ دفتر کے انتظامات درست رکھنے اور اخبار کو بروقت نکالنے کی ساری

ذمہ داری میرے اور سردار گجن سنگھ مینیجر کے ذمے تھے۔ قاضی عبدالرشید مرحوم کو میں نے ان کی بے توجہی پر ایک دو مرتبہ ٹوکا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔

جمعرات 23 دسمبر کو اخبار کی آخری کاپی پریس بھیجنے کے لئے جوڑی جا رہی تھی۔ دفتر کا وقت نو بجے مقرر تھا۔ دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور منشی قاضی عبدالرشید کا پتہ نہ تھا۔ چند اشتہاروں کے چربے اور مسودے انہی کے پاس تھے۔ قاضی صاحب کے اس قدر دیر سے آنے پر ہیڈ کاتب منشی نذیر حسین میرٹھی نے اعتراض کیا تو جھلا کر جواب دیا۔ ''چولہے میں گئی تمہاری کاپی۔'' یہ کہہ کر کام کرنے کی بجائے برآمدے میں پلنگ پر لیٹ رہے۔ میں نے اعتراض کیا، کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے سردار گجن سنگھ مینیجر سے شکایت کی۔ ان کے اصرار پر برہم ہو گئے۔ بولے، مجھے نوکری کی پرواہ نہیں، لکھ دو اپنے سردار کو میں کام نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر پلنگ سے اٹھے، قلمدان بغل میں دبایا اور چل دیئے۔ چار پانچ بجے سہ پہر کے درمیان دریبہ کے ہندو علاقے میں سنسنی اور بے چینی سی محسوس ہوئی، سامنے سڑک پر ایک دو زخمی بھی گزرے۔ اس زمانے میں خبر رسانی کے ذرائع بہت محدود تھے۔ شہر میں ٹیلیفون تک کم تعداد میں تھے۔ ساڑھے پانچ بجے شام کے درمیان روزنامہ ''تیج'' کا ضمیمہ شائع ہوا جس میں شردھانند کے قتل کی تفصیلات کے ساتھ قاضی عبدالرشید کی تصویر بھی تھی کہ ہتھکڑیاں پہنے پولیس کی حراست میں کھڑے تھے اور جسم پر چادر ہے۔ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب مرحوم اسی چادر میں پستول چھپا کر شردھانند کے دفتر گئے تھے اور اسے گولی کا نشانہ بنا دیا تھا۔

قاضی صاحب نے عدالت میں اقبالِ جرم کیا۔ 15 مارچ 1926ء کو سیشن کورٹ سے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ سیف الدین کچلو نے سیشن کورٹ میں کسی معاوضہ کے بغیر پیروی کرنے کے علاوہ لاہور ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر مگر مسترد ہو گئی اور جولائی

1927ء کے آخری ہفتے یا اگست کے اوائل میں غازی عبدالرشید نے دلی سنٹرل جیل میں پھانسی کے تختے پر جامِ شہادت نوش کیا۔

پھانسی کے دن سنٹرل جیل کے سامنے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ ہزاروں برقع پوش عورتوں کے علاوہ بہت سے بچے بھی غیرتِ اسلامی کے جذبہ سے مخمور ہو کر گھروں سے باہر نکل پڑے تھے۔ لاش کو جیل کے اندر ہی غسل وکفن دیا گیا اور حکام نے جیل کے احاطے ہی میں دفن کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن عمائدین شہر کے شدید اصرار پر شہید عبدالرشید کے وارثوں کو اس شرط پر لاش دینے کا فیصلہ کیا گیا کہ جنازہ کا جلوس نہیں نکالا جائے گا اور اسے جیل کے سامنے والے قبرستان میں نذرِ لحد کر دیا جائے گا لیکن جیل کا پھاٹک کھلتے ہی جب عاشقِ رسولؐ کا جنازہ باہر نکلا تو مسلمانوں کا زبردست ہجوم اللہ اکبر اور یا رسول اللہ کے نعرے لگاتا ہوا دیوانہ وار ٹوٹ پڑا۔ جنازے کو حکام سے چھین لیا اور سامنے قبرستان لے جانے کی بجائے جامع مسجد روانہ ہو گیا۔

نعرۂ تکبیر کی معجزہ نما اثر انگیزی کا یہ کرشمہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خونی دروازے کے سامنے مسلح پولیس کے کئی سو آدمیوں نے صف بندی کر کے راستہ روک دیا تھا۔ جا بجا گورا فوج کے جوان متعین تھے لیکن مسلمانوں کا ہجوم عاشقِ رسولؐ عبدالرشید کے جنازے کو لے کر خونی دروازے کے سامنے پہنچا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تو اللہ تعالیٰ جانتے والا ہے کہ پولیس کے مسلح جوانوں کی صف کائی کی طرح پھٹ گئی۔ گورا فوج کے جوان سنگینیں تانے کھڑے رہے اور جنازے کا جلوس اس صفائی سے آگے بڑھا کہ جیسے صابن سے تار نکلتا ہے۔ مسلح پولیس نے کوئی بار راستہ روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ ناموسِ رسالتؐ پر جان دینے والے عبدالرشید کی نمازِ جنازہ جامع مسجد میں پچاس ساٹھ ہزار مسلمانوں نے پڑھی۔ (اس وقت دلی کی پوری آبادی تین لاکھ کے قریب تھی) نماز کے بعد

شہر کے ممتاز مسلمانوں کی رائے تھی کہ لاش کو جیل کے سامنے والے قبرستان میں پہنچا دیا جائے جہاں قبر پہلے سے تیار تھی اور شہداء کے ورثا متعلقہ حکام سے لاش کی واپسی کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن غازی انوار الحسن مرحوم (جو پہلے کانگریسی تھے، بعد میں انہوں نے دلی میں مسلم لیگ کے ایک بااثر رہنما کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ افسوس ہے کہ چند سال پیشتر ان کا انتقال لاہور میں ہو گیا) کی قیادت میں پر جوش طبقے نے جنازے کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ نقشبندی کی درگاہِ مبارک میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا جو جامع مسجد سے کم و بیش تین میل دور ہے۔ دلی کے مستقل کوتوالِ شہر دیوی دیال نے ان دنوں رخصت لے رکھی تھی۔ شیخ نذیر الحق قائم مقامی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کئی گھنٹوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد مسلح پولیس نے گورا فوج کی مدد سے جنازے پر نمازِ مغرب سے پیشتر قطب روڈ کے پر پر اس وقت قبضہ کر لیا جب کہ مسلمان حضور خواجہ باقی باللہ کی درگاہِ مبارک کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جنازہ قبرستان میں مرحوم کے ورثاء کے حوالے کیا گیا۔ عاشق رسولؐ کو ان کی ابدی خوابگاہ کی نذر کر دیا گیا۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۳۱ تا ۱۳۵)

شہید عشقِ نبیؐ ہوں میری لحد پہ شمع قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں خود فرشتے چراغ خورشید کے جلا کر

غازی محمد صدیق شہیدؒ

20 ستمبر 1943ء کو روزنامہ ''سیاست'' کے پرچہ میں یہ خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی:

''قصور ضلع لاہور 17 ستمبر گزشتہ شب گیارہ بجے کے قریب قصور سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ لالہ پالا مل شاہ ساہوکار کو شام ساڑھے سات بجے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس قتل کے سلسلہ میں ایک مسلمان محمد صدیق کو

گرفتار کیا گیا ہے۔ پالا شاہ کے خلاف توہین اسلام کے الزام میں مقدمہ چلتا رہا۔ مسٹر ٹیل مجسٹریٹ لاہور نے پالامل کو چھ ماہ قید اور 200 روپے جرمانہ کی سزا دی۔ اس فیصلے کے خلاف اس نے مسٹر بھنڈاری سیشن جج لاہور میں اپیل دائر کی تھی، اس کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ قتل بلھے شاہ کی خانقاہ میں ہوا اور قتل کے الزام میں محمد صدیق کو گرفتار کیا گیا ہے۔ پولیس بڑی تندہی سے تفتیش کر رہی ہے۔''

حضرت حضرت قبلہ غازی صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

''بلاشبہ پالامل کو میں نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ اس ملعون نے رسول کریم ﷺ کی توہین کی تھی۔ وہ دیدہ و دانستہ اس جرم کا مرتکب ہوا، اسے راجپال اور غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا بھی بخوبی علم تھا۔ اس نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے خود کو سزا کے لئے پیش کیا۔ اگر اس واقعہ (شانِ رسالتؐ میں گستاخی) پر بیس سال بھی گزر جاتے تب بھی میں اسے ضرور بالضرور واصل جہنم کرتا۔ ہمارے مذہب کے مطابق وہ ہرگز مسلمان نہیں بلکہ کوئی منافق ہے جو نبی پاک ﷺ کی توہین سن کر خاموش رہے اور عصمتِ رسولؐ پر جان قربان نہ کرے۔ کسی اور شخص کی ذات کا مسئلہ ہو تو برداشت ہو سکتا ہے، دنیوی امور میں کسی بھی فرد کی شان میں بکواس پر چپ رہا جا سکتا ہے لیکن سرکارِ مدینہؐ کے مقام و مرتبہ پر ہرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف غیظ و غضب، جوش و ولولہ اور غصہ کسی حالت میں بھی کم نہیں ہو سکتا۔ میں نے جو کچھ کیا، خوب غور و فکر کے بعد غیرتِ دینی کے سبب اپنے رسولؐ کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے کیا ہے۔ اس پر مجھے

قطعاً تاسف یا ندامت نہیں بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، جب چاہے دے دے، مجھے قطعاً حزن و ملال نہ ہوگا۔ مگر جب تک ہمیں شہنشاہِ مدینہؐ کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان بزم دار و رسن میں چراغ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے، میں تو آپؐ کی خاکِ قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ، ایمان اور عشق و وجدان یہی کہتا ہے کہ گویا ابھی حق غلامی ادا نہیں ہو سکا۔''

سیشن کورٹ میں حافظ غازی محمد صدیق کے مقدمہ کی سماعت چھ دسمبر 1934ء کو سنٹرل جیل میں مسٹر ٹیل کے روبرو شروع ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے خان قلندر علی خان پبلک پراسیکیوٹر اور صفائی کے لئے میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر اور شیخ خالد لطیف گابا ایڈووکیٹ پیروکار تھے۔

وکیل صفائی میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر نے اپنی طرف سے بڑے مدلل اور جامع قانونی نکات فاضل جج کے سامنے بیان کئے۔ انہوں نے اپنی طویل بحث کے دوران کہا:

''میرا مسئلہ یہ ہے کہ ملزم کو مقتول سے کوئی ذات عداوت نہ تھی۔ اگر اس نے یہ فعل کیا ہے تو مذہبی عقیدہ کے تحت کیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نوجوان ملزم کا بیان ہے کہ میں بیس سال بعد بھی توہین رسالتؐ کا انتقام لینے سے نہ ٹلتا۔ یہ کس جذبے کا ترجمان ہے؟ اس لئے کسی طور پر بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلامی روایات کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم خدا تعالیٰ کے بعد دوسرے درجے پر ہے۔ پکے اور سچے مسلمان وہ ہیں جو

اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی شان میں کسی طرح کی ادنیٰ گستاخی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور وہ آپؐ کی شان برقرار رکھنے کے لئے اپنی جانیں دیوانہ وار فدا کرتے ہیں۔ محمد صدیق کے دل میں بھی اٹھارہ ماہ سے یہی جذبہ موجزن تھا اور اس نے جذبہ ایمان سے سرشار شہنشاہ مدینہؐ کی تعظیم و تکریم پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا..................لہٰذا بہت سے گزشتہ ایسے مقدمات کی مثالیں بھی موجود ہیں جن کے حوالے سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ حبس دوام کی سزا دی جائے۔

سیشن کورٹ میں فیصلے کے بعد حضرت قبلہ حافظ صاحبؒ کی والدہ نے اپنے جواں سال بیٹے کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلے کے ساتھ فرمایا:

''میں خوش ہوں۔ جس رسول ﷺ کی شان کے تحفظ کے لئے تم قربان گاہ پر جا رہے ہو، اس محبوب کردگارؐ کی شان قائم رکھنے کے لئے مجھے تم جیسے بیس بیٹوں کی قربانی دینا پڑے تو ربِّ کعبہ کی قسم! کبھی دریغ نہ کروں۔''

روزنامہ ''انقلاب'' لاہور اور دیگر معاصر مسلم اخبارات میں غازی صاحب کی والدہ کے اس جرأت مندانہ بیان کے علاوہ غازی موصوف کے بارے میں یہ بھی درج ہے کہ آپ نے ان ایمان پرور الفاظ کو سنتے ہی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور والدہ موصوفہ سے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے کہا کہ میں نے پالا مل کو قتل کر کے اپنے نبیؐ کی شان قائم رکھنے کے لئے جو قربانی پیش کی ہے، اس کی خاطر اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی جینا یا مرنا پڑے تو تب بھی ہر دفعہ ناموسِ رسالتؐ پر پروانہ وار فدا ہوتا رہوں گا اور اسے صدق دل سے اپنا فرض عین سمجھتا ہوں۔

سیشن کورٹ میں غازی محمد صدیقؒ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ زندہ دلانِ

قصور نے اس فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ لاہور میں اپیل گزار دی۔ عدالتِ عالیہ میں 31 جنوری 1935ء کو سماعت ہوئی۔ فیصلہ صادر کرنے کے لئے ایک ڈویژنل بنچ تشکیل دیا گیا۔ اس میں چیف جسٹس اور جسٹس عبدالرشید شامل تھے۔ فیصلہ کے طور پر سیشن کورٹ کا حکم بحال ہوا۔

غازی محمد صدیقؒ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا:

''مجھے صرف قرآن پاک اور صاحبِ قرآن سے انس ہے، آپ بھی ہمیشہ انہی سے لو لگائے رکھیں۔ میری قبر پر کوئی خلافِ شرع عمل نہ کیا جائے اور نہ اس کی اجازت دینا۔ نیز قوالی بھی نہ ہو کہ سلسلہ نقشبندیہ میں اس کی ممانعت ہے۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ خدانخواستہ اگر پھر بھی کہیں کوئی گستاخِ رسولؐ جنم لے تو میرے متعلقین میں سے ایک نہ ایک فرد باطل علامت کو ٹھکانے لگا دے گا۔''

جیل حکام سے روایت ہے کہ تختہ دار پر آپؒ کی زبان پر آخری الفاظ یہ جاری تھے:

''میرے اللہ! تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے اپنے حبیب پاکؐ کی عظمت کے تحفظ کے لئے مجھ ناچیز کو کروڑوں مسلمانوں میں سے منتخب فرمایا۔''

قربان گاہ میں خونِ دل کی حدت سے مشعل وفا کو فروزاں رکھنے والے اس خوبرو مجاہد کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔

شہیدِ رسالتؐ کا عظیم منصب عطا ہونے پر غازی محمد صدیق کی والدہ صاحبہ نے دیگر خواتین کو بھی اس موقع پر چیخ و پکار سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ جب کوئی عورت تعزیت کی غرض سے ان کے پاس آتی تو آپ فرماتیں۔ ''اس واقعہ پر غم واندوہ کا کیا جواز ہے؟ حضورؐ

پر قربان ہونا تو خوشی کا مقام ہے۔''

جنازہ عیدگاہ کے قریب اسلامیہ ہائی سکول قصور (موجودہ بوائز ڈگری کالج) کے ہال میں رکھا گیا جہاں ان گنت مسلمان پرنم آنکھوں سے شہید کی زیارت سے فیض یاب ہو رہے تھے۔لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔کافی دیر تک پردہ نشین مستورات شہید کا چہرۂ مبارک دیکھنے کو آتی رہیں۔

ٹھیک ایک بجے جنازہ اٹھایا گیا اور جلوس کی صورت میں نصف میل کا فاصلہ پورے تین گھنٹے میں طے ہوا۔نمازِ جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ جنازے کو کندھے دینے کے لئے چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔آپؒ کے جسدِ مبارک کو قبرستان میں پہنچایا گیا اور فدائی حبیب کبریا ﷺ غازی محمد صدیق کو پورے چھ بجے سپردِ خدا اور رسول جل شانہٗ ﷺ کر دیا گیا۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۴۸ تا ۱۵۲)

موت کو غافل سمجھتے ہیں اختتامِ زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوامِ زندگی

غازی بابو معراج دین شہیدؒ

1951-52ء میں ختمِ نبوت کی تحریک زوروں پر تھی، آپ ایک سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔آپؒ نے اس تحریک میں بھرپور طریقے سے حصہ لینا شروع کر دیا۔سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا شمار اس تحریک کے بانیوں میں سے ہوتا تھا، آپ ایک شعلہ بیاں مقرر تھے۔ بابو معراج دین کو شروع ہی سے شاہ جیؒ سے بڑی عقیدت تھی اور آپ جیل میں بھی ان کا لٹریچر پڑھا کرتے تھے، آپ ان کے جلسے اور جلوسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔سید

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب بابو معراج دین سے دلی پیار کرتے تھے، اس کے علاوہ اچھرہ کے عالمِ دین حضرت بابا فتح محمد المعروف بابا عطارؒ نے معراج دین کی سرپرستی کی۔ بابا جی ایک ولی اللہ تھے، آپ کو اسلام سے بڑا لگاؤ تھا، اچھرہ کے رہنے والوں پر آپ کے بڑے احسان ہیں۔ آپ نے یہاں کی تین پشتوں کو قرآن پاک پڑھایا۔ آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ بابو معراج دین کو بابا جی سے خاص عقیدت تھی، بابا جی ان سے بڑا پیار کرتے تھے۔ اکثر بابا جی سے ختمِ نبوت کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ معراج دین نے بابا جی کی صدارت میں اچھرہ بہت سے جلسے منعقد کروائے اور بابا جی لوگوں کو ختمِ نبوت کی اہمیت کا احساس دلاتے رہے۔

6 مارچ 1952ء بروزِ جمعۃ المبارک کو معراج دین نے جمعہ کی نماز کے بعد مسجد تکیہ لہری شاہ کے باہر لوگوں کو اکٹھا کیا۔ بابا فتح محمدؒ نے اس اجتماع سے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ بابا جی کی قیادت میں یہ اجتماع جلوس کی شکل اختیار کرتے ہوئے مسجد وزیر خان کی طرف روانہ ہوا۔ بابا جی نے چند قدم اس جلوس کی قیادت کی، چونکہ آپ بہت کمزور تھے، آپ نے جلوس کی قیادت معراج دین کے سپرد کر دی۔ آپ برگزیدہ ہستی تھے اور آپ جان چکے تھے کہ معراج دین کو بلند رتبہ ملنے والا ہے۔ آپ نے معراج دین کو دعا دیتے ہوئے الوداع کیا۔ بابا جی مسجد تکیہ لہری شاہ کے کونے میں آرام فرما رہے ہیں۔

جلوس میں اچھرہ، مزنگ اور گردونواح کے رہنے والوں نے شرکت کی۔ کوئی ایسا گھر نہ تھا جس نے اس جلوس میں حصہ نہ لیا ہو۔ چونکہ موجودہ حکومت اس تحریکِ ختمِ نبوت کو سختی سے کچل دینا چاہتی تھی، چنانچہ مال روڈ پر جہاں آج سٹیٹ بنک کی نئی عمارت قائم ہے، فوج نے اس جلوس کا راستہ روک لیا۔ ان کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کی گئی، اسی دوران فوج نے گولی چلا دی۔ بابو معراج دین کو دائیں بازو پر پہلی گولی

لگی۔آپ نے اپنے ساتھیوں کو لیٹ جانے کا حکم دیا،اسی دوران دوسری گولی آپ کی چھاتی میں لگی۔اس وقت آپ کے چھوٹے بھائی چوہدری محمد زکریا بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔ آپ نے چھوٹے بھائی کی گود میں اپنا سر رکھ کر جامِ شہادت نوش فرمایا۔شہادت کے وقت آپ کی زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔آپ کے جنازے میں لوگوں نے جوق در جوق شرکت کی۔اچھرہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا جنازہ تھا۔آپ کو فیروزپور روڈ اچھرہ اڈا کے قبرستان میں پٹرول پمپ کے عقب میں سپردِ خاک کیا گیا۔(شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۵۵)

رسول اللہؐ کی عزت کی خاطر اہل ایمان کو
گریباں چاک کر کے گولیاں کھانا بھی آتا ہے

غازی امیر احمد شہیدؒ......غازی عبداللہ شہیدؒ

ابھی وہ جوان تھا،اس کی آرزوئیں بھی جوان تھیں اور امنگیں بھی جوان تھیں۔دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی اسے میسر تھے اور دنیا اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی بھی تھی لیکن وہ مردِ مؤمن تھا اور اس کی غیرتِ ایمانی محبت رسولؐ کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز کو پرکاہ سمجھتی تھی۔وہ اپنے رسولؐ کی ایک ایک ادا پر قربان ہونا چاہتا تھا۔رسول ﷺ کی محبت اس کے دل میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ اب اس سے دست کش ہونا اس کے بس سے بھی باہر تھا۔وہ اس محبت کو بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے دل میں بسائے ہوئے تھا۔اس نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس محبت کی پرورش کرتے رہنے کا تہیہ کر لیا تھا۔اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی کی ساری پونجی اسی محبت کی نذر کر دے۔

اس نے کسی دارالعلوم سے دستارِ فضیلت حاصل نہیں کی تھی،کسی شیخ الحدیث کی

بارگاہِ علم وفضل میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا بھی کوئی موقع اسے میسر نہیں آیا تھا۔ کسی بحرالعلوم سے اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا کہ کم از کم اسی نسبت پر وہ فخر کرسکتا۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کو کوئی ٹریڈ مارک نہیں تھا۔ کم از کم یہی ہوتا کہ اس کے کرتہ کا دامن اس کے ٹخنوں کی بلائیں لیتا ہوتا تو اتفاق سے یہ بات بھی نہ تھی۔ اس نامہ اعمال بیوہ کی مانگ کی طرح صاف اور سپاٹ تھا۔ افشاں سے بھی محروم، سیندور سے بھی بے نیاز۔ اس کی عملی زندگی مفلس کی جیب کی طرح خالی تھی، نہ کھنکتے ہوئے سکے تھے نہ بجتی ہوئی ریزگاریاں۔ اس کی علمی وجاہت لاوارث میت کی طرح بے گور وکفن تھی اور اس کا خاندانی وقار ایک دھوپ تھی جو سورج کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے پاس ایک ڈگری تھی وہ یہ کہ وہ مسلمان تھا اور اس کی تحویل میں محبتِ رسولؐ نام کی ایک دولت تھی جس کو بڑی احتیاط سے اس نے اپنے نہاں خانہ دل میں چھپا رکھا تھا۔ اس محبت کو وہ ہر قسم کے دنیوی صلاح وفلاح کا ضامن سمجھتا تھا اور اسی کو اُخروی نجات کا ذریعہ۔

امیر احمد کے دل میں ایمان کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی، وہ وقت کے ساتھ ساتھ شعلہ جوالہ بنتی گئی۔ امیر احمد اپنے خونِ جگر سے اس شجرِ محبت کو سینچتا رہا۔ قلب کے انتہائی خلوص اور دل کی شدید سچائی کے ساتھ اس کی امید کا مرکز تنہا ایک ذاتِ رسالت تھی۔ وہ اپنے دل میں اسی ذات شریف کے لئے والہانہ جذبہ رکھتا تھا۔ اس کی جبین نیاز میں ہزاروں سجدے اسی ایک چوکھٹ کے لئے تڑپا کتے تھے۔ اس کی آنکھیں اسی کے صحیفہ رخ کا نظارۂ جمال کرنا چاہتی تھیں۔ اس کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ ایک شمع نبوت پر پروانہ وار قربان ہو جائے۔ کسی طرح اس کا نام بھی اس محبوبِ دلنواز کے عاشقوں کی فہرست میں مندرج ہو جائے۔ کسی طرح وہ بھی ان کی ایک نگاہِ لطف کا استحقاق حاصل کر سکے۔

زمانے نے ایک کروٹ اور لی، وقت کا قافلہ ایک قدم اور چلا اور اب امیر احمد

زندگی کی اکیسویں منزل میں قدم رکھ رہا تھا۔ یہ عمر امنگوں کی بیداری کی ہوتی ہے، اس عمر میں تمنائیں جاگ اٹھتی ہیں اور ولولوں کو شہپر پرواز مل جاتا ہے۔ امیر احمد کو بھی امیدوں نے سبز باغ دکھائے، آرزوئیں جھولے جھلانے لگیں۔ دنیا ایک حسین پیکر میں اس کے سامنے آ گئی اور کچھ دنیا کی دل فریبیوں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، کچھ گھریلو ضرورتوں نے اسے دنیا حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

وہ سوچنے لگا، اسے بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنی جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا سے بقدر حوصلہ وظرف فیض یاب ہو۔ داعیاتِ نفس اور تقاضائے شباب کا پورا کرنا بھی لازمہ حیات ہے۔ اس کی بوڑھی ماں جو اس امید پر اس کے جوان ہونے کی راہ دیکھ رہی تھی کہ وہ اس کے بڑھاپے میں عصائے پیری ہوگا۔ اس کی خدمت کا وقت آخر کب آئے گا؟ وہ اپنے چھوٹے یتیم بھائی بہنوں کی تربیت سے کب تک پہلوتہی کرے گا؟ آخر وہ وقت کب آئے گا جب وہ اپنی جوان بہنوں کے ہاتھ پیلے کرے گا؟ لیکن ابھی وہ کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ کس طرح اپنے فرائض سے سبکدوش ہو؟ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کون سا قدم اٹھائے اور اپنی زندگی کو خوشحال اور بامراد بنانے کے لئے کون سی صورت اختیار کرے؟ کہ اچانک ایک عجیب تصویر اس کی آنکھوں سے گزری، ایک غیر متوقع منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ جس پیکرِ نور کو وہ مصورِ فطرت کا سب سے حسین شاہکار سمجھتا تھا، کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرتسم ہے، گویا سمندر کوزے میں بند ہو گیا ہے اور بشریت کاغذ پر اتر آئی ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جس جسمِ لطیف کا سایہ تک نہ تھا، اس کی تصویر کاغذ پر کیسے اتر سکتی ہے؟

پھر اس نے وہ سطریں پڑھیں جو بطورِ تعارف قلم بند ہوئی تھیں، وہ الفاظ پڑھے جو بطورِ القاب استعمال ہوئے تھے اور وہ دلخراش فقرہ پڑھا جس کو زیبِ عنوان بنایا گیا تھا

اور جس سے صاحبِ تصویر کی جلالت اسی کا پتہ چلتا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ کسی گستاخ نے اس کے محبوب ﷺ کا کارٹون بنایا ہے۔

وہ محبوب ﷺ جو کائنات کی عظیم و جلیل شخصیت ہے، جو دنیا کا نجات دہندہ بھی ہے اور فرمانروائے گیتی بھی............جس نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت کی اور جو دنیا والوں کو جینے کا سب سے اچھا سلیقہ سکھا گیا، اسی کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، اسی کا مذاق اڑایا گیا تھا۔

امیر احمد غم سے نڈھال ہو گیا، وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آج اس کے دل پر ایک چوٹ لگی تھی، اس کے قلب کو ایک صدمہ پہنچا تھا، اس کے دل کا سکون چھن گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سلب ہو گئی۔

کتاب اس کے سامنے ہی تھی، اس پر چھپی ہوئی تصویر اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شدتِ درد سے چیخ اٹھا، گھاؤ گہرا تھا اس لئے اس کی تکلیف بھی ناقابل برداشت تھی۔ اس کی روح زخم کی اس ناقابل برداشت اذیت سے بلبلا اٹھی، اس کے ہاتھ سے پیمانہ صبر چھوٹ گیا، اس کی ہمت جواب دے گئی۔ غم غلط کرنے کی کوئی صورت اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ سکون کی تلاش میں وہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرا لیکن نہ خلوت کدہ اسے سکون بخش سکا، نہ جلوت میں اسے سکون میسر آیا۔ وہ پگڈنڈیوں پر بھی چلا، شاہراہوں پر بھی دوڑا، سکون وہاں بھی نہ تھا۔ وہ احباب کی بزمِ طرب میں بھی شامل ہوا اور اپنے شہر کی تفریح گاہوں کی بھی اس نے سیر کی، سکون کی تلاش وہاں بھی بے سود تھی۔ اس کی جراحتِ دل کا اندمال وہاں بھی نہ تھا۔ وہاں بھی اس کا غم غلط نہ ہو سکا اور اب اس نے طے کر لیا کہ وہ جلد سے جلد کلکتہ پہنچے گا جہاں سے وہ رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تھی، جہاں سکون اس کا انتظار کر رہا تھا، جہاں اسے ابدی راحت میسر آئے گی اور اس کا زخم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مندمل ہو جائے گا۔

تانگہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ پشاور کی گلیاں آج ہمیشہ کے لئے چھوٹ رہی تھی لیکن امیر احمد کو اس کا غم نہیں تھا، اس کی جبین ہمت پر شکن بھی نہ تھی۔ اس کے پائے استقامت میں تزلزل بھی نہ تھا، وہ لڑکھڑایا بھی نہیں، ڈگمگایا بھی نہیں۔ وہ آگے ہی بڑھتا گیا جیسے ندی دریا کی سمت دوڑتی ہے، جیسے چکور چاند کی طرف بھاگتا ہے۔ اس کا دوست عبداللہ اس کے ساتھ ہی تانگے پر سوار تھا۔ امیر احمد اس سے کہہ رہا تھا:

''میں نے زندگی کے آخری سانس تک تم سے دوستی نبھانے کی قسم کھائی تھی، میں نے تمام عمر رفاقت کا وعدہ کیا تھا اور میں نے زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا بھی۔ میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور میرا سارا پیار تمہارے لئے وقف رہا لیکن آج میں پہلی بار تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے طے کرلیا ہے کہ اپنے آقا ﷺ پر صدقے ہو جاؤں، ان کی عزت و حرمت پر کٹ مروں اور ان کی بارگاہِ ناز میں نقد جان بھی نذر کردوں۔ کلکتہ میں اسی مقصد کے لئے جا رہا ہوں، شوق شہادت ہی مجھے وہاں لے جا رہا ہے۔ میرے بعد تم میری بوڑھی ماں کا خیال رکھنا اور اگر تم سے ہو سکے تو میرے یتیم بھائیوں اور بے سہارا بہنوں کی خبر گیری کرنا، یہ میری آخری گزارش ہے۔''

سلسلہ کلام جاری تھا اور عبداللہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب امیر احمد اپنی گفتگو تمام کر چکا تو عبداللہ نے کہا:

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں سٹیشن تک چھوڑنے جا رہا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں زندگی کی آخری منزل تک تمہارے ساتھ ہوں۔ کلکتہ تم تنہا ہی نہیں جا رہے ہو، تمہارا عبداللہ بھی تمہارا رفیق سفر ہے۔ اپنے آقا ﷺ پر قربان ہو جانے کی تمنا اکیلے تمہارے ہی دل میں نہیں مچل رہی،

اس میں، میں بھی تمہارا شریک کار ہو۔ شہادت کی تڑپ میرے دل میں بھی ہے۔ میں بھی اپنے آقا پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شمع پر کچھ تمہارا اجارہ نہیں ہے کہ اکیلے تم ہی اس پر فدا ہو جاؤ، یہ سعادت تو کوئی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ شمع پر جان دینا پروانوں کا پیدائشی حق ہے اور اس حق سے کوئی بھی اسے محروم نہیں کرسکتا۔ تمہارے آقا صرف تمہارے آقا نہیں ہیں، وہ ہم سب کے آقا ہیں۔ ان کے بارِ احسانات سے تن تنہا تمہاری ہی گردن خم نہیں ہے، ہم سب ان کے منت کش کرم ہیں۔ ان کا جمال دلفروز ہماری آنکھوں کو بھی فروغ بخش رہا ہے اور ان کی تجلیوں سے ہمارا خانہ دل بھی معمور ہے۔ میدانِ حشر کی تیز دھوپ میں ان کے سایہ رحمت کی تلاش تنہا تمہی کو نہیں کرنی ہے، قبر کی منزل اور پل صراط کے سفر میں ان کے سہارے کی ہمیں بھی ضرورت ہے، ان کے دامن رحمت میں ہمیں بھی پناہ لینی ہے اور انہی کی کرم فرمائیوں پر ہماری نجات بھی منحصر ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو سعادت تم تنہا حاصل کرنا چاہ رہے ہو، میں اس سے محروم ہو جاؤں؟ میں تمہارے ساتھ ہی کلکتہ چل رہا ہوں۔ ہم دونوں ایک ساتھ جامِ شہادت نوش کریں گے۔ زندگی میں بھی ہمارا تمہارا ساتھ رہا ہے، مرنے کے بعد بھی ہم تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا انجام بھی ایک ہو، قبر سے ہم دونوں ایک ساتھ ہی اٹھیں، ساتھ ہی جنت کو چلیں اور ہم دونوں کے آقاؐ ہم دونوں کی قربانیاں قبول فرمالیں اور ایک ہی ساتھ ہم دونوں کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیں۔''

ابھی عبداللہ کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ امیر احمد نے اسے ٹوک دیا:

''تم بھی چلے جاؤ گے تو ہم دونوں کی بوڑھی ماؤں کا کیا ہوگا؟ کس کو ہماری بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہوگی؟ کون ہمارے بھائیوں کی دستگیری کرے گا۔''

عبداللہ ایک مرتبہ پھر گرجا:

''تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کارسازِ مطلق کوئی اور ہے۔ بھلا سوچو تو، جو خدا رحمِ مادر میں جنین کی پرورش کرتا ہے، وہ جوانوں کی تربیت سے کیسے غافل ہو جائے گا۔ پھر جان دینے والوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہوگا؟ حضرت امام حسینؓ جس وقت میدانِ کربلا میں جان دے رہے تھے، انہوں نے کہاں سوچا تھا کہ ان کے بعد ان کی سکینہ کس طرح رہے گی؟ بیمار زین العابدین اپنی زندگی کے ایام کیسے بسر کریں گے؟ شہر بانو پر کیا گزرے گی؟ گلشن بتول کے نونہالوں اور باغ زہرا کی کلیوں کا کیا بنے گا؟ جان دینے والے تو بس جان دینا جانتے ہیں۔ ان کو اس سے کیا غرض کہ وہ اپنے پیچھے کتنے متعلقین چھوڑ رہے ہیں۔''

پشاور کا اسٹیشن آ گیا تھا اس لئے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دونوں دوست پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف چل پڑے۔

کلکتہ ایک عظیم شہر ہے جہاں دن رات ہن برستا ہے، جہاں روزانہ لڈو پھوٹتے ہیں، ہاں ہر وقت چاندی لٹتی ہے۔ کلکتہ دیکھنے کی آرزو ایک مدت سے ان دونوں کو تھی لیکن اب تک اس کا موقع انہیں نہیں ملا تھا۔ آج ان کی ٹیکسی کلکتہ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ کلکتہ میں ان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی، ان کے دل میں تو کچھ اور ہی لگن تھی۔ یہ سٹیشن سے سیدھے لوئر چت پور روڈ پر آئے اور موسیٰ سیٹھ کے مسافر خانے میں قیام پزیر ہوئے۔

انہوں نے یہاں اپنا سامان اتارا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس محلّہ کی طرف چلے جہاں سکون ان کا انتظار کر رہا تھا اور طمانیت قلب ان کے لئے چشم براہ تھی۔ یہاں انہوں نے اس کتاب کے ناشر سے ملاقات کی جس نے ان کا سکون غارت کیا تھا اور وفا کیشوں کے جذبہ محبت کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کتاب کا ناشر ہی اس کا مصنف بھی تھا اور اسی کے زیر اہتمام اس کی طباعت بھی عمل میں آئی تھی۔

انہوں نے کہا، اپنی کتاب سے فلاں حصہ نکال دو، اس سے ہم مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ایک معذرت نامہ بھی شائع کرو تاکہ جن لوگوں کی تم نے دل آزاری کی ہے، ان کی کچھ تسکین ہو جائے۔

کتاب کے ناشر نے کہا، کتاب میں ایک تصویر شائع ہوگئی تو کون سی قیامت آ گئی، تمہارے رسولؐ کے خلاف ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا ہو گیا۔ تم کہتے ہو کہ میں نے غلطی کی ہے لیکن میں غلطی ماننے کے لئے تیار ہی نہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہی لکھا ہے۔ اگر میری تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو ہوا کرے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ معافی نامہ شائع کروں۔ اگر میری غلطی تسلیم بھی کی گئی تو اس کی سزا اتنی سنگین نہیں، میں اپنی غلطی کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا۔ تم جا سکتے ہو، تم میری دکان سے نکل جاؤ، میرا دماغ مت چاٹو۔

امیر احمد کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں، اس کا چہرہ گلنار ہو گیا، اس کی رگیں تن گئیں اور وہ بے قابو ہو گیا۔ غلطی اور اس پر اصرار، گستاخی اور وہ بھی آقا ﷺ کی شان میں۔ اس نے ایک جست کی، عبداللہ بھی اپنی جگہ سے اچھلا، دونوں اس نامراد پر ٹوٹ پڑے۔ پھر ایک بجلی تھی جو چمک گئی، ایک خنجر تھا جو کلیجہ میں اتر گیا اور اب یہ دونوں سڑک پر کھڑی ہوئی ٹریفک پولیس سے کہہ رہے تھے۔ میں نے خون کیا ہے، میں قاتل ہوں مجھے گرفتار کر لو۔ پولیس مارے خوف و دہشت کے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب انہوں نے قریب کے تھانے کو

فون سے اطلاع دی۔ میں فلاں مقام پر ٹھہرا ہوا ہوں، میں نے خون کیا ہے، تم یہاں آ جاؤ تا کہ میں خود کو قانون کے حوالے کر سکوں۔ پھر دونوں گرفتار ہو گئے۔

عدالت میں آج ان دونوں کی پہلی پیشی تھی، آج ان کا مقدمہ کھلا تھا۔ ماہر قانون وکیلوں نے انہیں قانون کی زد سے بچا لینے کے لئے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ رؤسائے شہر نے ان کے مقدمہ کی پیروی کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ بچوں نے کئی دنوں سے مٹھائی اور چاکلیٹ کے سارے پیسے بچا بچا کر آج ہی کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ خواتین نے اپنے اپنے کانوں کی بالیاں آج ہی کے لئے اتار رکھی تھیں۔ سارا نگر یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں عدالت کی نگاہ میں مجرم نہ ثابت ہوں، کسی طرح یہ قانون کی زد سے بچ جائیں۔ خود حاکم کو بھی ان دونوں کی معصومیت پر ترس آرہا تھا، وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ دونوں خلاصی پا جائیں لیکن دشواری یہ تھی کہ خود یہ دونوں ایسا نہیں چاہتے تھے۔ شہادت کا شوق ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا اور یہ جلد از جلد پھانسی کے تختے کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، آقا پر قربان ہو جانے کی تڑپ انہیں بے چین کئے دے رہی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ کم از کم اپنی زبان سے اقبالِ جرم نہ کریں، صرف ایک بار کہہ دیں کہ انہوں نے خون نہیں کیا لیکن دونوں یہی کہتے رہے۔ میں نے خون کیا ہے، میں ہی قاتل ہوں، میں نے ہی اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔ آخر فیصلہ کا دن آ ہی گیا۔ قانون کی نگاہ میں دونوں مجرم ثابت ہوئے اور دونوں ہی کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔

آج شہر کی ساری آبادی علی پور جیل کے گرد سمٹ آئی تھی، ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چہرے جن پر تقدس برس رہا تھا، معصومیت قربان ہو رہی تھی۔ تقدس برستا رہا، معصومیت ٹوٹتی رہی اور لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں لیکن یہ دونوں کسی اور طرف دیکھ

رہے تھے۔ ان کی نگاہیں بار بار ایک طرف اٹھ اٹھ جاتی تھیں۔ دفعتاً ان کے چہروں پر اضطراب کی ایک کیفیت نمودار ہوئی اور ان کا چہرہ اتر گیا۔ ان دونوں کا آخری دیدار کرنے کے لئے ان دونوں کی مائیں بھی پشاور سے آ گئی تھیں اور اس وقت یہ دونوں بھی دیکھنے والوں کی صف میں کھڑی تھیں۔ جب انہوں نے ان دونوں کی اس حالت کا اندازہ کیا، برس پڑیں:

''دمِ آخر چہروں پر حزن و ملال کے آثار کیوں؟ زندگی جب اتنی پیاری تھی تو موت کو دعوت کیوں دی تھی؟ کیا اللہ والوں کا یہی وطیرہ ہے، شیدائیانِ رسول ﷺ کا ایسا ہی کردار ہوتا ہے؟ سرفروش اسی طرح جان دیتے ہیں؟ خبردار! جو چہرے پر غم کی کیفیت پیدا ہونے دی۔ یاد رکھو! اگر تم نے ہنستے ہوئے جان نہیں دی، اگر دار و رسن کا پرتپاک خیر مقدم نہیں کیا، اگر مسکراتے ہوئے جامِ شہادت نہیں نوش کر سکے تو ہم تمہارا دودھ کبھی نہیں بخشیں گی۔ تم کو خوش ہونا چاہئے کہ آج تم اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہو جو ہر کسی کا مقسوم نہیں۔''

یہ رتبہ بلند ملا جس کو ملا گیا

امیر احمد اور عبداللہ ایک ساتھ بول پڑے۔ چہروں پر جو اضطراب کی لکیر آپ کو نظر آ رہی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم لوگ جان سے جا رہے ہیں، ہمارے چہروں پر غم کی گھٹا اس لئے نہیں چھائی ہے کہ ہم تختہ دار پر چڑھنے ہی والے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ شہادت پیش کرنے میں لوگ دیر کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری نگاہیں اس وقت جو کچھ دیکھ رہی ہیں، اگر آپ دیکھ لیجئے تو آپ بھی ہماری جگہ آنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کے اطمینان کے لئے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہماری منزل مل گئی ہے،

ہمارے آقاؐ کالی کملی اوڑھے ہمارے سامنے کھڑے اپنے ہاتھوں کے اشارے سے اپنے پاس بلا رہے ہیں لیکن ہمارے اور ان کے درمیان شرط یہی ٹھہری ہے کہ ہم جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد ہی ان تک پہنچ سکیں گے۔

پھانسی کا پھندا آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ ہنستے ہوئے جان دے رہے تھے۔ انہوں نے جان دے ڈالی، وہ دونوں شہید ہو گئے، رحمت کی گھٹائیں ان پر برس پڑیں اور وہ ان میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے۔

جنت کے جانے والے! جنت کا سفر مبارک ہو، اس کی سرمدی راحتیں مبارک ہوں، ابدی نعمتیں مبارک ہوں۔ ان شہیدانِ محبت کی آخری آرام گاہ کلکتہ کے گورا قبرستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۵۷ تا ۱۶۴)

جینے کا ہمیں کچھ شوق نہیں مرنے کی ہمیں کچھ فکر نہیں
وہ مر کے بھی زندہ رہتے ہیں جو حق کی حمایت کرتے ہیں

غازی عبدالمنانؒ

رسوائے عالم شردھانند اور راجپال کے عبرتناک قتل پر چند ہی برس گزرے تھے کہ نا قابل اصلاح مہا سبھائی ذہنیت نے پھر ایک بار انگڑائی لی اور ضلع کیمبل پور کے ایک بد باطن کراڑ بچے نے شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔

ہوا یہ کہ حضرو تھانہ سے تین میل مشرق کی جانب ایک گاؤں برہ زئی میں آلو پیاز کی پھیری لگانے والے ادھیڑ عمر ہندو بھیشو نے کسی خاتون گاہک کو سودا بیچنے میں حدّ ادب کو پھلانگتے ہوئے، بلا وجہ شانِ رسالت ﷺ میں گستاخانہ حملہ کیا۔ وقتی طور پر بات رفت گزشت ہو گئی کیونکہ آس پاس کوئی مرد اس وقت موجود نہ تھا۔ بھیشو ہانک لگاتا گاؤں سے

باہر نکل گیا، وہ ایک نواحی قصبہ نرتوپہ کا رہنے والا تھا، اس کا اصل نام بھوشن اور عرفی نام بھیشو تھا۔ وہ برسوں سے آس پاس کے دیہات میں سبزی کی پھیری لگانے آتا۔ ہر چند اسے معلوم تھا کہ مسلمان دیہاتی ہی اس کے گاہک اور رزق کا وسیلہ ہیں، اس کی بے لگام زبان مسلمانوں کے بارے میں زہر اگلنے سے باز نہ رہتی۔ مسلمان صبر سے کام لیتے کہ کتے کی عف عف کا کیا جواب۔ آخر کار اس کے دل کی خباثت ابل کر ایک روز ہونٹوں تک آ گئی۔ یہ جولائی 1937ء کے پہلے ہفتے کا واقعہ ہے، گاؤں بھر میں چرچا ہوا۔

تیسرے چوتھے روز گاؤں کا ایک اٹھارہ سالہ نوجوان عبدالمنان دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں غور غشتی کے مدرسہ سے صرف ونحو کا درس لے کر گھر واپس پہنچا تو اس کے بڑے بھائی حافظ غلام محمود نے کہا کہ بعد دوپہر جب دھوپ ذرا ڈھل جائے تو مجھے سائیکل پہ حضرو چھوڑ آنا، میں وہاں سے پنڈی کے لئے بس پکڑ لوں گا۔ عبدالمنان نے کہا، ٹھیک ہے، آپ ذرا دیر آرام کریں، میں بھی مسجد میں جا کر ستا لوں۔

وہ گھر سے باہر نکلا تو کسی نے اسے بتایا کہ بھیشو آج پھر گاؤں کی گلیوں میں ہانک لگاتا پھرتا ہے۔ عبدالمنان مسجد کے اندر جاتے جاتے رک گیا۔ اسے کچھ خیال آیا، ایک خیال جس نے اس کی تقدیر بدل دی، وہ تقدیر جس پر فرشتوں کو بھی رشک آئے۔ وہ تیزی کے ساتھ اپنے ایک دوست کے یہاں پہنچا اور اس سے کمانی دار چاقو مانگا جو حال ہی میں اس نے خرید کیا تھا اور عبدالمنان کو بہت پسند آیا تھا۔

چاقو لے کر وہ اپنے شکار کی تلاش میں نکلا۔ بھیشو اس دوران گاؤں سے باہر کھلے کھیتوں سے ہوتا ہوا ڈیڑھ فرلانگ دور جا چکا تھا۔ عبدالمنان نے اس کا تعاقب کیا اور کھیتوں سے پرے گھنے درختوں سے متصل ایک کنوئیں پر جا لیا جہاں بھیشو کچھ ستانے کو رک گیا تھا۔ عبدالمنان اس کے پاس جا بیٹھا اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بھیشو نے اس کے

ہاتھ میں چاقو دیکھ کر پوچھا، یہ کیوں کھول رکھا ہے؟ عبدالمنان نے جواب دیا، ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ دشمن رسولؐ کو اپنے انجام کا احساس ہوگیا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔

عبدالمنان نے پوچھا کہ تو نے اگلے روز شان رسالتؐ میں گستاخی کی جرأت کیوں کر کی؟ بھیشو کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو عبدالمنان نے چاقو اس کے سینے میں پیوست کر دیا، وہ اٹھ کر بھاگنے لگا مگر اجل کہاں جانے دیتی ہے۔ عبدالمنان نے اسے گھٹنوں تلے دبوچ کر دو تین وار اور کیے۔ کافر کا ناپاک خون کنوئیں کے حوالی کی مٹی میں جذب ہونے لگا۔ بھیشو نے صرف اتنا کہا کہ مار تو چکا ہے، اب تو بس کر۔

دشمن کو ابھی تک زندہ جان کر عبدالمنان نے اس کی شہ رَگ کو چاقو کی دھار پر لیا اور اس کا کام تمام کر ڈالا۔ چند زمیندار جو کنوئیں سے چند گز ادھر اپنے کام میں مصروف تھے، شور سن کر آ گئے۔ کچھ دیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے برہ زئی اور آس پاس کے دیہات سے مسلمان جمع ہو گئے، کسی نے حضرو تھانہ جا کر اطلاع کر دی اور پولیس آ گئی۔

ظہر کا وقت ہو چلا تھا جب پولیس کے جھرمٹ میں عبدالمنان کو حضرو لے جایا گیا۔ سینکڑوں آدمی تکبیر بلند کرتے ہوئے جلوس کی شکل میں ساتھ ساتھ گئے۔ حضرو پہنچتے پہنچتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ تھانہ کے مسلمان انچارج نے عبدالمنان سے کہا کہ تم اپنا بیان میری ہدایت کے مطابق لکھواؤ۔ عبدالمنان نے کہا، یہ پٹی تم کسی اور کو پڑھانا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کی محبت میں اپنا فرض ادا کیا ہے اور اب جھوٹ بول کر اپنے عمل کو ضائع نہیں کر سکتا۔

بہر کیف تھانہ حضرو میں عبدالمنان کا اقبالی بیان درج ہو گیا۔ تھانہ والوں نے کیمبل پور اطلاع دی کہ یہاں ہزاروں مسلمان مشتعل کھڑے ہیں، اندیشہ ہے کہیں ہندو

مسلم تصادم نہ ہو جائے۔ کیمبل پور سے سپرنٹنڈنٹ اور دو تین چھوٹے افسر حضرو پہنچ گئے اور عبدالمنان کو کار میں کیمبل پور لے آئے۔ یہاں بھی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے عبدالمنان کو ہمدردانہ مشورہ دیا مگر اس نے جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا۔

دو تین روز میں استغاثہ مکمل ہو گیا۔ اقبالی بیان تو موجود تھا ہی۔ عبدالمنان سیشن سپرد ہو گیا۔ ان دنوں مسٹر جی۔ ڈی۔ کھوسلہ کیمبل پور کے ڈسٹرکٹ سیشن جج تھے۔ فریقین نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے۔ مقتول کی طرف سے دو تین جگادھری ہندو وکلاء نے پیروی کی۔ پیش کے روز عدالت کے باہر ہزاروں کا مجمع تھا۔ دراز قامت اٹھارہ سالہ نوجوان عبدالمنان مجرموں کے کٹہرے میں بڑے وقار کے ساتھ کھڑا مقدمے کی کاروائی سنتا۔ مقتول کی بیوی بھی گواہی کے لئے پیش ہوئی اور اس نے جرح کے دوران اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ بھیشو اکثر مسلمانوں کے خلاف زہر چکانی کرتا اور منع کرنے کے بعد باوجود باز نہیں آتا تھا اور آخر کار وہی ہوا جو غیر متوقع نہیں تھا۔ بیوی کے بیان نے مقتول شوہر کے استغاثہ کا حصار توڑ کر رکھ دیا۔

جی۔ ڈی کھوسلہ نے قتل کو فوری اشتعال کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے عبدالمنان کو سات سال قید سخت کی سزا سنائی اور فیصلہ میں لکھا کہ مجرم اگر جوان سال نہ ہوتا تو اسے عمر قید کی سزا دی جاتی۔ جس وقت فیصلہ سنایا جا رہا تھا، عدالت کے باہر ان گنت مسلمان والہانہ نعرے لگا رہے تھے اور حب رسول ﷺ کی بارش اہل ایمان کے دلوں پر رم جھم برس رہی تھی۔ عبدالمنان کو عدالت کے عقبی دروازہ سے نکال کر عجلت کے ساتھ جیل میں پہنچا دیا گیا اور مجمع بہت دیر انتظار کرنے کے بعد منتشر ہو گیا۔ انہیں افسوس ہی رہا کہ اس روز وہ اس جیالے عاشق رسولؐ کی جھلک نہ دیکھ سکے۔

مسلمانوں نے ہائی کورٹ میں اپیل کے تگ و دو کی۔ ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر کا خیال

تھا کہ اپیل دائر کرنی چاہئے مگر کچھ دوسرے مقتدر مسلمان وکلاء نے مشورہ دیا کہ سزا میں اضافہ کا امکان ہے، اس لئے اپیل نہ کرنا ہی قرین مصلحت ہے چنانچہ اپیل نہ کی گئی۔

سات برس کی مدت قید چھوٹ کے ایام کی رعایت سے صرف پانچ برس رہ گئی جن میں سے عبدالمنان نے ایک برس ملتان اور چار برس پنڈی جیل میں گزارے۔ ایک محفل میں گزشتہ دنوں مجھے غازی عبدالمنان سے ملاقات کا موقع ملا۔ میں اس کی باوقار اور متین شخصیت سے متاثر ہوا۔ اس نے یہ سارا واقعہ دھیمے لہجے میں مجھے خود سنایا۔

غازی عبدالمنان نے ان دنوں برہ زئی میں آٹا پیسنے کی مشین لگا رکھی ہے۔ اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو پنڈی میں بیاہی ہوئی ہے۔ بڑا لڑکا انگلینڈ میں ہے اور خاصا متمول ہے۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۱۸۳ تا ۱۸۶)

بے سروساماں سہی باطل سے کیوں گھبرائیں ہم
حق ہمارے ساتھ ہے کیا ڈر ہمیں اشرار کا
سرورِ کونینؐ سے ہے سر کا سودا ہو چکا
ہم نہ پوچھیں گے امین کیا بھاؤ ہے بازار کا

غازی عبدالرحمٰن شہیدؒ

مانسہرہ شہر میں قیامِ پاکستان سے قبل ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ دکان مسلمانوں کی تھی، اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ برصغیر میں ظاہر ہوتا۔ ہندو رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے اور یوں صورتحال خاصی گڑبڑ ہوتی۔ یہاں کشمیر روڈ پر بھی ایک سکھ تھا جو انتہائی خودسر اور گستاخ تھا۔ 24 سال کا جوان تھا، اکثر مسلمانوں کے ساتھ وہ بحث مباحثہ کرتا رہتا اور بڑی رعونت سے پیش آتا۔

غازی عبدالرحمٰن شہید نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے موضع صابر شاہ نزد بفہ سے پیدل چل کر مانسہرہ تشریف لائے تھے۔

حسبِ معمول وہ جمعہ پڑھنے کے لئے گھر سے نکلے تو ان کے بھانجے سنگار خان اپنی زمین میں مال مویشی چرا رہے تھے، اس کو اپنے پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹا! میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔ سنگار خان کہنے لگے کہ میں اس وقت چونکہ چھوٹا سا تھا، اس لئے پوچھ نہ سکا کہ آپ کا کیا مقصد ہے؟ جب غازی صاحب روانہ ہونے لگے تو میں نے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ غازی عبدالرحمٰن صاحب کے ہاتھ میں ہمیشہ چھوٹی سی کلہاڑی ہوتی۔ جب مانسہرہ آئے تو کشمیر روڈ پر سودا لینے کے لئے گئے جہاں سکھوں کی دکانیں تھیں۔ سکھوں کی دکان پر غازی علم الدین شہیدؒ کے واقعہ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور سکھ تنقید کر رہے تھے۔ اس سے دو چار دن پہلے مانسہرہ میں ایک احتجاجی جلوس نکلا تھا جس میں مولوی غلام سرور صاحب نے تقریر کی اور گستاخانِ رسولؐ کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر حکومت سزا نہیں دے سکتی تو ایسے بدقماش لوگوں کا قلع قمع ہم خود کریں گے۔

جب غازی عبدالرحمٰن صاحب سکھوں کی دکان پر پہنچے تو اس نوجوان سکھ نے جوانی کے جوش میں مسلمانوں کے خلاف کچھ باتیں کیں۔ غازی عبدالرحمٰن صاحبؒ نے کہا کہ اگر تمہارے بھائی بند ایسے واقعات کا ارتکاب نہ کریں جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہو تو ایسے حالات ہی پیدا نہ ہوں۔ اس سکھ نے کہا، جو میرے بھائی بند کرتے ہیں، میں وہی کروں گا۔ غازی صاحب نے کہا، پھر ہم تمہاری زبان گدی سے کھینچ لیں گے۔ اسی تو تکار میں اس نے آقائے نامدار ﷺ کے بارے میں زبان سے کوئی نازیبا لفظ کہہ دیا۔ بس پھر کیا تھا، غازی عبدالرحمٰن صاحب وہ لفظ سن کر ہوش کھو بیٹھا، اس سکھ پر لگا تار وار کئے۔

آگے آگے وہ سکھ بھاگ رہا تھا اور پیچھے پیچھے غازی صاحب تعاقب کر رہے تھے۔ پرانے جی ٹی ایس اڈے کے قریب اس سکھ کے بھائیوں کی سوڈا واٹر کی دکانیں تھیں، وہ ان دکانوں میں داخل ہوا۔ جگت سنگھ اس کا بھائی تھا، اس نے بھی غازی صاحب کو نہ روکا۔ غازی صاحب نے مشینوں کے نیچے گھسے ہوئے سکھ پر کئی وار کئے اور شدید زخمی کر دیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر پورا بازار بند ہو گیا، بھگدڑ مچ گئی۔ غازی عبدالرحمٰن صاحب ایبٹ آباد روڈ سے نعرے لگاتا ہوا کشمیر روڈ کی طرف آیا اور خوشی سے یہی کہہ رہا تھا کہ:

''میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا۔ میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا، میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا۔''

غازی صاحب سکھ کو قتل کرنے کے بعد بھاگے نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی بلکہ بالکل پرسکون رہے۔ جب غازی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا بیان پولیس کو دیا تو کہا، میں نے ہوش وحواس میں اس سکھ کو جہنم رسید کیا ہے۔ اگر وہ میرے آقا ومولیٰ ﷺ کی توہین کا ارتکاب نہ کرتا تو میں اسے سزا نہ دیتا۔ جب کیس عدالت میں پہنچا تو تین چار وکیل غازی عبدالرحمٰن صاحب کے دفاع میں پیش ہوئے۔ وکلاء نے کہا، غازی صاحب آپ کہہ دیں کہ میں اتنا مشتعل تھا کہ مجھے کوئی ہوش نہ تھا، ہم آپ کو بچا لیں گے لیکن غازی عبدالرحمٰن نے کہا، میں جھوٹ بول کر اپنا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ عدالت نے غازی عبدالرحمٰن صاحب کو پھانسی کی سزا سنا دی۔

وکلاء نے غازی عبدالرحمٰن سے کہا، کیا ہم ہائی کورٹ میں اپیل کریں؟ غازی صاحب نے صاف کہہ دیا، میں اب اپیل نہیں کروں گا، اس جان کی پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ غازی عبدالرحمٰن صاحب کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ جب پھانسی کے بعد اس پروانے کی لاش صابر شاہ لائی گئی تو بھیر کنڈ سے صابر شاہ تک راستہ کے دونوں کناروں پر عوام کا جم غفیر

تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے تمام مسلمان آج مانسہرہ کی سرزمین پر جمع ہو گئے ہیں۔ نہایت تزک واحتشام سے غازی عبدالرحمٰن شہید کو سپردِ خاک کیا گیا۔ آج وہ صابر شاہ کے بڑے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ بقول شاعر:

ہم نے دیکھی تھی ادا کل تیرے دیوانے کی
دھجیاں لئے بیٹھا تھا گریبانوں کی

(شہیدان ناموس رسالت ؐ ۱۹۸)

ایک گمنام شہیدِ رسالت ؐ اور سر محمد شفیع

تقسیمِ ہند سے قبل کا واقعہ ہے۔ ایک انگریزی میجر کی بیوی نے اپنے مسلمان خانساماں کے سامنے حضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کئے جس پر اس مردِ غیرت مند نے اسی وقت اس انگریز میم کا کام تمام کر دیا۔ یہ مقدمہ لاہور ہائی کورٹ پہنچا تو ڈویژن بنچ میں دو انگریز جج اس مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے۔ ملزم کی جانب سے اس وقت کے سیاسی رہنما اور ممتاز قانون دان میاں سر محمد شفیع جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے، مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ یہاں ہمیں سر محمد شفیع کے سیاسی معتقدات سے بحث نہیں بلکہ سرکارِ دربار میں رسائی کے باوجود ان کی دینی حس کو بتلانا مقصود ہے۔ اس مقصد میں دورانِ بحث میاں محمد شفیع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس پر مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججوں نے حیرت سے پوچھا۔ سر شفیع! کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے؟ جس پر سر شفیع نے جواب دیا:

”جناب آپ کو نہیں معلوم، ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر ﷺ کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں

ہوتا تو وہ یہی کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے۔''

یوں عشق کی تکمیل مسلمان کریں گے
ان جان دو عالم پہ یہ فدا کریں گے
یوں روح کی تسکین کا ساماں کریں گے
ایمان کے لئے جان کو قربان کریں گے

(شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۰۸)

غازی محمد حنیف شہیدؒ

غازی محمد حنیف شہیدؒ نے اپنی بے مثال وفاؤں کا باب مسلم ریاستی دارالحکومت ''بھوپال'' میں رقم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وسطِ ہند کے اس تہذیبی شہر میں ایک گرلز ہائی سکول کی انگریز ہیڈ مسٹریس نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مدرسہ کی صفائی کے بہانے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق ایک خاکروب کے ہاتھوں کوڑے میں ڈلوائے اور جب اس پر احتجاج کیا گیا تو اس بدزبان و بدنصیب عورت نے قرآن پاک، دینِ متین اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے بارے میں نازیبا اور اشتعال انگیز الفاظ کہے۔

بھوپال کے ایک غیرمند نوجوان محمد حنیف نے جو پیشے کے اعتبار سے قصاب تھے، انگریز عورت کو راستے میں روک لیا اور اس سے کہا کہ وہ اپنی اس ناپاک جسارت اور شیطانی حرکت پر شہر کے مسلمانوں سے معافی مانگے اور اعلان توبہ کرے۔ حکومت کے نشہ میں چور اس بنتِ ابلیس نے یہ مطالبہ ٹھکرا دیا اور مجاہدِ ملت کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ غازی محمد حنیف اس غلط کار عورت کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر تھانے میں حاضر ہو گئے۔ اقبالِ فعل کیا اور تمام عدالتوں میں اعترافِ حقیقت بیان فرمائی۔ کچھ عرصہ جیل میں گزرا، مقدمہ کی سماعت ہوئی اور محمد حنیف

غازی کو پھانسی کی سزا سنادی گئی۔ (شہیدان ناموس رسالتؐ ۲۴۲)

مولانا شمس الدین شہیدؒ

حضرت مولانا شمس الدین شہیدؒ 1945ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد محمد زاہد فورٹ سنڈیمن کے نامور عالمِ دین شمار کئے جاتے ہیں۔مولانا شمس الدین شہیدؒ نے میٹرک کے بعد مختلف دینی مدارس میں دینی تعلیم کی تکمیل کی۔آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک اور مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی سرفہرست ہیں۔دورۂ حدیث 1969ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے کیا۔جس وقت مولانا شمس الدینؒ نصرتِ العلوم گوجرانوالہ میں تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ چند نوجوان مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں جمع ہوئے تا کہ اس امر پر غور کیا جائے کہ ملک میں اسلامی نظام کے لئے عملی جدوجہد کی جائے۔کافی غور وخوض کے بعد جمعیت طلباء اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا اور ملک کے دوسرے صوبوں میں کنوینر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔اجلاس میں جب صوبہ بلوچستان کا نام آیا تو اس مدرسہ کا نوجوان طالب علم جس کی پیشانی سے عزم وہمت کے سوتے پھوٹ رہے تھے، کھڑا ہوا اور کہا کہ بلوچستان کی ذمہ داری میں اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا گیا اور اس نوجوان کو بلوچستان کا پہلا کنوینر مقرر کردیا۔یہ وہ نوجوان تھا جو بعد میں ''شمس الدین شہیدؒ'' کے نام سے تاریخ بلوچستان میں جگمگا رہا ہے۔

مولانا شمس الدین شہیدؒ نے جن محاذوں پر خاص طور پر کام کیا، ان میں ایک محاذ مرزائیت کا بھی ہے۔انہوں نے جمعیت طلباء اسلام کے جیالوں سے مل کر بلوچستان سے مرزائیت کا جنازہ نکال دیا تھا۔1973ء میں جب قادیانیوں نے انتہائی دجل وفریب کے

ساتھ قرآن پاک کے معنی ومفہوم میں ملحدانہ تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بطورِ خاص شائع کیے تو مولانا کی غیرتِ ایمانی جوش میں آئی۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ قرآن شریف کے تحریف شدہ نسخے کو فوراً ضبط کیا جائے اور قادیانیوں کو فوراً یہاں سے نکال دیا جائے۔ حکام نے اسے معمولی بات سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ اس ناپاک حرکت پر فورٹ سنڈیمن کے غیور مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ عوام نے اپنے عقائد کی کھلم کھلا توہین کے خلاف احتجاج کے لئے 15 جولائی 1973ء کو ایک مقامی پارک میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔ عوام عملی کاروائی کرنے پر زور دے رہے تھے۔ اس دوران ایک قادیانی مسلمانوں کے جوش اور غضب کا نشانہ بنا اور جہنم رسید ہوا۔ اس موقع پر مولانا شمس الدین شہیدؒ، مولانا محمد خان شیرانی اور صاحبزادہ نور الحق سمیت 36 سرکردہ حضرات رضا کارانہ طور پر گرفتاری کے لئے پیش ہوئے اور کئی راتیں تھانے میں گزاریں۔

کوئٹہ سے ژوب آتے ہوئے بگٹی کے مقام پر مولانا شمس الدین مردہ پائے گئے۔ ملک گل حسن کے پٹرول کی گاڑی اس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ انہوں نے ژوب اطلاع کر دی کہ مولوی صاحب موٹر میں مردہ پڑے ہیں، کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔ لوگ وہاں گئے اور انہیں ژوب لے آئے۔ یوں بھٹو حکومت کی شرارت پر 13 مارچ 1974ء کو مولانا شمس الدین نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ گھر لانے پر سب گھر والوں، عزیز واقارب اور دوستوں نے انہیں شہید ہونے پر مبارکباد دی۔ 14 مارچ 1974ء کو ہزاروں اشکبار آنکھوں نے انہیں رخصت کیا۔ انہیں دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر پھولوں کی بارش ہوئی، ان کے خون سے عطر کی خوشبو آرہی تھی۔ (شہیدان ناموس رسالت ۲۴۶)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ جون 1999ء کا واقعہ ہے۔ برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں واقع لڑکیوں کے ایک سکول کے ہال میں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ موضوع تھا ''مشہور مذہبی شخصیت'' اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ایک بچی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔ اپنی تقریر کے دوران یہ بچی جب بھی لفظ ''محمد'' ادا کرتی تو غیر ارادی طور پر ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہ کہتی۔ کلاس میں بیٹھی ایک بچی کو یہ حرکت نہایت ناگوار گزری۔ اس غیر ارادی لغزش کو ایک دو دفعہ برداشت کرنے کے بعد اس بچی سے نہ رہا گیا۔ وہ اچانک اپنی نشست سے اٹھی اور زوردار آواز میں بے اختیار پکار اٹھی ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سکول کی تاریخ میں پہلی بار کسی نے نظم وضبط کی خلاف ورزی کی تھی۔

بچی کو فوری طور پر ہال سے نکال دیا گیا۔ یہودی وعیسائی اساتذہ اور ماہرین نفسیات پر مشتمل بورڈ نے بچی سے متعدد سوالات کئے اور اس بے ساختہ حرکت کے بارے میں پوچھا۔ بچی نے ہچکیوں اور سسکیوں میں ایمان افروز جواب دیا کہ جب کوئی شخص ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا اسمِ گرامی استعمال کرتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ادا کرے، میں اس پر کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتی۔ حضور نبی اکرمؐ کا اسمِ گرامی سن کر ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے الفاظ کہنا میرا ایمانی و دینی استحقاق اور فریضہ ہے۔ اس فریضہ اور استحقاق کی ادائیگی سے مجھے ڈسپلن کے نام پر نہیں روکا جا سکتا۔

(شہیدانِ ناموسِ رسالتؐ 9)

سرمایہ حیات

1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ایک موقع پر حضرت مولانا تاج محمود جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں شمع رسالتؐ کے پروانوں کے ایک بے انتہا مجمع سے خطاب کررہے تھے۔ وہ قادیانی امت اور اس کے تحفظ کے لئے حکومت وقت کی طرف سے کئے گئے اقدامات کے خلاف بپھرے ہوئے اس مجمع سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو سول نافرمانی کی ترغیب دے رہے تھے۔

مولانا تاج محمود کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ آواز مسجد کی سیڑھیوں کے نزدیک کھڑی ایک خاتون بھی ہمہ تن گوش ہوکر سن رہی تھی۔ دفعتاً شدت جذبات سے مغلوب ہوکر ساری مسجد میں پھیلے ہوئے مجمع کو چیرتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور اپنی گود کے بچے کو منبر کے نزدیک جاکر (جہاں مولانا صاحب کھڑے تقریر کررہے تھے) مولانا کی طرف اچھال دیا اور پنجابی زبان میں کہا کہ مولوی صاحب! میرے پاس یہی سرمایہ ہے۔ اسے سب سے پہلے حضورؐ کی آبرو پر قربان کردو۔ یہ کہہ کر وہ عورت الٹے پاؤں باہر کی طرف چل پڑی۔

اس وقت سارا مجمع دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ خود مولانا کی آواز گلوگیر اور رندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ لوگو! اس بی بی کو جانے نہ دینا، اسے بلاؤ۔ چنانچہ اس خاتون کو بلایا گیا اور مولانا نے کہا کہ:

> ”بی بی! سب سے پہلے گولی تاج محمود کے سینے سے گزرے گی۔ پھر میرے اس بچے (اپنے قدموں میں بیٹھے اپنے معصوم اکلوتے بیٹے طارق محمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے سینے سے۔ پھر اس مجمع کے تمام افراد گولیاں کھائیں گے اور جب یہ سب قربان ہوجائیں تو اپنے اس بچے

کو لے آنا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نبیؐ کی عزت پر قربان کر دینا۔''

یہ کہا اور وہ بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا۔

(ہفت روزہ لولاک، مولانا تاج محمود نمبر ۸۲)

بہادر ماں

شاعرِ ختمِ نبوت سیّد امین گیلانی اپنی جیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ایک دن جیل کا سپاہی آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ کو دفتر میں سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ میں دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ میری والدہ صاحب معہ میری اہلیہ اور بیٹے سلمان گیلانی کے، جس کی عمر اس وقت سوا ڈیڑھ سال تھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ والدہ محترمہ مجھے دیکھتے ہی اٹھیں اور سینے لگایا، ماتھا چومنے لگیں۔ حال احوال پوچھا،، ان کی آواز گلوگیر تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے محسوس کر لیا کہ وہ رو رہی ہے۔ میرا بھی جی بھر آیا، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یہ دیکھ کر سپرنٹنڈنٹ نے کہا، اماں جی! آپ رو رہی ہیں، بیٹے سے کہیں (ایک فارم بڑھاتے ہوئے) کہ اس پر دستخط کر دے تو اسے ساتھ لے جائیں، ابھی معافی ہو جائے گی۔ میں ابھی خود کو سنبھال رہا تھا کہ اسے جواب دے سکوں۔ والدہ صاحبہ تڑپ کر بولیں، کیسے دستخط، کہاں کی معافی، میں ایسے دس بیٹے حضورؐ کی عزت پر قربان کر دوں۔ میرا رونا شفقت مادری ہے۔ یہ سن کر سپرنٹنڈنٹ شرمندہ ہو گیا اور میرا سینہ ٹھنڈہ ہو گیا۔

(تحریکِ ختمِ نبوت ۵۳۲/۵۳۳ از مولانا اللہ وسایا)

غازی صوفی عبداللہ انصاری

1938ء میں رونما ہونے والا یہ واقعہ وسانحہ ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتا ہے جو چک نمبر 24 چھوٹی کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں کے ساکن مذکورہ مردود

مسمی نور محمد جٹ کاہلوں کے ایک شادی شدہ مسلمان عورت سے ناجائز تعلقات استوار ہو گئے جو قریب کے ایک موضع ہرنالہ کی رہنے والی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے اور کوشاں رہنے لگے کہ کسی طرح ان کی آپس میں شادی ہو جائے۔ لیکن عورت چونکہ پہلے ہی شادی شدہ تھی، اس لئے انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر اسلام سے منہ موڑ لیں اور عیسائیت اختیار کر لیں تو یہ مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سانگلہ ہل جا کر ایک عیسائی پادری کے ہاتھوں عیسائیت و مسیحیت اختیار کر لی۔ مگر پھر بھی ان کی خواہش کے مطابق مسئلہ حل نہ ہوا تو بالآخر دونوں بھاگ کر امرتسر چلے گئے اور سکھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ بدقماش نور محمد نے اپنا نام چنچل سنگھ اور بدکار عورت نے دلجیت کور رکھ لیا اور کچھ عرصہ امرتسر میں قیام کر کے مذہب کے قواعد وضوابط کی تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر لی۔ بعدازاں چک نمبر 24 چھوٹی میں آ کر آباد ہو گئے جہاں بیشتر آبادی سکھوں کی تھی۔

سکھ ان کو ہمیشہ مشکوک نظروں سے دیکھتے اور باوجود ان کی یقین دہانی کے کہ وہ واقعی دل سے سکھ مذہب اختیار کر چکے ہیں، سکھوں نے انہیں تسلیم نہ کیا اور چند شرائط پیش کیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ سرعام جھٹکے کا گوشت کھائیں۔ اس بدبخت و بدقسمت جوڑے نے جھٹکے کا گوشت کھا کر یہ شرط پوری کر دی۔ اس کے بعد سکھوں نے دوسری شرط پیش کی کہ اب سور کا گوشت کھائے۔ ان دونوں نے اعلانیہ سور کا گوشت بھی کھا لیا۔ لیکن سکھوں کو اتنی سخت شرائط منوا لینے کے باوجود بھی ان کی طرف سے دلجمعی نہ ہوئی۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ ایک بڑا اجتماع جسے سکھ لوگ اکھنڈ پاٹھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، منعقد کیا جائے اور یہ دونوں اس اجتماع میں سرعام پیغمبر اسلام ﷺ کی بے حرمتی کریں (نعوذ باللہ من ذٰلک) چنانچہ وہ دونوں یہ بھی کر گزرے۔ مگر اس حرکت سے آس پاس کے دیہات کے مسلمانوں کی سخت دل آزاری ہوئی۔ ان کی غیرتِ اسلامی جاگ اٹھی اور سارے علاقے

میں ہیجان پھیل گیا جس پر سکھوں نے مسلمانوں کے مجمع عام سے اس بیہودہ و ناپسندیدہ حرکت کی معافی مانگی مگر مسلمانوں کی تسلی و تشفی نہ ہوئی۔ مسلمان بضد تھے کہ جس نابکار و نانہجار جوڑے نے اس گستاخی و بے حرمتی کا ارتکاب کیا ہے، وہ تو سامنے نہیں آیا۔ نہ ہی ان لوگوں نے معافی مانگی ہے اور نہ ہی ان کو کوئی احساسِ ندامت ہوا ہے۔ اس پر ایک دوسرے اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں اس بدکردار جوڑے نے بھی مسلمانوں سے معافی مانگ لی البتہ سکھ مذہب کو ترک نہ کیا اور اس پر حسب سابق کاربند رہے۔

اس موقع پر غازی صوفی عبداللہ انصاری کی رگِ حمیت پھڑکی۔ عبداللہ پٹی تحصیل قصور کا رہائشی تھا۔ ان دنوں چک نمبر 24 شریف میں اپنے پیر خانے پر موجود تھا۔ وہ پکا مسلمان اور سچا عاشق رسولؐ تھا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا کہ ان مرتدین نے جو گناہ عظیم کیا ہے، اس کی معافی تو اللہ پاک یا نبی کریمؐ کے سوا کوئی دوسرا شخص دینے کا مجاز و حقدار نہیں۔ لیکن انہوں نے جو گستاخی حضور شہنشاہِ کونینؐ کی بابت کی ہے، اس کی سزا انہیں اسی دنیا میں ملنی چاہئے اور یہ سزا انہیں میں دوں گا۔ میں بحیثیت ایک ادنیٰ غلام سرکارِ مدینہؐ کے کو واصل جہنم کروں گا۔

اس کے بعد صوفی عبداللہ کو یہی فکر دامن گیر رہتی کہ کب اور کس وقت اور کس طرح اس کی دلی آرزو و تمنا پوری ہوتی ہے۔ نماز پڑھتا اور خاموش بیٹھا یہی سکیمیں سوچتا رہتا۔ غریب محنتی آدمی تھا۔ بالآخر اس نے کہیں سے ایک معمولی چھری حاصل کر لی اور اسے تیز کیا اور اس راز کو سینے میں چھپائے چک نمبر 24 چھوٹی کی طرف چل دیا۔ اتفاقاً اسے راستے میں چنچل سنگھ کا حقیقی بھائی نتھو مل گیا۔ عبداللہ نہ چنچل سنگھ کو جانتا تھا اور نہ نتھو کو۔ بہرحال عبداللہ کے دریافت کرنے پر نتھو نے اشارے سے بتایا کہ وہ دیکھو سامنے چنچل سنگھ اپنے کھیت میں کام کر رہا ہے۔ غریب الوطن مردِ مجاہد اس کی طرف سیدھا ہو گیا اور اسے دور ہی

سے للکار کر کہا کہ تیار ہو جاؤ، عاشقِ رسول آن پہنچا ہے۔ قوی ہیکل اور ہٹا کٹا چنچل سنگھ جو ہر وقت کرپان سے مسلح رہتا تھا، کرپان سونت کر عبداللہ کی طرف بہ ارادۂ پیکار بڑھا اور کرپان کا وار بھی کیا مگر وار خالی گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کے شیر نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے قوتِ ایمانی کے جوش اور عشق نبیؐ کے زور سے چھری کے ساتھ حملہ کیا اور پہلے ہی وار میں گستاخ رسولؐ چنچل سنگھ کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ قریب ہی کھیتوں میں اس کی چہیتی بیوی دلجیت کور کام کر رہی تھی۔ عبداللہ نے اسے للکارا تو وہ بھاگ نکلی مگر عبداللہ نے اسے بھی کچھ ہی فاصلے پر جا لیا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے چنچل سنگھ کے قریب لا کر ذبح کر دیا۔ کثیر تعداد میں سکھ یہ جانگداز منظر اپنے کھیتوں میں کھڑے دیکھتے رہے مگر ان کے قریب آنے اور ان کو بچانے کی جرأت نہ کر سکے۔ بلکہ اتنی ہمت بھی نہ پڑی کہ غازی عبداللہ کو پکڑ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر اس قدر دہشت اور خوف طاری کر دیا تھا۔

پھر یہ جری مجاہد اور مردِ غازی اس کام سے فارغ ہو کر بڑے اطمینان کے ساتھ قریبی سیم نالہ کی طرف گیا، وہاں اس نے غسل کیا، کپڑے دھوئے اور نوافل شکرانہ ادا کئے کہ خدا تعالیٰ نے اسے اس عظیم کارنامہ سے عہدہ برآ کیا اور کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ بعد ازاں غازی عبداللہ نے ہر نالہ جا کر خود ہی پولیس کے روبرو اقبال جرم کر لیا۔ لیکن چونکہ وہ تحصیل قصور کا رہنے والا تھا، ضلع شیخوپورہ میں کوئی گواہ اس کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ اس بات کی آڑ میں مقدمہ کے دوران بعض مسلمانوں نے اس کو مالی و قانونی امداد کی پیشکش کرنے کے علاوہ یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ اقبال جرم نہ کرے تو بآسانی عدالت سے بری ہو سکتا ہے۔ مگر اس عشقِ رسولؐ کے متوالے اور ناموس رسالتؐ کے دیوانے نے کسی پیشکش کو قبول نہ کیا اور کہا کہ میں اس ثواب عظمیٰ اور ثواب دارین سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ مقدمہ سیشن کورٹ

سپرد ہوا تو وہاں بھی مردِ مجاہد نے بصد خوشی اقبال جرم ہی کیا۔ پھر اس جرم کی پاداش میں لاہور جیل میں اسے پھانسی دے دی گئی اور اس شہید ملت کی میت کو گمنامی کی حالت میں موضع پٹی حال تحصیل امرتسر (بھارت) میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

زمین عشق میں دفن ہیں وہ بھی دیوانے
نہ جن کے نام کی شہرت نہ جن کے افسانے

غازی حاجی محمد مانک شہیدؒ

مولانا لال حسین اختر صاحب کی اس رائے پر کہ:

میں مرزا قادیانی کے کذب پر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ قادیانی مبلغ کا خبث باطن آشکارا ہو گیا۔ غلاظت کے اس ڈھیر کی یاوہ گوئیاں سننے سے پہلے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر استغفر اللہ کا وِرد کرتے رہیں۔ ظلمتِ شب کے دروغ باف پرستار نے یوں بکواس کی:

"اگر تم مرزا صاحب کے کاذب وملعون اور مردود و گمراہ ہونے پر اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہو تو میں آپ کے رسولؐ.................. ہونے پر بحث کروں گا۔"

ابلیس قادیان کے اس حرامی بیٹے کی ناپاک جسارت پر اہل ایمان، آتش غضب میں بھڑک اٹھے۔ یہ اتنا کاری زخم تھا کہ ہر ایک کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ لوگ چاہتے تھے کہ اسے یہیں سرگ باش کر دیا جائے مگر بعض ایسی الجھنیں پیش آئیں کہ اس نے راہِ فرار اختیار کر لی اور غضبناک مسلمان کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا ہو خونِ جگر سے

قادیانی مذکورہ دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے انتہائی ذی اثر تھا، اس کے پاس مال وزر کی کمی نہ تھی۔ مختلف اوقات میں سندھ کی صوبائی کابینہ کے کئی وزراء سے اس کی صاحت سلامت رہی۔ وہ اپنے متبذل مقاصد کی تکمیل کے لئے بے دریغ سرمایہ لٹایا کرتا۔ جانے اس نے کتنے اور کس طرح کے گھناؤنے کاروبار رچائے رکھے۔ یہ حقیقت تو ہر ایک پر طشت از بام ہے کہ بے غیرت قادیانی عبدالحق نے کئی مجبور لڑکیوں کو جسم فروشی کے دھندے پر لگا رکھا تھا اور وہ اس کاروبار سے ہمیشہ ذاتی فائدے بھی اٹھاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اس کے ابلیسانہ ہتھکنڈوں سے گھبراتے۔

محولہ بالا ملعون و مردود کے اثر ورسوخ کی ادنیٰ سی مثال ملاحظہ کریں۔ اس کے اشارے پر ایک غیور مسلمان کو موضع کرونڈی ضلع خیر پور میں اینٹیں مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ قصور یہ تھا کہ وہ ان کا مہرہ بننے پر رضامند نہ ہوسکا۔ جب اس گناہ ولرزہ خیز قتل کی خبر پھیلی تو کوئی شخص میت اٹھالانے کو تیار نہ تھا۔ تھانہ میں رپورٹ درج کروانا اور مقدمے کی پیروی تو دور کی بات ہے۔

الغرض حاجی محمد مانک صاحب ان دنوں بلوچستان میں تبلیغی دورے پر تھے۔ لوٹ کر آئے تو آپ کی سن رسیدہ والدہ محترمہ نے روتے ہوئے کہا:

''بیٹا! میں آپ کو دودھ معاف نہ کروں گی کہ آپ کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے ملجاء وماویٰ، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کی جناب میں گالیاں بکتے ہیں۔''

ان کے استفسار پر بوڑھی ماں نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ موصوف آٹھویں حج کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ دردناک حادثہ سن کر آپ نے اس کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ دراصل اماں حضور کی ملتجی نگاہیں پوچھ رہی تھیں کہ میرے لخت جگر! دربارِ حبیبؐ میں کیا چہرہ

لے کر جاؤ گے۔ جس کی فتنہ انگیزیوں سے خواب گاہ نبیؐ پر لرزہ طاری ہے اور پیارے آقاؐ کی تربتِ انور شق ہو جاتی ہے، وہ بے غیرت تو تمہارے سامنے دندناتا پھر رہا ہے۔ اگر تم اپنے وطن میں ناموسِ رسالتؐ کا تحفظ نہیں کر سکتے تو پھر مدینہ منورہ میں حاضری کا کیا مقصد؟

میں یہی سوال پوری قوم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس شہنشاہ ﷺ کی بارشِ رحمت کے چھینٹوں نے جامۂ بشریت میں لطف و کرم کے رنگ بھرے اور جن کی چارہ سازیوں نے بندوں کو خدا تعالیٰ سے ملا دیا۔ اس نورِ مجسم کی عزت خطرے میں ہو تو ہمارا زندہ رہنا بے غیرتی نہیں تو اور کیا ہے؟ واللہ، آپ رنجیدہ نہ ہوں تو اے مسلمانو! ان بے روح سجدوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ دربارِ نبوتؐ سے تعلق خاطر قائم نہ رہے تو یہ بے سرور عبادت بھی ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ الغرض جناب غازی صاحب نے کرب میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں عرض کیا:

> ''اماں! میں وہ مسلمان نہیں ہوں جو ظاہری عبادات کو ہی منزلِ مقصود سمجھ بیٹھے۔ میرے کریمؐ ہر وقت میری دستگیری فرماتے ہیں۔ جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے، اپنے پیا کے ہر نقشِ قدم کو لہو کے قطروں سے تابناک بناتا رہوں گا۔ شمعِ رسالتؐ کا پروانہ زندہ ہو تو واقعی شاتم نبی کی کوئی علامت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں انشاء اللہ بہت جلد اس قادیانی دشمن رسولؐ کی بوٹیاں جنگلی سوروں سے نچوا دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ غازی عبدالقیوم شہیدؒ کی روح بے چین ہے۔ آخر نتھو رام کی معنوی اولاد ہمیں کب تک کچوکے لگاتی رہے گی؟ پس آپ خدا تعالیٰ کے حضور میری کامیابی کے لئے دعا فرما دیں کہ میری جہد و جہد کو بارگاہِ رسالت مآبؐ میں قبولیت کی سند عطا ہو جائے۔''

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رَستے میں جو کھڑا تھا، وہ کہسار ہٹ گیا

54 سالہ ایک شخص کا کلیجہ رنج والم کی آگ سے کباب ہو چکا ہے۔ آنکھوں میں خشک آنسو اور سینے میں شورِ قیامت۔ اس کے دن بے سکون اور راتیں حسرت انگیز ہیں۔ اس کی معنی خیز لب بستگی بھی طرزِ فغاں ہے اور مفہوم انگیز گویائی ایک نوحہ۔ معلوم ہوا اس پیکر حیرت اور مجسمہ غیرت کا نام الحاج غازی محمد مانکؒ ہے۔ ان کی وجہ غم بیان ہوئی کہ ناموسِ رسالتؐ پر ناروا حملے ہو رہے ہیں۔ کریم آقاؐ کا کوئی دشمن زندہ ہو تو غلام کا عہدِ وفا کسی طور معتبر نہیں ہوسکتا۔ میں مرزائی شاتم رسول عبدالحق کو.......... ابدی ذلتوں کا مرکز بنا کر یہ فرض کفایہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

بالآخر آپ ملتِ مصطفویؐ کو درسِ حریت دے گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے عوام الناس سے مردود قادیانی کی ناپاک جسارت کا تفصیلی واقعہ سنا، پھر اس پر علمائے کرام کی مہر تصدیق ثبت ہوئی۔ پس اب ظالم کو گستاخیوں کا مزہ چکھانا باقی تھا۔

چونکہ گستاخ قادیانی عبدالحق مذکور مسلمانوں کے متوقع جوش وخروش کی وجہ سے چوکنا ہو چکا تھا لہٰذا حاجی محمد مانک صاحبؒ کئی روز تک غور وخوض کرتے رہے کہ اس بے غیرت کو کس طرح تہ تیغ کیا جائے۔ آخر وہ ایک فیصلہ کر چکے اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ ۷ رمضان المبارک ۲۱ دسمبر ۱۹۶۶ء کو عبدالحق تک پہنچے۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مرزائی مبلغ عبدالحق ایک مدت سے آپ کو جانتا تھا۔ وہ مختلف اوقات میں الحاج محمد مانک صاحبؒ سے کئی بار ملا۔ اس کی شروع سے سازش تھی کہ آپ کسی طرح رام ہوں۔ بوقتِ ملاقات وہ احمدیت کی خوبیاں گنواتا۔ ایک مرتبہ اس نے آپؒ کو ربوہ چلنے کی پیشکش بھی کی۔ شیطانی ٹولے کی سازش یہ تھی کہ آپ کے بیعت

ہو جانے کی صورت میں جماعت کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

غازی محمد مانک صاحبؒ اس قادیانی مردود عبدالحق کو اپنے پنجرے تک لانے میں کیسے کامیاب ہوئے؟ انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کون سا لائحہ عمل اختیار کیا؟ واردات کی رات کہاں بسر ہوئی؟ میرے خیال میں یہ ایک غیر ضروری حصہ ہے۔ اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ الغرض امر واقعہ یہ ہے کہ دہن دراز گستاخ ایک تنومند نوجوان تھا جب کہ محافظِ ناموسِ رسالتؐ بوجہ کہولت کمزور و ناتواں اور اس معاملے میں رازداری بھی بہر حال لازم تھی۔ ان اسباب کے پیش نظر انہوں نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح بدزبان ملعون کو ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ ظاہری نمود اور افسانوی شہرت ضروری نہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہے جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر

ساتواں روزہ تھا۔ موت کا بھیانک سایہ لحظہ بہ لحظہ اس کمینہ فطرت درندے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تقدیر کی گرفت اسے سیر کے بہانے مقامِ مرگ پر لے پہنچی۔ اب کسی لمحہ مسلم جانباز جھپٹ کر شکار کو اپنے مضبوط پنجوں میں جکڑنے والا تھا۔ آفتابِ رحمت و استغناء، مہتابِ حسن و وفا کے متوالے نے اس ارذل و اجہل علامت کو کس طرح لقمہ اجل بنایا۔ یہ بڑی دلچسپ اور راحت انگیز داستان ہے۔ مناسب ہے کہ جہاد کی کہانی خود مجاہد کی زبانی سنی جائے۔ الحاج غازی مانک صاحبؒ نے اپنے چاہنے والوں اور عزیز و اقارب کو جیل میں اس کی تفصیل بتاتے ہوئے بیان کیا کہ:

''میرے پاس ایک ریوالور تھا اور چھوٹا سا چاقو بھی۔ باغ میں پہنچے تو عبدالحق قادیانی مزدوروں کے پاس آئندہ کام کے بارے میں ہدایات

دینے چلا گیا۔ میں انہی سوچوں میں گم سم بیٹھا تھا کہ جانے کہاں سے آواز آئی۔ ''اے بیدار بخت! تمہیں کاہے کا انتظار ہے۔ جرأتِ ایمانی سے کام لے کر اسے ابھی حوالۂ آتش کیوں نہیں کر دیتے۔''

یہ سن کر میں جوش غیرت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خدا معلوم مجھ میں اچانک اس قدر پھرتی اور قوت کیسے عود کر آئی؟ میں آج تک خود بھی اس معاملے کی گتھی نہیں سلجھا سکا۔ جب وہ مکروہ صورت قادیانی گستاخ رسول، عبدالحق مزدوروں کی طرف لوٹے ہوئے نشانے کی زد میں پہنچ گیا تو غصہ سے میری حالت غیر تھی۔ دل چاہتا تھا کہ جلد از جلد یہ قضیہ نپٹا دوں۔ فوراً لبلبی دبا دی گئی۔ یکے بعد دیگرے آتشیں گولیاں اگلیں۔ ہر طرف اس خوفناک آواز سے سناٹا چھا گیا۔ جب فائر ختم ہو چکے تو دیکھا کہ ملعون بسلامت موجود ہے۔ غالباً گولیاں اس کے اردگرد سے گزر گئیں۔ میں دم بخود کہ اب کیا کروں؟ دوسری طرف اس پر بدحواسی طاری تھی۔ میرے یہ انداز دیکھتے ہوئے وہ مسلسل چیخ رہا تھا کہ حاجی صاحب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ خدا کے لئے مجھے نہ مارو، میں تمہارا کوئی دشمن تو نہیں.......... ہمارے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ رہا۔ میری صرف ایک خواہش تھی کہ اسے بہر صورت مردہ حالت میں دیکھوں۔ قلابازی کھا کر اس پر جھپٹا اور گردن دبوچ لی۔ میں نے دیکھا کہ مجھ میں بجلی کی سی تیزی آ گئی ہے۔ میں تو اسے غیبی امداد ہی کہوں گا کہ وہ باوجود ہٹا کٹا ہونے کے موت کے خوف سے کانپ رہا تھا حالانکہ ہم گتھم گتھا تھے۔ ہوا یہ کہ بدبخت گھبراہٹ کے عالم میں از خود زمین پر گر پڑا۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے میں بہ سرعت اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ وہ بے حس و بے حرکت تھا، جانے

کیوں اس کی قوتِ مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ تن مردہ ہے اور اس میں جان باقی نہیں۔ الغرض میں نے بڑے اطمینان اور حوصلے کے ساتھ جیب سے چاقو نکال کر دانتوں سے کھولا، اس کی گردن پر ٹکایا اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ جب اس کے ناپاک جسم سے سر کا بوجھ اتر چکا تو مقتول مردود کی زبان کاٹی اور پھر جبڑوں کو چیر پھاڑ دیا۔ وہ انگلی جس سے اشارہ کر کے بات کیا کرتا تھا، اسے بھی پنجے سے علیحدہ کر کے کہیں دور پھینکا۔ ساتھ ساتھ میری زبان سے بے ساختہ یہ جملے بھی ادا ہو رہے تھے کہ میرے نبیؐ کی گستاخی کرنے والوں کا حاجی مانک ہمیشہ یہ انجام کرتا رہے گا۔ ارے کتے، اب بھونکنے کی جرأت کر۔ رسولِ پاکؐ کی شانِ اقدس میں یاوہ گوئیاں کرنے والے ذلیل کمینوں کو ہم اسی طرح ملیا میٹ کیا کرتے ہیں۔''

پگ پگ ہمارے خون کے چھینٹے اڑے تو کیا
یہ تو ہوا کہ شہر کو زیبائی مل گئی

الحاج محمد مانک صاحبؒ کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ آپ کی جرأت مندانہ جدوجہد سے ہر کس و ناکس پر عیاں ہو گیا کہ رسولِ عربیؐ کے چاہنے والے ابھی زندہ ہیں اور ان کے ذوقِ شہادت پر ایک دنیا گواہ ہے۔ فدائے رسولؐ عربی نے ثابت کر دیا کہ زندگی وہی ہے جو سیّد الکونینؐ کے قدموں پر قربان ہو جائے وگرنہ زندگی، زندگی نہیں موت ہے۔ آپ نوکِ خنجر سے یہ ابدی ولازوال فیصلہ لکھ گئے کہ ''اس ذاتِ فخرِ موجوداتؐ کی شان میں نازیبا الفاظ تو کہا، ہم تو ان کوچوں اور گلیوں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے جن کے ذرّات کو اس پیکرِ رفعت وعظمت کی کفش بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک زندگی تو کیا، ہزار بار زندگی نصیب ہو اور ہزار بار اس شہنشاہ کونینؐ کی ناموس پر نچھاور ہو جائے تو بھی

دل کی تمنا بر نہ آئے۔ جس سینے میں عشق رسولؐ کا سوز نہیں، وہ سینہ نہیں بد بختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموسِ محمدؐ پر مر مٹنے کی تمنا نہیں، وہ دل نہیں بوم و کرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے۔

اتنا اُداس شام کا منظر کبھی نہ تھا

حاجی محمد مانک صاحب کے تمام کپڑے خون آلودہ ہو چکے تھے۔ ایک نشہ تھا جس سے آپؒ جھوم جھوم گئے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ کی چاندنی کھیلنے لگی۔ آنکھوں میں خوشی سے آنسوؤں کے چراغ جل اٹھے۔ یہ حالت کیوں نہ ہوتی؟ گستاخ زبان ان کے جوتوں کی ٹھوکروں میں ہے۔ مردود قادیانی چیخ چیخ، چلا چلا اور تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہو چکا۔ اس مکروہ میت کا بھیانک منظر کیا بتاؤں جیسے سڑک پر سؤر کئی روز سے مرا پڑا ہو۔ اس کے منہ کا وحشت ناک نقشہ مت پوچھو۔ معلوم ہوتا تھا کوئی پاگل کتا اپنی زبان باہر نکالے بھونک بھونک کر مر گیا ہے۔ اس کے گلے میں لعنت کا طوق لٹک رہا تھا۔ ادھر غازی محمد مانک صاحبؒ کے چہرے پر ایسی بشاشت جیسے موتیے کی ادھ کھلی کلی کا بانکپن، ہونٹوں پر خمار اور انکھڑیوں میں وہ مستی کہ جیسے بارش کی رُت میں بادہ خوار کو ساقی کا دستِ کرم یاد آ جائے۔ حضرت قبلہ غازی صاحبؒ نے اس عظیم فریضہ سے سرخرو ہو چکنے پر چار میل کا سفر خراماں خراماں طے کیا۔ لطف یہ ہے کہ راستے میں کسی شخص نے یہ بھی نہیں کہا کہ حاجی صاحب! کپڑوں کی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ اور نہ آپ کے تعاقب میں آنے کی کسی کو جرأت ہوئی۔

قتل کی اطلاع ذرا سے وقفے میں دور دور تک پھیل گئی۔ یہ خبر اہل ضلالت کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ جبکہ کلمہ گوؤں کو مسرت و شادمانی کا سلیقہ سکھا رہی تھی۔ حاجی صاحب جائے واردات سے سیدھے ''اکری'' میں اپنے گھر تشریف لائے اور والدہ محترمہ کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا، میں نے قادیانی گستاخِ رسولؐ عبدالحق مردود کو نارِ جہنم میں جھونک دیا

ہے، اب تو مجھ سے خوش ہو جانا۔ یہ سنتے ہی وہ اچھل پڑیں، اپنے ہاتھوں سے دودھ کا کٹورا پلاتے ہوئے فرمایا، بیٹا! تم نے میرا حق ادا کر دیا ہے۔

یہاں سے غازی صاحب سیدھے جامع مسجد گئے۔ اپنے کپڑوں سے لہو کی ناپاک غلاظت اتاری، غسل فرمایا، نفل شکرانہ ادا کئے اور قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہو گئے۔ اتنے میں رپورٹ درج ہونے پر پولیس بھی آپؒ کی گرفتاری کو آ پہنچی۔

پولیس اہلکاران آپ کے برادرِ اکبر محترم گل بہار صاحب سے ملے (جو ابھی تک صورتِ حال سے بے خبر تھے) اور حاجی موصوف کے بارے میں پوچھا۔ اصل حقائق کا علم ہونے پر وہ دوڑے آئے اور کہا، حاجی صاحب! پولیس آپ کی تلاش میں ہے، کیا عبدالحق قادیانی کو آپ نے ہی قتل کیا؟ انہوں نے بتایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے یہ کام مجھ گنہگار سے ہی لیا ہے، آیئے پولیس کے پاس چلتے ہیں۔

تھانے میں وقوعہ کی اطلاع مولوی عبدالحق قادیانی کے بیٹے مرزا یعقوب نے دی جس پر زیرِ دفعہ 302 باقاعدہ رپٹ درج ہوئی۔ جائے واردات سے پولیس سٹیشن فیض گنج تین میل بجانب مشرق واقع ہے۔ ایف آئی آر میں واقعہ قتل کی وضاحت یوں درج ہے:

> ''سائل بیان کرتا ہے کہ عبدالحق میرا باپ ہے اور ہمارا آموں کا اپنا باغ ہے جس میں ہم آموں کی پنیری بوتے ہیں۔ ہمارے پاس حاجی مانک آیا، ایک اور آدمی جس کا نام جان محمد بتایا گیا، بھی اس کے ساتھ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں آم کی پنیری چاہئے۔ آج (21 ستمبر 1966ء) تقریباً گیارہ بجے دن مقتول (عبدالحق قادیانی) مذکورہ ملزموں کے ہمراہ باغ سے جنوب کی طرف گیا۔ تھوڑی دیر بعد اچانک میرے باپ کی چیخ بلند ہوئی۔ ہم نے دیکھا کہ حاجی مانک نے اسے پکڑ کر نیچے گرا دیا اور پھر

چاقو نکال کر ذبح کرنے لگا۔ آلہ قتل حاجی مانک کے ہاتھ میں تھا۔ ہمیں
نزدیک آتے دیکھ کر ملزمان بھاگ گئے۔ ہم نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ
مقتول کی گردن کٹ چکی تھی۔ پیچھے سے کچھ حصہ کٹنا باقی تھا۔''

(پولیس ریکارڈ کے مطابق ایف آئی آر کا نمبر 87 جب کہ سیشن جج عدالت میں کیس نمبر 35 اور سن سماعت 1967ء ہے)

غازی محمد مانک صاحبؒ پولیس کی حراست میں آ چکے تھے۔ آپؒ ہتھکڑیاں پہنے یوں خوش دکھائی دیتے جیسے کہہ رہے ہوں۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ان ہاتھوں کی خوش قسمتی تم کیا جانو۔ میرا ذوق محبت کہتا ہے کہ اس قید پر ہزار آزادیاں قربان کر دوں۔ یہ پابجولاں کا بوجھ کیا؟ پھولوں کے گجرے ہیں جو میں نے کامیابی پر شاداں و فرحاں ہو کر سجا رکھے ہیں۔ کاش تم نے بھی میری طرح لطف آشنائی کا مزہ چکھ لیا ہوتا۔

جب پولیس آپؒ کو موقع سے لے جا رہی تھی تو عجب منظر تھا۔ کمر خمیدہ مانک سینہ تانے اکڑ اکڑ کر چلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ایک طرف مقتول مردود عبدالحق قادیانی کی میت اپنے انجام کا وحشت ناک نظارہ پیش کر رہی تھی۔ چونکہ مقتول کے جسم پر گولی کا کوئی زخم نہ تھا، اس لئے ریوالور کے متعلق پولیس نے زیادہ پوچھ گچھ کی اور نہ ہی آپؒ نے کچھ بتایا۔ الغرض چاقو کی برآمدگی ہوئی۔ کاغذات تیار کئے گئے اور دیگر ضروری کوائف کا اندراج ہوا۔ بعد ازاں غازی ملت کو تھانے پہنچا دیا گیا مگر یہ پگلی دنیا نہیں جانتی کہ جسے جرم عشق پہ ناز ہو، بھلا اس کا نشہ بھی کبھی اترتا ہے۔

جنت کا تصور اب کیا آئے مرے دل میں
تصویر مدینے کی آنکھوں میں سجائی ہے

آج تھانے میں غازی صاحب کو پہلی رات تھی۔ آئے ذرا معلوم کریں کہ

آقائے نامدار حضور نبی کریمؐ نے اپنے غلام پر اتنا کرم فرمایا۔ ابرِ رحمت کے چھینٹوں سے ان کی بات کس طرح بنی رہی، بے چین خواہشوں کو کیسے اور کیونکر چین آ گیا۔ ہم نے دیکھنا ہے کہ رخِ زیبا کے شیدائی نے بے حجاب جلوں کو کس قرینے سے اپنی بے تاب نگاہوں میں سمیٹا۔ اس راحت آمیز اور کیف آور واقعہ کی ابتداء یوں ہے کہ جب تیرگی کا قافلہ سطحِ زمین پر اتر چکا تو شہنشاہ دو عالم ﷺ نے اپنے چہرۂ انور سے نقاب الٹ دی۔ بس پھر کیا تھا؟ اہلِ نگاہ میں اُجالے بٹ گئے۔ فدا کارِ رسالتؐ کے مقدر کا کیا کہنا؟ جن کی تسکین کا خود آفتابِ نبوتؐ بندوبست فرمائیں۔

مصدقہ روایت ہے کہ متعلقہ پولیس افسر کی بیوی بڑی پاکباز، نیک سرشت اور عبادت گزار تھی۔ وہ نبی پاکؐ کے شہر کی ٹھنڈی ہوا کے لئے ہمیشہ تڑپا کرتی۔ ان کا تعلق پنجاب کے ایک معزز خاندان سے تھا اور یہ کہ اس خوش بخت خاتون کے باپ ایک باعمل اور متقی عالمِ دین تھے۔ قصہ مختصر نصف شب کے قریب موصوفہ سو رہی تھیں کہ یکایک بیدار ہو گئیں۔ خواب میں رسولِ پاک نبی کریمؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حوالات میں ہمارا ایک مہمان آیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ یہ نیک سیرت خاتون اسی لمحے اٹھ بیٹھیں، حدِ نظر تک اُجالا ہی اُجالا تھا، فضاؤں میں الصلوٰۃ والسلام علیٰ یا رسول اللہ کی وجد آفرین صدائیں گونج رہی تھیں۔ اب کہاں کی نیند اور کیسا اضطرار؟

انسپکٹر مذکور بغرضِ سحری گھر آئے تو ماحول بھینی بھینی خوشبوؤں میں رچا ہوا تھا، عجیب قسم کی راحت محسوس ہوئی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ جھٹ اپنی رفیقۂ حیات سے پوچھا کہ یہ ہوا، یہ رات، یہ چاندنی کس کی ادا پر نثار ہیں۔ مہکی مہکی ہوا، بدلے ہوئے موسم کا پتہ دے رہی ہے۔ ہمارے گھر میں بہار کی یہ رونقیں کیسے اور کب سے آ بسیں۔ شرم و حیا کی اس تصویر نے سجدۂ شکر سے سر اٹھایا اور اشکِ مسرت اپنے رخساروں سے پونچھتے ہوئے بولی:

’’آج ہمارے پاک نبیؐ نے کرم فرمایا ہے۔ان آنکھوں نے جب سے وہ جلوہ دیکھا، کسی اور نظارے کی حسرت نہیں رہی۔شہنشاہ مدینہؐ کے یاقوتی ہونٹوں سے ایسے ترنم ریز الفاظ سنے ہیں کہ میں اپنے مقدر پر مرمٹی ہوں۔آپؐ کی حرمت وناموس کا کوئی محافظ آج تھانے میں پابند ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہر طرح سے ان کی مدارت کا خیال رکھیں۔‘‘

اس ایمان پرور واقعہ کے بعد پولیس کے رویہ میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔اب انسپکٹر حاجی صاحب کے ساتھ تفتیشی افسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک خادم کی طرح پیش آنے لگا۔سحری وافطاری کا سامان بھی ادھر سے آجاتا، کپڑے دھلے ہوئے ملتے، نماز اور تلاوت کے لئے ہر طرح کی سہولت دی جانے لگی۔اللہ تعالیٰ کی اس نیک بندی کو یہی دھن تھی کہ تاجدارِ مدینہؐ کے مہمان بہر حال خوش رہیں۔

یہ قید نہ تھی ایک انعام تھا کہ آپؒ دنیوی جھمیلوں سے بے نیاز ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مگن رہتے اور صبح وشام محبوبِ خدا ﷺ کے تصور میں گزار دیتے۔کہتے ہیں ایک موقع پر کسی پولیس افسر نے پوچھا کہ حاجی صاحب آپ نے باوجود کبرسنی کے اسے کس طرح ہلاک کر دیا؟ جواب ملا، ایک ضعیف صحابی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانے دینے کی بڑی تڑپ رکھتے تھے۔نبی کریمؐ نے انہیں ایک نوکدار ہڈی عطا فرمائی اور وہ کفار کو جہنم میں دھکیلتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔میں بھی وہی ذوق وشوق لے کر اٹھا تھا۔تھانے میں آپ کو دو ہفتے کے قریب ٹھہرایا گیا اور اس دوران آپ کو بفضلہٖ تعالیٰ ہر آسائش میسر رہی۔

وہ خوش قسمت سائل جو دامن پھیلائے ہوئے بارگاہِ نبوتؐ میں آجائے، اسے اتنی خیرات ملتی ہے کہ کاسۂ گدائی سے کیسۂ شاہی کو ذرا نسبت نہیں رہتی اور مانگنے والوں کو گلہ تنگی داماں ہو جاتا ہے بلکہ اہل دل کی نگاہ میں دربارِ محمدؐ سے تو بن مانگے ملتا ہے۔وہ نادان

ہیں جو یہاں بھی دستِ طلب بڑھادیں۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی چوکھٹ سے کیا کیا نہیں ملتا؟ فقیروں کو کشکول سے نوازنا، مانگنے کا سلیقہ عطا فرمانا اور پھر خود ہی ظرفِ طالب کو بھر دینا ان کی ایک نگاہ کی بات ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپؐ فقط سوال ہی پورا نہیں کرتے، سائل کو سوال سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز بھی کر دیتے ہیں۔

جب تفتیش کا مرحلہ ختم ہو چکا تو افسرانِ بالا کی ہدایت پر حاجی صاحب (محمد مانکؒ) کو ڈسٹرکٹ جیل خیر پور بھیج دیا گیا۔ یہاں ابرِ رحمت ایک بار پھر اُمڈ آیا۔ بتایا جاتا ہے کہ جیل سے ملحقہ ایک سیّد گھرانے کی رہائش تھی۔ غازی صاحب کے ادھر آتے ہی ایک سیّدانی کو شہنشاہِ دو عالمؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا:

''بیٹی! جیل میں آج شام سے ہماری عصمت و ناموس کا ایک نگہبان محبوس ہے۔ لوگ اسے حاجی مانک کے نام سے جانتے ہیں۔ اسے کھانے وغیرہ کی تکلیف نہ ہونے دینا۔''

علی الصبح گلشن زہراؓ کی اس پاکیزہ کلی نے تمام روداد اپنے بھائی سیّد امام علی شاہ صاحب کے گوش گزار کی۔ انہوں نے حاجی صاحب کے متعلق معلوم کروایا۔ پتہ چلا کہ وہ ایک قاتل ہے۔ اس پر پریشانی لاحق ہوئی۔ دوسرے روز پھر جمال قدسؐ کا دیدار نصیب ہوا اور تاکید فرمائی گئی کہ یہی تو ہماری عظمتوں کے پاسبان ہیں۔

دورانِ اسیری ان کی طرف سے باقاعدہ کھانا پہنچتا رہا۔ نان ونفقہ کا یہ ایسا اہتمام تھا جو من وسلویٰ تناول کرنے والوں کے لئے باعثِ رشک ہے۔ اس لئے کہ خود محسن انسانیتؐ نے اپنے مخلص غلام کی خاطر اس کا حکم فرمایا۔

پولیس کے قانونی تقاضے پورے ہو چکے تھے۔ اب حسب ضابطہ مقدمے کی ابتدائی سماعت سول کورٹ میں شروع ہوئی۔ یہاں آپؒ نے کوئی بھی بیان دینے سے انکار

کیا۔ ازاں بعد مسل سیشن کورٹ میں روانہ کر دی گئی۔ اس وقت سیشن جج جناب محمد علی عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ انہوں نے کیس کو بطریق احسن نپٹایا۔ مقدمہ سیشن عدالت میں زیرِ سماعت تھا۔ ایک پیشی پر فاضل جج نے آپؒ سے پوچھا کہ بتائیں مقتول کی طرزِ گستاخی کیا تھی؟ یہ سن کر غازی صاحب پر کپکپی طاری ہو گئی اور کہا، جناب جو کلمات میں سننا گوارا نہیں کر سکتا، وہ اپنی زبان سے کیسے ادا کر سکتا ہوں؟

استغاثہ کے تمام گواہ قادیانی تھے۔ انہوں نے اپنے بیانات میں غازی صاحب کو مجرم ٹھہرایا۔ تاہم بغرض صفائی عدالت کی اجازت سے مسلمان گواہ بھی پیش ہوئے۔ جنہوں نے اس امر کے ثبوت فراہم کئے کہ مقتول مذکور مرزائیوں کا ایک یاوہ گو اور نمائندہ مبلغ تھا اور یہ کہ اس نے اہل اسلام کے جذبات کو بری طرح مجروح کیا تھا۔

سیشن کورٹ میں مرافعہ کی ایک مدت تک سماعت ہوتی رہی۔ غازی صاحب کی طرف سے مشہور ماہر قانون جناب سیّد غوث علی شاہ صاحب ایڈووکیٹ (سابق وزیراعلیٰ سندھ) نے پیروی کی جو ان دنوں خیر پور میں پریکٹس کر رہے تھے۔ آپ نے مقدمہ میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ بڑے وزنی دلائل اور اہم قانونی نکات عدالت کے سامنے رکھتے ہوئے واضح کیا کہ یہ ایک منفرد نوعیت کا مذہبی مقدمہ ہے۔ ملزم کے مذہبی جذبات کو بری طرح مجروح کیا گیا تھا جس سے مشتعل ہو کر اس نے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا حاجی صاحب کو باعزت طور پر بری کر دینا چاہئے۔

وکلاء صاحبان کا خیال تھا کہ غازی ممدوح عدالت میں اپنے اقدام سے انکار کر دیں گے مگر آپؒ نے یہ موقف تسلیم نہ کیا اور برابر بضد رہے کہ خواہ کوئی فیصلہ ہو، اس معاملہ میں ہرگز جھوٹ نہ بولوں گا، مجھ میں انکار کی جرأت ہرگز نہیں۔ بالآخر جب پوچھا گیا تو آپ نے تمام احوال عدالت کے روبرو بیان کئے اور ہر کہیں اپنے فعل کا متواتر اقرار کیا۔

عزتِ ملت بیضا کی حفاظت کے لئے
دوش پر لاکھوں سر ہوں تو کٹاتے جاؤ

سیشن کورٹ خیر پور میں سماعت کے پہلے دن مقدمے کی سرگزشت فاضل جج کے گوش گزار کی گئی۔ الحاج غازی مانک صاحبؒ کی جانب سے ایڈووکیٹ سیّد غوث علی شاہ صاحب پیروکار تھے جب کہ مسٹر علی عباس پبلک پراسیکیوٹر نے وکیل معاونت کا دم بھرا۔

تفتیشی افسران اور دیگر پولیس ملازمین کے بیانات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''ایف آئی آر درج کرنے کے بعد ہیڈ کانسٹیبل شکایت کنندہ کے ساتھ جائے وقوعہ پر گیا اور صورتِ حال ملاحظہ کی۔ لاش آم کے درخت کے نیچے پڑی تھی، لاش پر کئی گہرے زخم پائے گئے۔ نیز محمد اسلم اور یعقوب کی موجودگی میں تفتیشی رپورٹ تیار کرنے کے بعد نعش پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیجی گئی اور گواہان محمد صادق، عبدالمجید اور بشیر احمد کے بیانات قلمبند ہوئے۔

رات دس بجے پولیس نے ملزم کے گھر چھاپہ مارا۔ حاجی مانکؒ گرفتاری کے لئے ازخود پیش ہوگیا اور پوچھ گچھ کی۔ ملزم نے اپنی جیب سے چاقو نکال کر دیا جس پر خون کے دھبے نہ تھے۔ ملزم دورانِ تفتیش باقاعدہ اعترافِ قتل کرتا رہا لہٰذا اسے 24 دسمبر 1966ء کو مختار کار مجسٹریٹ درجہ اوّل فیض گنج کے روبرو پیش کیا۔ ملزم نے ہمارے اور ذیلی عدالت کے روبرو عبدالحق قادیانی کے قتل کا اقرار کیا لیکن بالکل اکیلے نہ کہ جان محمد کے ساتھ جیسا کہ استغاثہ کے بیان میں ہے۔''

سیشن عدالت میں الحاج غازی مانک صاحبؒ کے بیانات سے موضوع کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے آتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں درج کر چکا ہوں کہ ایک قادیانی مردود

عبدالحق نے شرائطِ مناظرہ طے کرتے وقت رسول اکرمؐ کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ بکے تھے۔ اس پر اہل ایمان کے دلوں میں غضب کا لاوا پھوٹ پڑا مگر غازی محمد مانک صاحبؒ نے عدالت میں ایک اور بھی وجہ بیان فرمائی۔ درحقیقت معاملہ یوں ہے کہ جب مرزائی خبیث عبدالحق کی طرف سے گستاخی کا واقعہ پیش آیا تو جناب حاجی مانک صاحبؒ موجود نہ تھے، ازاں بعد اتفاقاً آپ کو مزید تصدیق کے لئے بے غیرت ملیچھ عبدالحق قادیانی سے ملنے کا موقع بہم پہنچ گیا۔

چنانچہ بقول آپ کے ''مستری حسن محمد قادیانی'' ایک بہانے سے مجھے قادیانی مبلغ عبدالحق کے پاس لے گیا۔ وہ چونکہ دونوں ہم مذہب تھے اس لئے انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی سے متعلق گفتگو چھیڑ دی اور ترغیب دیتے رہے کہ میں احمدیہ مذہب میں شامل ہو جاؤں۔ وہ کوشاں رہے کہ کسی طرح میں مرزا قادیانی کی نبوت کو درست تسلیم کر لوں مگر میرے لئے یہ بات قطعاً ناقابل برداشت تھی۔ بالآخر مقتول عبدالحق قادیانی نے کہا کہ یں ثابت کروں کہ مرزا غلام احمد کیسے نبی نہیں تھا؟ جواباً میری ایک دلیل یہ تھی کہ تمہارے مرزا نے دو پیشین گوئیاں کیں جو بلاشبہ غلط ثابت ہوئی۔ اوّل یہ کہ مرزا قادیانی نے کہا کہ عبداللہ آتھم 15 یوم کے اندر مر جائے گا اور دوم یہ کہ اس کی محمدی بیگم سے شادی ہوگی۔ اس پر جب مرزائی ملعونوں سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو انہوں نے مجھ سے کہا، اگر ایسا ہے تو تم ثابت کرو کہ حضرت محمدؐ نبی برحق تھے؟ جب میں نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کی تو بے غیرت قادیانی مبلغ ''عبدالحق'' کمینگی پر اتر آیا اور بکنے لگا کہ تم اور تمہارے نبیؐ.......... ہیں اور یہ کہ تمہارے رسول پاکؐ تو عورتوں کے شائقین (معاذ اللہ.........نقلِ کفر، کفر نہ باشد) تھے۔ میں قوت ایمانی سے مشتعل ہو گیا اور مسواک بنانے اور فروٹ کاٹنے والے چاقو سے اس ذلیل کو ذلت کی موت سے دوچار کر دیا۔ جناب غازی مانکؒ کے وکیل مسٹر

غوث علی شاہ نے بڑی جاندار اور مدلل بحث کی۔ انہوں نے کہا کہ ملزم............اپنے بیانات میں بالکل سچا ہے لیکن مستغیث کا دعویٰ درست ثابت نہیں ہوتا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ واقعی کسی نے نہیں دیکھا اور چشم دید گواہ فرضی ہیں لہٰذا قانونی طور پر ساتوں گواہان قابل اعتبار نہیں ٹھہرتے۔ جبکہ دوسری طرف ملزم نے پولیس، مجسٹریٹ اور دیگر ذیلی عدالتوں کے روبرو اپنے فعل کا متواتر اعتراف کیا ہے۔ الغرض درج ذیل نکات وضاحت طلب ہیں:

۱: آیا، مولوی عبدالحق قادیانی زخموں کے نتیجے میں مرا؟

۲: یہ کہ ملزم نے ہی مقتول کو زخم لگائے ہیں؟

۳: ملزم نے آئینی اعتبار سے کون سا جرم کیا ہے؟

اولاً......یہ نکتہ بالخصوص وجہ کا متقاضی ہے کہ ڈاکٹر سیّد عرفان احمد (جس نے پوسٹ مارٹم کیا) کی رائے میں موت کا سبب خوف و ہراس بنا۔ قطع نظر نکتہ کے، ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ملزم نے کس نوعیت کا جرم کیا ہے؟ ویسے بھی ملزم طبعی عمر کے آخری درجہ پر ہے۔ بنا بریں مذہبی جذبات مشتعل ہونے کی وجہ سے ملزم کو بری کر دیا جانا چاہیے۔

بالآخر 20 اپریل 1968ء کو سیشن جج نے فیصلہ صادر کیا۔ جس کی رُو سے تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔ فاضل جج نے اپنے تاثرات میں لکھا:

''تمام گواہ احمدیہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بادی النظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ موقع پر موجود نہ ہوں۔ استغاثہ میں مبینہ جزئیات وتفصیلات دماغ پر کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑتیں۔ میڈیکل آفیسر سیّد عرفان احمد ولد محمد محسن سکنہ فیض گنج بہ عمر 36 سال نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت بیرونی معائنہ سے میں نے درج ذیل زخم پائے۔

۱: ایک گہرا زخم 1/2 5" X 1/2 3" (گردن کے سامنے کی طرف ہڈی تک آر پار)
۲: ایک گہرا زخم 1" X 1/2" X 1/2" (زبان کی بائیں طرف)
۳: ایک گہرا زخم 1/4" X 1/2" X 1/2" (زبان کی دائیں طرف)
۴: ایک گہرا زخم 1/4" X 1/2" (دائیں رخسار پر)
۵: ایک گہرا زخم 1/2" X 1/4" X 1/" (دائیں ہاتھ پر)
۶: ایک گہرا زخم 1" X 1/4" X 1" (بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر)
۷: ایک گہرا زخم 1/2 1" X 1/4" X 1/2" (دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر)

اور یہ کہ تمام زخم ایک تیز دھار آلہ سے لگائے گئے ہیں۔ لاش کے اندرونی معائنہ سے مندرجہ ذیل زخموں کا پتہ چلا۔ منہ کی اندرونی سطح اور بائیں طرف سے زبان بری طرح زخمی تھی، نسیں مکمل طور پر کٹی ہوئی ملیں۔ میں اندرونی و بیرونی معائنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شاید موت ڈر اور خوف سے ہوئی۔''

دونوں چشم دید گواہ (محمد یعقوب، محمد صدیق) جو کہ آنجہانی عبدالحق کے قریبی رشتہ دار ہیں، یہ بتانے سے قاصر رہے کہ واقعہ سے فوراً پہلے مقتول اور قاتل کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ دوسری طرف ملزم کے بیانات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو احمد دین والیسا احمد بنام حکومت (پی ایل ڈی 1967ء لاہور 649) میں ہے کہ جہاں ملزم کا بیان سزا کی بنیاد بنے تو بیان کو اس کی کلی حالت میں تسلیم کیا جائے۔ اس قانونی نظریہ کی مزید تصدیق غلام محمد بنام حکومت (پی ایل ڈی 1968ء پاکستان جنرل) میں ہائی کورٹ کے فیصلہ سے ہو چکی ہے۔

ہمارے پاس یہ تازہ فیصلہ موجود ہے جس میں ملزم نے سائیں غریبو کو قرآن پاک پھاڑنے پر مار دیا تھا۔ عزت مآب نے اس میں اس طرح بیان کیا۔''ہر مسلمان قرآن

پاک کو گناہوں سے نجات کا ذریعہ مانتا ہے۔ اس کو کسی قسم کا پھاڑنا یا بے حرمتی یقینی طور پر مسلمانوں کے لئے نا قابل برداشت ہوگی اور پھر ایک عالم کے لئے تو اور بھی زیادہ جو مختلف ماحول میں جوان ہوا اور بالکل مختلف تربیت حاصل کی۔

موجودہ مقدمے میں مقتول نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کئے، اس لئے ملزم اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے جلدی میں (ایمانی تقاضوں کے تحت) ایسا کیا لہٰذا اشتعال انگیزی ظاہر ہوئی۔ پس میرے خیال میں اسے ایکسپشن 8 تعزیرات پاکستان کا فائدہ پہنچتا ہے۔

مسٹر غوث علی شاہ فاضل قانون دان جو ملزم کی طرف سے پیش ہوئے، نے بہت سی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن سے احمدی مذہب کے لوگوں کا حضرت محمدؐ کے خلاف گستاخانہ رویہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے میں ملزم حاجی محمد مانکؒ کو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 304 کے تحت تین سال قید کی سزا سناتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ امر ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہ ملزم دل کا مریض ہے، اس بنیاد پر اسے جیل میں کلاس بی عنایت کی جائے۔

آپ کو سزا کی یہ مدت خیر پور کی ضلعی جیل میں گزارنا تھا۔ غازی صاحب نے اپنے تعلق داروں اور مجلس تحفظِ ختم نبوت کے ارکان کو منع کر دیا تھا کہ وہ عدالتِ عالیہ میں اپیل ہرگز دائر نہ کریں۔ دوسری جانب سے قادیانیوں نے ہائی کورٹ سندھ میں نگرانی کی اپیل گزاری جسے متعلقہ جسٹس نے سرسری سماعت کے بعد رَد کر دیا اور یوں عدالتی چکر بازیاں اور قانونی چارہ جوئیاں ختم ہوگئیں۔

ابتدءً مقدمے کی پیروی غازی موصوف کے برادرِ اکبر گل بہار صاحب کرتے رہے چونکہ بمشکل گزر اوقات ہو رہی تھی، اس لئے زمین کو گروی رکھنا پڑا۔ جب صحیح صورتحال تاجدارِ ختمِ نبوت کے پروانوں کے علم میں آئی تو انہوں نے دستِ تعاون بڑھایا اور جملہ

مصارف اپنے ذمہ لے لیئے۔ رہن شدہ زمین آپ کے صاحبزادگان کو آزاد کرا دی۔ نیز آپ کے جوش ایمانی کو پورے علاقے میں متعارف کرایا اور بالخصوص سکھر میں مختلف میٹنگیں ہوتی رہیں۔ جن میں قانونی دفاع بھی زیرِ غور رہتا۔

یہ تذکرہ بھی بڑا پر لطف ہے کہ سنٹرل جیل سکھر میں الحاج موصوف کے 3 برس کیسے گزرے؟

حقیقت یہ ہے کہ مقدمے کی سماعت کے دوران ہی آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ پیشی کے موقع پر عدالت میں سینکڑوں لوگ فقط اس نیت سے ٹوٹ پڑتے کہ غازی صاحب کی زیارت ہو جائے گی۔ عرصہ اسیری میں ہزاروں افراد نے آپؒ سے ملاقات کی۔ بڑے بڑے اہل نظر آپؒ سے ملنے تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ جناب محمود اسعد صاحب سجادہ نشین خانقاہ عالیہ ہالیجی شریف آپؒ کی ملاقات کو اکثر و بیشتر آیا کرتے۔ وہ فرماتے کہ غازی صاحب پر رسول اکرمؐ کی خاص نظرِ کرم ہے۔ ایک وقت آئے گا جب لوگ فخر کیا کریں گے کہ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔

آپ کے ساتھ جیل کے عملے کا سلوک بہت اچھا تھا۔ جیل خانہ کے سنیئر افسروں نے انہیں ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہ بھی سرکارِ مدینہؐ کا خاص کرم ہے کہ آپ جہاں جہاں بھی پہنچے، لوگوں کے دلوں میں محبت کا جذبہ پیدا ہوا۔ حکام جیل تو گہری عقیدت رکھتے تھے۔ الغرض جب سزا کی مدت پوری ہوگئی تو آپ کو بیرون شہر سے مینارہ روڈ معصوم شاہ تک ایک منظم جلوس کی شکل میں لایا گیا۔

شہدائے اسلام آباد

شیطان رشدی کی کتاب جیسے ہی لندن کی مارکیٹ میں فروخت کے لئے پہنچی تو

وہاں کے مسلمانوں نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیا اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔

29 نومبر 1988ء کو لندن میں اسلامی ملکوں کے سفیروں کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان، کویت اور صومالیہ کے سفیروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے سفارتی سطح پر مذاکرات کر کے اس کتاب کی فروخت پر پابندی عائد کرائے۔

28 جنوری 1989ء کو لندن میں برطانیہ کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے کئی لاکھ مسلمانوں نے اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک بہت بڑا مشتعل مگر منظم جلوس نکالا جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جس میں نہ صرف اس شیطانی کتاب کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس کے مصنف کے خلاف سخت کاروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا اور مسلم ایکشن فرنٹ The Muslim Action Front کی تشکیل بھی عمل میں آئی تاکہ ان مطالبات کی تکمیل کے لئے عملی اقدام کئے جائیں۔ ان مظاہروں اور اس کتاب کے مندرجات کا نوٹس لیتے ہوئے پوپ نے بھی ویٹی کن سٹی میں اس کتاب کی اشاعت، خرید اور فروخت کو ممنوع قرار دیا۔

اس کتاب کے اقتباسات جب منظر عام پر آئے تو مسلمان سراپا اضطراب بن گئے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دل ودماغ، زبان وقلم اور رگ وپے سے اس شیطانی کتاب اور اس کے شیطان مصنف کے خلاف غم وغصہ کا لاوا ابلنے لگا جس کے ہولناک نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے اس کتاب کی فوری ضبطی کا حکم دیا جس پر بلا تاخیر عمل درآمد ہوا۔ پاک وہند کے علاوہ ملائیشیاء، جنوبی افریقہ، مصر، سوڈان، عمان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے بھی اس کتاب کو قابل ضبطی قرار

دیا لیکن یہ کاروائی بھی مسلمانوں کے لئے وجہ تسلی نہ ہو سکی اور اس کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے طول و عرض میں مظاہروں اور احتجاج کا سلسلہ شروع گیا۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کتاب کے خبیث مصنف کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امریکہ میں بھی اس بے ہودہ اور شیطانی کتاب کے مصنف اور اس کے ناشروں کے خلاف نہ صرف وہاں کے مقیم مسلمانوں نے کھل کر احتجاج کیا بلکہ بعض مقامات پر جن دکانوں میں یہ کتاب فروخت ہو رہی تھی، انہیں بھی نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ امریکہ میں یہودی لابی کے غیر معمولی کنٹرول کے باوجود غیر متعصب، غیر تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی وہاں کے کثیر الاشاعت اخبارات، جرائد اور رسائل میں اس کی مذمت کی۔ چنانچہ 19 جنوری 1989ء کو روزنامہ نیویارک ٹائمز اور اس کے بعد واشنگٹن ٹائمز نے اس کتاب کے خلاف تبصرے شائع کئے اور لکھا کہ یہ کتاب نہ صرف سطحی اور گھٹیا ہے بلکہ شرانگیز بھی ہے۔ اس بات سے اہل یورپ اور امریکہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا واقف ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک انسانی اقدارِ اعلیٰ کا سرچشمہ ذاتِ ختمی مرتبت ﷺ ہے، جن کے نام و ناموس کا تحفظ ان کی اپنی ذات، جان و مال اور ملک و قوم سب سے بڑھ کر ہے۔ مسلمان ملک و قوم اس کی حفظ و پاسبانی اس لئے کرتے ہیں کہ ان دونوں کا تعلق براہ راست اس ذاتِ گرامی سے ہے جو انہیں ہر چیز سے عزیز تر ہے۔

یوں تو شیطانی کتاب نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے جذبات کو سخت مجروح کیا تھا لیکن ایلان اور اسلامیان پاک و ہند ایک نہایت ہی اذیت ناک کرب و ابتلا سے گزر رہے تھے۔ پاکستان کے بزرگ سیاستدان نوابزادہ نصر اللہ خان خبیث رشدی کی اس کمینہ حرکت پر تڑپ اٹھے۔ 7 فروری 1989ء کو ان کی تحریک استحقاق پر قومی اسمبلی نے متفقہ

طور پر ''شیطانی خرافات'' اور اس کے مصنف کے خلاف قراردادِ مذمت منظور کی اور یہ تجویز پاس کی کہ پاکستانی حکومت برطانیہ اور امریکہ سے اس کتاب کی ضبطی اور اس کی اشاعت رکوانے کے لئے سفارتی سطح پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے۔

ان ہی دنوں میں مجلس تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کے سرگرم اراکین اور قائدین نوابزادہ نصراللہ خان، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا کوثر نیازی، میجر (ریٹائرڈ) محمد امین منہاس، مولانا قاری عبدالعزیز جلالی، مولانا محمد عبداللہ اور دیگر دردمند کارکنوں کا اجتماع ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومتِ امریکہ کو مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے اور اسلامی ملکوں کو اس صورتحال سے واقف کرانے کے لئے اراکین اسمبلی، دانشوروں اور معروف دینی اور سماجی شخصیتوں کی رہنمائی میں ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس نے ایک پروگرام بنایا کہ اسلام آباد میں ایک پرامن جلوس امریکن سنٹر تک جائے گا جس کی وساطت سے حکومتِ امریکہ کو اسلامیان پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت سے پیدا ہونے والے اندوہ ناک اضطراب اور گہری تشویش سے آگاہ کیا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ بھی کیا جائے گا کہ وہ اس فحش کتاب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کرے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ جلوس حکومت پاکستان سے اجازت حاصل کرنے کے بعد 12 فروری 1989ء کو لال مسجد آبپارہ سے نکل کر بلیو ایریا امریکن سنٹر کے قریب پہنچا تو وہاں پر متعین پولیس نے مرکزی حکومت کی ہدایات پر شرکائے جلوس کو امریکن سنٹر میں داخل ہو کر اپنے مطالبات پہنچانے سے روکنے کے لئے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ بالآخر حکومت اور انتظامیہ کی بے تدبیری اور سہل انگاری کی وجہ سے پولیس نے نہتے، معصوم شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جس کے نتیجہ میں سمن زارِ مصطفیٰؐ

کے ساتھ نونہال خونِ شہادت سے رنگین قبا ہوئے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱: نوجوان طالب علم ظفر اقبال فرزند مرزا سلطان محمد پرنسپل قندیل انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی

۲: جواں سال طالب علم حافظ نوید عالم فرزند مظفر خان ساکن ایبٹ آباد

۳: جواں سال طالب علم نور الہدیٰ فرزند محمدؐ شعیب سواتی

۴: جواں سال طالب علم محمد شاہد فرزند محمد یونس سکنہ راولپنڈی

۵: شیر دل نوجوان حق نواز فرزند عظیم اللہ ساکن مانسہرہ

۶: جان نثار نوجوان محمد ارشد فرزند محمد صادق ساکن اٹک

۷: جان باز نوجوان محمد فاروق فرزند عبداللہ خان ساکن راولپنڈی

ان کے علاوہ بے شمار جاں نثارانِ مصطفیٰؐ اس فائرنگ سے زخمی اور مضروب ہوئے۔ یہ قافلہ بلا کشان محبت لال مسجد سے روانہ ہوا تھا اور سینوں پر گولیاں کھا کر ساری ملت کو سرخرو کیا۔ ان میں سے کسی کی پشت پر ایک خراش تک نہیں پائی گئی۔ ان معصوم نوجوانوں کی شہادت کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

بے وضو نام لینا گوارا نہیں

ایک دن معلم شاہ عبداللہ کمرۂ اساتذہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ اور اساتذہ بھی موجود تھے۔ باہمی گفتگو جاری تھی جس کا کوئی مرکزی موضوع نہیں تھا۔ جو کوئی سخن گفتنی آگے بڑھاتا، کچھ دیر لئے باہمی گفتگو کا موضوع بن جاتا۔ عین اس وقت عبداللہ نے مصر کے جنرل نجیب کی خودنوشت سوانح عمری کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نام جنرل نجیب نے ''مصر کی تقدیر'' رکھا تھا۔ شاہ عبداللہ نے چونکہ انہی ایام میں یہ کتاب پڑھی تھی لہٰذا بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ اس کا تعارف کرانے لگے۔ انہوں نے جنرل نجیب کے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ سنایا کہ جنرل نجیب نے لکھا ہے:

''میں جس زمانے میں گورڈن کالج (خرطوم) میں بی۔اے کا طالب علم تھا تو ایک دن انگریزی کے گھنٹے میں انگریزی کے انگریز استاد نے اپنے موضوع سے ہٹ کر یہ کہا کہ مصر پر انگریزوں کی حکومت ہے۔میں یہ تبصرہ سن کر غضبناک ہو گیا اور کھڑے ہو کر گرج کر کہا، پروفیسر صاحب! آپ جھوٹ بولتے ہیں، مصر پر انگریزوں کی حکومت نہیں بلکہ انگریزوں کا قبضہ ہے۔حاکم اور غاصب کا فرق سن کر پوری جماعت میری ہمنوا ہو گئی لیکن پروفیسر مشتعل ہو گیا اور پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گیا۔''

عین اس وقت نویں جماعت کا ایک طالب علم سیّد احمد کسی کام سے کمرے میں آ گیا۔شاہ عبداللہ نے اسی وقت اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا، کیا آپ میں سے کسی نے یہ معرکۃ الآراء کتاب پڑھی ہے؟

نہیں۔یہ سب کا متفقہ جواب تھا۔

اس وقت شاہ جی کو احساس برتری کی ایک نامعلوم تیز رو بہا کر لے گئی۔انہوں نے کہا، بڑی عجیب بات ہے کہ کتاب کو بازار میں آئے ہوئے ایک برس ہو گیا ہے اور آپ میں سے کسی صاحب نے ابھی تک یہ کتاب نہیں پڑھی۔

سننے والوں کے لئے یہ جملہ خاصا ناگوار اور تکلیف دہ تھا کہ اس میں ان کی تحقیر کا خاصا سامان موجود تھا۔تاہم عبداللہ صاحب کو یہ احساس نہیں ہوا۔وہ جنرل نجیب کے ذہن کا تجزیہ کرنے لگے کہ حکمران اور غاصب کا جو تصور جنرل کے ذہن میں راسخ ہو چکا تھا، وہ کیا نتائج پیدا کر سکتا تھا؟ اس وقت ان کے ساتھی یہ باتیں سننے کے خواہش مند نہیں تھے۔اتنے میں آواز آئی۔''جناب والا''

سننے والوں نے دیکھا کہ سیّد احمد کچھ کہنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا، اس کی

آنکھیں چمک رہی تھیں۔اس ؒنے شاہ عبداللہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا، جناب! میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

شاہ عبداللہ اپنے طالب علم کی طرف ملتفت ہوئے۔اس وقت اس کے چہرے پر ایک عجیب وغریب رونق نمایاں تھی۔جناب! کیا آپ نے قرآن مجید اسی انہماک سے پڑھا ہے جیسے جنرل نجیب کی کتاب پڑھی ہے؟

شاہ عبداللہ کے لئے یہ سوال بجلی کا جھٹکا ثابت ہوا۔وہ اک دم سکتے میں آ گئے اور چونکہ بات کلام اللہ کی تھی لہٰذا انہوں نے اعترافاً کہا،نہیں تو کیوں کیا بات ہے؟

جناب والا! اس کتاب کو زمین پہ اُترے کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور آپ نے ابھی تک اسے نہیں پڑھا۔

یہ کہہ کر سیّد احمد خاموش ہو گیا مگر یہ سن کر شاہ عبداللہ گنگ ہو گئے۔بقیہ اساتذہ سیّد احمد کی ذہانت پر عش عش کر اٹھے۔اس نے انہیں احساسِ کمتری کے اس زمین دوز ٹھکانے سے باہر نکال لیا جہاں شاہ عبداللہ نے انہیں نادانستہ طور پر پہنچا دیا تھا۔

سیّد احمد کا یہی جملہ تھا جو ایک بے پناہ انجام کی خوشگوار ابتدا بیان کر رہا تھا۔

سالانہ امتحانات ہوئے تو مدرسے کا روایتی جلسہ تقسیمِ انعامات منعقد ہوا۔اس تقریب میں روایت کے مطابق محکمہ تعلیم کے سربراہ کے علاوہ سکول کی انتظامیہ کے ارکان شریک ہوئے،اخباروں کے نمائندے بھی آئے ہوئے تھے۔اس روز فی الواقعہ سکول میں بڑی گہما گہمی تھی جو ایسی تقریب کے موقع پر ہمیشہ اور ہر جگہ دیکھنے میں آتی ہے۔

تقریب کلامِ پاک کی تلاوت سے شروع ہوئی۔پھر صدر معلم نے مدرسے کی سالانہ رپورٹ پڑھی۔پھر محکمہ تعلیم کے ناظم تعلیمات نے تقریر کی جس کے بعد انتظامیہ کے صدر نے سکول کو بہتر بنانے کے لئے اپنے آئندہ عزائم کا اعلان کیا۔مدرسے کے اوّل،دوم

اور سوم آنے والے طلباء کو انعامات اور توصیفی اسناد دی گئیں۔ ان کی بڑی تکریم کے ساتھ حوصلہ افزائی ہوئی۔ ان کے والدین بہت مسرور دیکھے گئے۔ تقسیم انعامات کے بعد ایک پروگرام شروع ہوا جس میں بعض طلباء کو مباحثے میں حصہ لینا تھا، بعض کو نظمیں پڑھنی تھیں، بعض نے مضامین سنانے تھے۔ اس پروگرام میں سیّد احمد نے نعت پڑھنی تھی اور اسی سے اس آخری پروگرام کا آغاز ہونا تھا۔

سیّد احمد نے مائیک پر نعت پڑھنی شروع کی۔ بلاشبہ اس کی آواز میں کوئی حلاوت نہ تھی مگر سننے والے محسوس کر رہے تھے کہ کثرتِ مشق نے آواز میں ایک وجد آفرین کیفیت پیدا کر دی تھی اور علامہ اقبالؒ کے ترنم کی طرز اس پر مستزاد تھی۔ پورا مجمع محویت کے ساتھ سن رہا تھا مگر سکول کے صدر معلم پیلے ہو رہے تھے کیونکہ سیّد احمد مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور نعت یوں پڑھ رہا تھا: ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے
مرادیں غریبوں کی بر لانے والے
غریبوں کے مولا یتیموں کے والی
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے

معلوم نہیں سیّد احمد کو کیا سوجھی تھی یا سجھائی گئی تھی کہ تصرفِ لفظی سے کام لیتے ہوئے وہ 'والا' کی بجائے 'والے' پڑھ رہا تھا۔

جونہی سیّد احمد نے نعت ختم کی۔ صدر معلم نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور نہایت غصے میں اس سے پوچھا۔ برخوردار! تمہیں اردو کون صاحب پڑھاتے ہیں؟

جناب شباہت حسین یوسف زئی صاحب۔

یوسف زئی صاحب آپ کہاں ہیں؟

اس پر شباہت حسین یوسف زئی کھڑے ہو گئے۔

انہیں اردو آپ پڑھاتے ہیں؟

جی ہاں۔

آپ پٹھان ہیں؟

جی ہاں۔

آپ کو اردو آتی ہے؟

جی ہاں! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

آپ نے اس چھوکرے کو نعت غلط کیوں یاد کرائی؟

یہ جملہ سن کر نوجوان پٹھان معلم طیش میں آ کر سرخ ہو گیا۔ اس نے بڑے تیز و تند لہجے میں کہا۔

جناب پہلے تو آپ اپنی اردو درست کریں۔ آپ میرے انتہائی عزیز طالب علم کے لئے چھوکرے کا لفظ استعمال کرر ہے ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں۔ آخر آپ کو اتنا غصہ کس بات پر آیا ہے؟

آپ یہ بتائیں، آپ نے اسے نعت غلط کیوں یاد کرائی ہے؟

نعت کیسے غلط ہے؟

غلط اس طرح ہے کہ مولانا حالی نے لکھا ہے۔ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا اور یہ پڑھ کر گیا ہے، وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے۔

یہ سن کر پٹھان معلم اس جگہ سے اٹھ کر مائیک پر آ گیا اور اس اعتراض کا جواب اس نے مجمع عام کو یہ دیا:

''صاحبو! میں نے سیّد احمد کو اسی طرح نعت یاد کرائی جیسے حالی مرحوم نے

لکھا ہے مگر سیّد احمد اسے اس طرح پڑھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔
اس کا کہنا یہ تھا کہ میرے والد نے مجھے نعت پہلے ہی سے اسی طرح یاد کرا رکھی ہے جیسی اس نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اور ایسا کرنے کے لئے اس کے پاس دلیل یہ تھی کہ تکریم رسولؐ، حب رسولؐ اور ادبِ رسولؐ کا تقاضا یہ ہے کہ میں 'والا' کو 'والے' پڑھوں۔ مجھے اس کی دلیل درست معلوم ہوئی۔ اس کے دل میں تکریم رسولؐ کے جو جذبات تھے، ان کا پاس کرتے ہوئے میں نے اسے اسی طرح پڑھنے دیا اور مشق کراتا رہا جیسے اس کے والد کی تمنا تھی۔

شاباش، شاباش۔ ہال سے آوازیں اٹھیں۔

اگلے دن کے اخبارات سکول میں بپا ہونے والے ہنگامے کی روئیداد سے بھرے تھے۔ خبر تھی کہ صدر معلم صاحب غیر مسلم تھے لیکن انہوں نے خود کو مسلمان ظاہر کر رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ سات دن کے اندر سکول میں نئے صدر معلم آ گئے اور پرانے برطرف ہو گئے۔ ان پر ایک لاکھ اکتالیس ہزار روپے کے غبن کا پرانا مقدمہ از سرِ نو دائر کر دیا گیا۔

سکول سات روز کے بعد کھلا، اب سید احمد جو بلاشبہ ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن کر آیا، لڑکوں کا ہیرہ تھا اور اساتذہ کا عزیز ترین طالب علم۔ جس طرح ایک بیج درخت بن کر صد ہا پھل دیتا ہے، اس تمثیل پر اس واقعہ نے سکول میں نتائج در نتائج پیدا کیے اور یہ سلسلہ ایک زمانے تک چلتا رہا۔

چھ مہینے گزر گئے۔ موسم گرما کی تعطیلات کے بعد سکول دوبارہ کھلا۔ ایک دن انگریزی کے استاد نے شاہ عبداللہ سے سید احمد کی بڑی شکایت کی اور خشت اول ہی یہ جملہ تھا ''صاحب! یہ سیّد احمد بڑا گستاخ لڑکا ہے، بات نہیں مانتا۔''

''کیوں' کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا' آج میں نے اسے تختہ سیاہ صاف کرنے کو کہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تختہ سیاہ پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ بس صاحبزادے اسی بات پر اڑ گئے کہ میں کلمہ طیبہ پر گندا کپڑا نہیں پھیروں گا۔ بھلا یہ کوئی اڑنے کی بات تھی؟

آپ کے بگڑنے کی اس میں کیا بات ہے؟ آپ اس پر توجہ کیوں نہیں دیتے کہ اس کے دل میں کلمہ طیبہ کی کس قدر تکریم موجود ہے، پھر آخر وہ ابھی لڑکا ہی تو ہے۔

نہیں صاحب! وہ آپ لوگوں کا لاڈلا ہے اور ہم سے مسخری کرتا ہے۔

شاہ عبداللہ نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا مگر اتنا ضرور کہا، میں اسے سمجھا دوں گا، آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔ ایک دن شاہ عبداللہ کاپیاں دیکھ رہے تھے، انہیں ایک عجیب مشاہدہ نصیب ہوا۔ جب وہ سیّد احمد کی کاپی دیکھ کر اس کی غلطیاں نشان زد کر کے دستخط کرنے کے بعد اسے رکھنے لگے تو کاپی ان کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ انہوں نے جب اسے اٹھایا تو کاپی کونے سے پکڑے جانے کے باعث کھل گئی۔ جو صفحہ کھلا اس پر مندرجہ ذیل تحریر رقم تھی مگر خطِ تحریر سیّد احمد کا نہیں تھا:

حجازی۔ احمد الکبیر............شام۔ احمد کامل الثابت

اردنی۔ احمد............مصری احمد البنا

مراکشی۔ احمد عبداللہ............ترکی۔ احمد الپتگین

پاکستانی۔ لطیف احمد............بھارتی۔ رشید احمد

انڈونیشیاء۔ احمد سوئیکارنو............الجزائری۔ احمد بوکافی

لبنانی۔ احمد ذوالنون............ایرانی۔ احمد رضا

نائیجیریا۔ احمد فولانی............افغانی۔ داؤد احمد رضا

علیٰ ہٰذا القیاس یہ فہرست کافی طویل تھی، اس کے نیچے لکھا تھا:

اسمِ مشترک......قدرِ مشترک......احمدؐ

شاہ عبداللہ کچھ سمجھ نہ سکے کہ یہ سب کیا ہے۔ انہوں نے سیّد احمد کو بلا کر پوچھا، برخوردار! یہ کیا ہے؟

جناب مجھے معلوم نہیں۔

یہ کس نے لکھا ہے؟

ابا جی نے۔

کس مقصد کے لئے؟

جناب والا! معلوم نہیں، رات ہی انہوں نے یہ لکھا ہے، پھر مجھے سمجھانے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ ماموں ملنے آ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ یہ بات پھر کسی وقت تمہیں سمجھاؤں گا۔

اچھا، مگر خوب اچھی طرح سمجھنا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا۔ شاہ عبداللہ کو یقین ہوتا چلا گیا کہ کوئی رفیع الشان سندِ کمال سیّد احمد کا انتظار کر رہی ہے جو ایک زمانے کے لئے مینارۂ نور ثابت ہو گا۔

مگر ایک دن ایسا آیا کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔ وہ خوش نما ٹاپو غرق ہو گیا جس پر شاہ عبداللہ سند باد جہازی کی طرح خیمہ زن تھے۔ تب حقیقت کھلی کہ وہ ٹاپو، ٹاپو نہیں تھا، وہیل مچھلی تھی جس نے سند باد جہازی کو فریبِ نظر کی ہمرنگ زمین میں مقید کر لیا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہوا:

مہینے کا آخری دن تھا اور اس دن اسلامیات کے معلم نہیں آئے تھے۔ نویں جماعت میں ان کا گھنٹہ خالی جا رہا تھا۔ صدر معلم نے شاہ عبداللہ کو وہاں جانے کے لئے کہہ

دیا۔ وہ چلے تو گئے مگر با دل نخواستہ۔ جماعت میں خاصا شور بپا تھا۔ شاہ عبداللہ جماعت کے اندر داخل ہوئے تو شور وغل تھم گیا اور لڑکے خاموش ہو گئے۔ جماعت کو پر سکون دیکھ کر شاہ عبداللہ رجسٹر کھول کر بیٹھ گئے اور حاضریوں کا حساب کرنے لگے۔ لڑکوں نے انہیں اپنی طرف سے غافل پایا تو اپنی اپنی کاروائیوں کے لئے ہوشیار ہو گئے اور آہستہ آہستہ پر پرزے نکالتے چلے گئے تا آنکہ شور کا آہنگ اتنا بلند ہو گیا کہ عبداللہ کے لئے کام پر توجہ مرکوز کرنا دشوار ہو گیا۔ انہوں نے رجسٹر بند کیا اور کھڑے ہوئے تو ایک بار پھر شور بیٹھ گیا۔ اب انہوں نے بھی بیٹھنے کی بجائے کھڑا رہنا پسند کیا اور پوچھا، سیّد احمد یہ کس مضمون کا گھنٹہ ہے؟

جناب! اسلامیات کا۔

اسلامیات کی کتاب مجھے دو۔

کتاب انہیں دی گئی۔

آپ نے یہاں تک پڑھ لیا ہے؟

معلوم ہوا کہ لڑکے حضورؐ کی پیدائش سے لے کر ہجرت تک کا حال پڑھ چکے ہیں، اب آگے پڑھنا تھا۔ عبداللہ آگے پڑھانے کے موڈ میں نہیں تھے مگر جماعت کی مجموعی، مہیب اور جناتی قوت کو قابو کرنے کے لئے ضروری تھا کہ لڑکوں کو کام میں مصروف کر دیا جائے لہٰذا انہوں نے بہتر یہی سمجھا اور حصہ آموختہ سے سوالات کرنے شروع کئے۔ سوالات ان کے منہ سے نکلتے رہے اور جوابات لڑکوں کی زبان سے۔ پھر انہوں نے سیّد احمد سے ایک سوال کیا۔ سیّد احمد ہکا بکا کھڑا تھا اور گم سم بھی تھا۔

شاہ عبداللہ قدرے حیران ہوئے کہ اچانک سیّد احمد کا رنگ فق کیوں ہو گیا ہے؟

سیّد احمد! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟

جی بالکل ٹھیک ہے۔

اچھا بتاؤ بانی اسلام کون تھے؟

اللہ کے رسولؐ۔

کہاں پیدا ہوئے؟

مکہ معظمہ میں۔

ان کا روضۂ اطہر کہاں ہے؟

ان کا اسمِ گرامی کیا ہے؟

یہ سوال سنتے ہی سیّد احمد ایک دم گنگ، اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس کے چہرے پر خوف اور ندامت کی کیفیات آگے پیچھے دوڑنے لگیں۔ شاہ عبداللہ نے نہایت ہی گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا اور پڑھا، وہاں کوئی مجرمانہ کیفیت نمایاں نہیں تھی، تمسخر اڑانے کی کسی کیفیت کی غمازی بھی نہیں تھی۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوا کہ وہ اندرونی طور پر ناآسودہ اور زخمی جذبات کی زد میں ہے۔ پھر اس نے آہستہ سے سر جھکا لیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے اسے نہایت دھیمے لہجے میں نبی آخر الزماں کا اسمِ مبارک بتا رہے تھے، بقیہ جماعت بھی اس کے رویے پر تلملا رہی تھی۔

عبداللہ نے لڑکوں کو خاموش رہنے کی سختی سے ہدایت کر دی۔ ان کا پارہ چڑھنے لگا، خون گرم ہونے لگا۔ مسلسل خاموشی سے بھڑک کر عبداللہ نے سیّد احمد کو ڈیسک سے باہر آنے کے لئے کہا۔ وہ بڑی انکساری اور محبت سے باہر آ گیا۔ اس کا یہ منکسر رویہ دیکھ کر شاہ عبداللہ کا بگڑتا ہوا مزاج پھر سے ذرا حلیم ہو گیا۔

سیّد احمد! تمہیں اللہ کے رسولوں کے نام آتے ہیں؟

جی آتے ہیں۔

تمہیں اللہ کے آخری رسولؐ کا بھی نام آتا ہے؟

جی آتا ہے۔

ان کا صرف ایک نام ہے یا زیادہ؟

جی ذاتی نام تو ایک ہے صفاتی نام بہت سے ہیں۔

تمہیں ان کے سارے نام یاد ہیں؟

جی یاد ہیں۔

اچھا، پھر ان کا اسمِ مبارک بتاؤ؟

اور عین اس مقام پر پھر سے ڈرامے کے المیہ منظر کا آغاز ہو گیا۔ سیّد احمد پھر سے عالم گویائی سے شہر خموشاں کی طرف ہجرت کر گیا اور شاہ عبداللہ کا باطن حلم اور شفقت سے غضب اور تشدد کی سمت کا مسافر ہو گیا۔ تشدد عملی صورت گری کے قریب پہنچ رہا تھا ابھی تک تشدد کی رو حیرت اور استفہامیہ حصار ہی میں تھی۔ شاہ عبداللہ نے اپنے آپ پر غالباً آخری بار قابو پا کر پوچھا:

سیّد احمد! تم عیسائی ہو؟

جی نہیں۔

ہندو ہو؟

جی نہیں۔

کمیونسٹ ہو؟

جی نہیں۔

سوشلسٹ ہو؟

جی نہیں۔

پھر کیا ہو؟

جی میں مسلمان ہوں۔

شاباش! مسلمان ہو تو اپنی نبیؐ کا اسمِ مبارک بتاؤ؟

جواب میں خاموشی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ وہ کسی پہلو سے سیّد احمد کو سمجھ نہیں پار ہے تھے۔ جس نے انہیں تکریمِ رسولؐ دی تھی، وہ آج نامِ رسولؐ لینے سے گریزاں تھا۔ وہ لڑکا جو رجسٹر اپنے ہم جماعتوں سے لے کر اس کی اصلاح کیا کرتا تھا کہ جہاں بھی Mohd لکھا ہوا، کاٹ کر Muhammad لکھ دیا کرتا تھا۔ آج وہ اپنے قلم سے ہزاروں بار لکھے ہوئے نام کو زبان سے ادا کرنے سے منکر ہو رہا تھا۔ جو کلمہ طیبہ پر کپڑا پھیرنے سے گریز کرتا تھا، آج اس نے اس پر خاموشی کا ورق چسپاں کر دیا تھا۔

وہ سیّد احمد کو گھور رہے تھے۔ انہوں نے زِچ ہو کر چیخ کر کہا، سیّد احمد! یہ کیا فراڈ ہے؟ تم آگے بولو گے یا نہیں؟ اس چیخ کو سن کر بھی سیّد احمد نے گویائی کی طرف ہجرت نہیں کی۔

اب یہاں طبلِ جنگ بج گیا اور تیمور لنگ کی افواجِ قاہرہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ حملہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، سیّد احمد کا رنگ سرخ ہو گیا، ناک سے خون بھی بہہ نکلا، بال الجھ گئے اور قمیص شکنوں کا پلندہ ہو گئی۔ آخر شاہ عبداللہ کے ہاتھ تھک گئے، بید چر کر بے کار ہو گیا۔ سیّد احمد کا انگ انگ دکھ رہا تھا، آنکھیں اشکبار تھیں اور سسکیوں کی آواز کافی بلند تھی لیکن اب بھی اس کے چہرے پر جواب دینے کی کیفیت نمودار نہیں ہوئی تھی۔ وہاں تو ایک سرمدی احساس جگمگا رہا تھا اور سیّد احمد جیسے کہہ رہا تھا، مجھے بے شک مار ڈالو، دفن کر دو مگر میرا منہ..................

شاہ عبداللہ نے تھک ہار کر جماعت کا جائزہ لیا تو بظاہر تو وہ ایک پہاڑ تھی مگر بباطن اس کے اندر آتش گیر لاوا بھڑک رہا تھا۔ شاید ان کے لئے سیّد احمد کی شدید پٹائی ناقابل برداشت تھی۔ وہ ایک بار پھر ان کی آنکھ کا تارا بن گیا تھا، وہ اس کے لئے سرکشی پر آمادہ ہوتی

چلی جارہی تھی۔ اتنے میں آدھی چھٹی کا گھنٹہ بج گیا۔ لڑکے بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے اور سیّد احمد کو اپنے حصار میں لے لیا۔ شاہ عبداللہ نے گرج کر کہا، میں اگلے گھنٹہ میں پھر آؤں گا اوراس کا دماغ درست اور زبان چالو کر کے دم لوں گا۔

شاہ عبداللہ کا خون کھول رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکلے اور کمرۂ اساتذہ میں جانے کی بجائے کینٹین میں چلے گئے اور کڑک قسم کی چائے لانے کو کہا۔ اب جو خیالات ان کے ذہن کی غلام گردشوں میں گشت کر رہے تھے، وہ حقارت اور غضب اور احساسِ عزت کی شکست و ریخت نے مہیا کیے تھے۔ انہیں یقین ہو رہا تھا کہ وہ لڑکا کوئی نوعمر عبداللہ بن سباح، حسن بن صباح یا کمسن شیخ الجبال ہے، یہ اوراس کا باپ دونوں سازشی قرامطی ہیں۔ انہیں اجاڑنے کے لئے چنگیز خان ہی بننا پڑے گا۔ معلوم نہیں یہ کیا کھیل کھیل رہے ہیں اور آئندہ کیا کر گزریں؟ اب لازم ہے کہ دیہات سے دربار تک ان کا تعاقب کیا جائے۔

جب گھنٹہ بجا تو شاہ عبداللہ پھر سے نئے جوش وخروش کے ساتھ اسی کلاس پر چڑھ دوڑے۔ بعد میں جماعت کے دوسرے استاد آئے تو انہیں عبداللہ نے اپنی جماعت میں جانے کی ہدایت کر دی۔ شاہ عبداللہ نے پہلے جماعت کا جائزہ لیا۔ لڑکوں کے موڈ پر ایک خوشگوار فرحت اور سرخوشی چھائی ہوئی تھی، ان کی آنکھوں میں بغاوت کا شرارہ بجھ چکا تھا تاہم انہیں یہ احساس ہو رہا تھا جیسے یہ جماعت بحیثیت مجموعی اپنی فتح اوران کی شکست کا اعلان کر رہی ہے۔ ہر لڑکا سیّد احمد کی وکالت کرنے کے لئے بیکل ہو رہا تھا اور سیّد احمد.......... چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سرخ اور سپید چہرہ دھلا ہوا تھا، بالوں پر پانی کے قطرے کہیں کہیں جھلک رہے تھے، ناک میں ایک طرف روئی کا پھایا دیا ہوا تھا، خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ سیّد احمد کے مطمئن چہرے پر سکون کے سوا کسی اور احساس کا سراغ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔

اس تبدیل شدہ فضا نے عبداللہ کے شکوک کی قوت کو دو چند کر کے انہیں ایک نئی کشمکش سے دوچار کر دیا تھا جو ایک طرف حلم اور نرمی کا تقاضا کر رہی تھی اور دوسری طرف سختی اور مار پیٹ کا۔ دو چار منٹ میں آدھی چھٹی کی کیفیت رخصت ہو گئی، جماعت مطمئن اور خاموش تھی۔ کشمکش سے دوچار شاہ عبداللہ نے کہا، سیّد احمد! کھڑے ہو جاؤ۔

سیّد احمد یوں کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس حکم نامے اور عتاب نامے کا ادراک کر چکا تھا اور کھڑا ہونے کے لئے بے چین ہو رہا تھا، جیسے اسے اپنی معصومیت کی وکالت کرنی ہو۔

بتاؤ تم کس قوم کے فرد ہو؟

جی مسلمان قوم سے۔

تمہارے والد مسلمان ہیں یا قرامطی؟

جی وہ مسلمان ہیں۔

اور قرامطی کون ہے؟

جی مجھے معلوم نہیں قرامطی کیا ہوتا ہے؟

یہ تمہیں ابھی پتہ چل جائے، تمہیں اپنے رسولؐ کا نام آتا ہے؟

جی آتا ہے۔

اچھا بتاؤ، نبی آخر الزماںؐ کا اسمِ مبارک کیا ہے؟

جی آپؐ کا اسم مبارک ہے محمد مصطفیٰ ﷺ۔

اس کے بعد شاہ عبداللہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آسکا۔ انہوں نے پھر کہا، نبی آخر الزماںؐ کا اسمِ مبارک کیا ہے؟

جناب آپؐ کا اسم مبارک ہے محمد ﷺ۔

سیّد احمد نے درود شریف پڑھتے ہوئے کہا اور بعد ازاں اس نے دوبارہ درود

شریف پڑھا۔شاہ عبداللہ اس وقت مفتوح، مفلوج تھے، خاموش تھے، متحیر تھے۔انہوں نے ایک بار پھر سیّد احمد کو دیکھا اور پوچھا، سیّد احمد! یہ نام تمہیں پہلے بھی یاد تھا یا بھول گیا تھا؟

جی بہت اچھی طرح یاد تھا۔

پھر پہلے تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا تھا؟

جی میں اس وقت باوضو نہیں تھا۔

کیا مطلب، سیّد احمد! شاہ عبداللہ نے ایک دم پھٹ کر پوچھا۔

جی میں اس وقت بے وضو تھا۔

یہ کیا بات ہوئی۔

جی یہ میرے والد کا حکم ہے کہ مرتے مر جانا پر کبھی اپنے رسولؐ کا نام بے وضو مت لینا۔الحمدللہ کہ میں نے ایسا ہی کیا۔اتنا کہہ کر سیّد احمد خاموش ہو گیا۔

(شہیدان ناموسِ رسالتؐ ۳۱۴/۳۲۳)

امیر عبدالرحمٰن کا عشق رسولؐ

اسحاق قرطبہ کے عیسائی ماں باپ کا بیٹا تھا، عربی زبان خوب جانتا تھا۔ابھی نوعمر ہی تھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے دربار میں اس کو کاتب کی جگہ مل گئی۔لیکن 24 برس کی عمر میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر حبانوسس کی مسیحی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو گیا جہاں متعصب پادریوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ وہ اپنی جان دے کر بزرگی حاصل کرے۔ایک دن وہ خانقاہ سے نکل کر قرطبہ پہنچا اور قاضی کے سامنے آ کر کہا، میں آپ کا دین قبول کرنا چاہتا ہوں، مہربانی کر کے آپ مجھے اس کی ہدایات دیں۔

قاضی اس سے خوش ہو کر اسے دین اسلام کے متعلق بتانے لگا تو اس نے برملا

حضور نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کیا۔ جب قاضی نے سمجھایا تو اس کو بھی برا بھلا کہا۔ قاضی نے اسے جیل بھیج دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس گستاخ رسول (ﷺ) کی بابت حکم جاری کیا کہ اسے پھانسی دی جائے اور اس کی لاش کو کئی دن تک پھانسی پر اس طرح لٹکا رہنے دیا جائے کہ سر نیچے ہو اور پاؤں اوپر ہوں۔ اس کے بعد لاش جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہادی جائے۔ چنانچہ جون 851ء میں ان احکام کی تعمیل ہوئی۔

حضرت حبیبؓ کا عشق رسولؐ

حضرت عاصمؓ فرماتے ہیں کہ:

کافر حضرت حبیبؓ کو لے کر (حرم سے) باہر آئے اور ان کو سولی دینے کے لئے مقام تنعیم پہنچے تو حضرت حبیبؓ نے ان کافروں سے کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دو۔ انہوں نے کہا، لو نماز پڑھ لو۔ چنانچہ انہوں نے عمدہ طریقے سے دو رکعت نماز مکمل طور سے ادا کی۔ پھر ان کافروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، غور سے سنو! اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے نماز لمبی کر رہا ہوں تو میں اور نماز پڑھتا۔ قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت کو حضرت حبیبؓ نے مسلمانوں کے لئے سب سے پہلے شروع کیا، پھر کافروں نے ان کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا۔ جب انہوں نے ان کو اچھی طرح باندھ دیا تو انہوں نے فرمایا، اے اللہ! ہم نے تیرے رسولؐ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور ہمارے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے، اس کی ساری خبر کل اپنے رسولؐ کو کر دینا۔ پھر انہوں نے یہ بددعا کی۔

''اے اللہ! ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑنا اور ان کو ایک ایک کر کے مار دینا اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔''

پھر ان کافروں نے ان کو قتل کر دیا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی اس دن اپنے والد ابوسفیان کے ساتھ دیگر کافروں کی ہمراہی میں وہاں موجود تھا۔ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ حضرت حبیبؓ کی بددعا کے ڈر سے مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کیونکہ اس زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ جس کے خلاف بدُعا ہو رہی ہو، وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے تو وہ بدُعا اسے نہیں لگتی بلکہ اس سے پھسل جاتی ہے۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں یہ مضمون ہے کہ حضرت حبیبؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ دونوں ایک دن شہید کئے گئے اور جس دن یہ حضرات قتل کئے گئے۔ اس دن سنا گیا کہ حضورؐ فرما رہے تھے وعلیکما السلام یا وعلیک السلام۔ حبیب کو قریش نے قتل کر دیا اور آپ نے یہ بتایا کہ جب کافروں نے حضرت حبیبؓ کو سولی پر چڑھا دیا تو ان کو ان کے دین سے ہٹانے کے لئے کافروں نے ان کو تیر مارے لیکن اس سے ان کا ایمان اور تسلیم اور بڑھا۔

حضرت عروہ اور حضرت موسیٰ بن عقبہؒ فرماتے ہیں کہ جب کافر حضرت حبیبؓ کو سولی پر چڑھانے لگے تو انہوں نے بلند آواز سے ان کو قسم دے کر پوچھا، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (ﷺ) تمہاری جگہ ہو (اور ان کو سولی دے دی جائے) حضرت حبیبؓ نے فرمایا، نہیں...... عظیم اللہ کی قسم! **مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میرے** بدلے میں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس پر وہ **لوگ** ہنسنے **لگے۔ ابن اسحٰق** نے اس بات کو حضرت زید بن دثنہؓ کے قصہ میں ذکر کیا ہے۔ **فاللہ اعلم۔**

طبرانی نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کی لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ جو مشرکین جنگ بدر کے دن قتل کئے گئے تھے، ان کو اولاد نے حضرت حبیبؓ کو قتل کیا۔ جب مشرکوں نے ان کو سولی پر چڑھا کر (مارنے کے لئے) ان پر ہتھیار تان لئے تو بلند آواز

سے حضرت حبیبؓ کو قسم دے کر پوچھنے لگے۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے فرمایا، نہیں...... عظیم اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میرے بدلے میں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھے۔ اس پر وہ کافر ہنس پڑے۔ جب مشرک حضرت حبیبؓ کو سولی پر لٹکانے لگے تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا

قبائلهم واستجمعوا کل مجمع

''میرے اردگرد کافروں کے گروہ جمع ہیں اور انہوں نے اپنے قبیلوں کو بھی جمع کیا ہوا ہے اور ادھر ادھر کے سب لوگ پوری طرح جمع ہیں۔''

وقد جمعوا ابناء هم ونساء هم

وقربت من جذعٍ طویلٍ ممنع

''اور انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی جمع کیا ہوا ہے اور مجھے (سولی پر لٹکانے کے لئے) ایک لمبے اور مضبوط کھجور کے تنے کے قریب کر دیا گیا ہے۔''

الی اللّٰه اشکو غربتی ثم کربتی

وما ارصد الاحزاب لی عند مصرع

''میں وطن سے دوری کی اور اپنے رنج وغم کی اور ان چیزوں کی اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں جو ان گروہوں نے میرے قتل ہونے کی جگہ پر میرے لئے تیار کر رکھی ہیں۔''

فذا العرش صبرنی علیٰ ما یراد بی

فقد بضعوا لحمی وقد بان مطمع

''اے عرشے والے! یہ کافر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اس پر مجھے صبر عطا فرما ان لوگوں نے میرا گوشت کاٹ ڈالا ہے اور میری اُمید ختم ہوگئی ہے۔''

وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشأ
یبارک علیٰ او صال شلو ممزع

''اور یہ سب کچھ اللہ کی ذات کی وجہ سے (میرے ساتھ) ہو رہا ہے اور اگر اللہ چاہے تو وہ میرے جسم کے کٹے ہوئے حصوں میں برکت ڈال سکتا ہے۔''

لعمری ما احفل اذا مت مسلماً
علیٰ ای حالٍ کان للّٰہ مضجعی

''میری عمر کی قسم! جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں مر رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کس حالت میں، میں اللہ کے لئے جان دے رہا ہوں۔

ابن اسحٰق نے ان اشعار کو ذکر کیا اور پہلے شعر کے بعد یہ شعر بھی ذکر کیا ہے:

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد
علی لانی فی وثاقٍ تمضع

''اور یہ سب دشمنی ظاہر کر رہے ہیں اور میرے خلاف پوری طرح کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ میں بیڑیوں میں ہلاکت کی جگہ میں ہوں۔''

اور پانچویں شعر کے بعد ابن اسحٰق نے یہ اشعار بھی ذکر کئے ہیں:

وقد خیرونی الکفر والموت دونہٗ
وقد ھملت عیناں من غیر مجزع

''ان لوگوں نے مجھے موت اور کفر کے درمیان اختیار دیا حالانکہ موت اس

سے بہتر ہے۔ میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن یہ کسی گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں بہہ رہے ہیں۔''

وما بی ھذارالموت انی لمیت
ولٰکن ھذاری جحم نارٍ ملفعٖ

''مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں ہے کیونکہ میں نے مرنا تو ضرور ہے، مجھے تو لپٹ مارنے والی آگ کی لپٹ کا ڈر ہے۔''

فواللّٰہ ما ارجوا اذا مت مسلماً
علیٰ ای جنبٍ کان فی اللّٰہ مضجعی

''اللہ کی قسم! جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں مر رہا ہوں تو اس کا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے کہ مجھے اللہ کے لئے کس پہلو پر لیٹنا ہوگا۔''

فلست بمبدٍ للعدو تخشعاً
ولا جزعاً انی الی اللّٰہ مرجعی

''میں دشمن کے سامنے عاجزی اور گھبراہٹ ظاہر کرنے والا نہیں ہوں کیونکہ مجھے تو اللہ کے ہاں لوٹ کر جانا ہے۔''

جان کی پرواہ کئے بغیر

حضرت قتادہ بن نعمانؓ فرماتے ہیں کہ:

حضورؐ کو ہدیہ میں ایک کمان ملی، آپؐ نے وہ کمان اُحد کے دن مجھے دے دی۔ میں اس کمان کو لے کر حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو کر خوب تیر چلاتا رہا، یہاں تک کہ اس کا سرا ٹوٹ گیا۔ میں برابر حضورؐ کے چہرے کے سامنے کھڑا رہا اور میں اپنے چہرے پر تیروں کو لیتا رہا۔ جب بھی کوئی تیر آپؐ کے چہرے کی طرف مڑ جاتا تو میں اپنے سر کو گھما کر تیر کے

سامنے لے آتا اور حضورؐ کے چہرے کو بچالیتا (چونکہ میری کمان ٹوٹ چکی تھی اس لئے) میں تیر تو چلا نہیں سکتا تھا۔ پھر آخر میں مجھے ایک تیر ایسا لگا جس سے میری آنکھ کا ڈیلا ہاتھ پر آ گرا۔ میں اسے ہتھیلی پر رکھے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپؐ نے آنکھ کا ڈیلا میری ہتھیلی میں دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؐ نے یہ دعا دی:

''اے اللہ! قتادہ نے اپنے چہرے کے ذریعہ آپ کے نبی کے چہرہ کو بچایا ہے لہٰذا تو اس کی اس آنکھ کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز بنا دے۔''

چنانچہ ان کی وہ آنکھ دوسری سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز نظر والی ہوگئی۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ اُحد کے دن حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے سے حضورؐ کے چہرہ کی حفاظت کرتا رہا اور حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہؓ اپنی پشت سے حضورؐ کی پشت مبارک کی حفاظت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کی پشت تیروں سے بھرگئی اور یہ بھی غزوۂ اُحد کے دن ہوا تھا۔

آل رسولؐ کی محبت

واقدی کا بیان ہے کہ:

ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچی۔ گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ بھی نہیں، بڑے تو صبر کرلیں گے مگر بچے مفلسی کی عید کیسے گزاریں گے؟ یہ سن کر میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سربمہر ایک تھیلی میرے ہاتھ میں تھمادی۔ میں گھر آیا، ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اس کے گھر بھی افلاس وغربت نے ڈیرہ ڈالا تھا، قرض رقم چاہتا تھا۔ میں نے گھر جا کر اہلیہ کو قصہ سنایا۔ کہنے لگیں، کتنی رقم دینے کا ارادہ

ہے؟ میں نے کہا، تھیلی کی رقم نصف نصف تقسیم کر لیں گے، اس طرح دونوں کا کام چل جائے گا۔ کہنے لگی، بڑی عجیب بات ہے، آپ ایک عام آدمی کے پاس گئے، اس نے آپ کو بارہ سو درہم دیئے اور آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا ایک شخص اپنی حاجت لے کر آیا ہے اور آپ اسے ایک عام آدمی کے عطیے کا نصف دے رہے ہیں، آپ اسے پوری تھیلی دے دیں۔ چنانچہ میں نے وہ تھیلی کھولے بغیر سر بمہر اس کے حوالہ کر دی۔ وہ تھیلی لے کر گھر پہنچا تو میرا تاجر دوست اس کے پاس گیا۔ کہا، عید کی آمد آمد ہے، گھر میں کچھ بھی نہیں، کچھ رقم قرض چاہئے۔ ہاشمی دوست نے وہی تھیلی سر بمہر اس کے حوالہ کر دی۔ اپنی ہی تھیلی اسی طرح سر بمہر دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ تھیلی ہاشمی دوست کے ہاتھ چھوڑ کر میرے پاس آیا تو میں نے اسے پورا قصہ سنایا۔ درحقیقت تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، وہ سارا مجھے دے گیا اور خود قرض لینے ہاشمی دوست کے پاس چلا، ہاشمی نے جب وہ حوالے کرنا چاہا تو راز کھل گیا۔

ایثار و ہمدردی کے اس انوکھے واقعے کی اطلاع جب وزیر یحیٰی بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے، کہنے لگے:

> ''ان میں دو ہزار آپ کے، دو ہزار آپ کے ہاشمی دوست کے، دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں کیونکہ وہ تم سب میں زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔'' (المحاسن والمساوی صفحہ ۱۸۹)

صیہونی سازش۔ کے تحت ڈنمارک کے ایک تھرڈ کلاس اخبار ''جے لینڈ پوسٹن'' میں 30 ستمبر 2005ء کو شان رسالت ﷺ میں گستاخی کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پیغمبر اسلام......آقائے دو جہاں ﷺ کے 12 تضحیک آمیز کارٹون شائع کیے گئے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے احتجاج کیا لیکن مغرب کے غیر مہذب درندوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد ناروے کے ایک کٹر عیسائی اخبار ''میگزینیٹ'' نے اس شیطانی عمل کو دہرایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مغربی میڈیا کو اس خبیث عمل کا بخار چڑھ گیا۔ یورپ و امریکہ کے تمام ممالک کے اخبارات نے ان توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھا جس سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا اور مغربی میڈیا کی اس ناپاک حرکت پر سڑکوں پر نکل آئے۔ جوں جوں احتجاج کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، صلیبی فرمانرواؤں کے عزائم دنیا کے سامنے آشکارا ہوتے گئے۔ امریکی صدر ''بش'' نے خصوصی طور پر ڈنمارک کے وزیر اعظم کو فون پر نہ جھکنے کی تلقین کی اور اس عمل پر انہیں امریکہ کی طرف سے مکمل سپورٹ کی یقین دہانی بھی کروائی۔ مسلمانوں کا احتجاج ابھی تک جاری ہے۔ 50 سے زائد شمع رسالت ﷺ کے پروانوں نے جان کی بازی لگا کر عشق رسول ﷺ کا عملی ثبوت دیا ہے اور بہت سے اپنے پیارے نبی......آقائے دو جہاں ﷺ کی حرمت کی خاطر شہادت کی آرزو میں دیوانہ وار متمنی پھر رہے ہیں۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفاشعاروں کی
کٹی ہے برسرمیدان مگر جھکی تو نہیں

اللّٰھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کلما ذکرہ الذاکرون وصل علیٰ محمد کلما غفل عن ذکرہ الغافلون۔

بندہ
مؤمن خان عثمانی

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

خطیب مرکزی جامع مسجد فاروقِ اعظم کٹھانی اوگی......مانسہرہ

۲ مارچ ۲۰۰۶ء

یا خدا! جسم میں جب تک میری جان رہے
تجھ پہ صدقہ تیرے محبوب پہ قربان رہے
دین و دنیا میں جو پایا وہ وہیں سے پایا
ہم تو جس گھر میں رہے آپ کے مہمان رہے
ما عرفنا سے مقصود یہ تھا حضرت کا
بے خبر اپنی حقیقت سے نہ انسان رہے
نااُمیدی سے بچانا میرے دل کو یا ربّ
وصل ممکن نہیں تو وصل کا ارمان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے یہ دعا ہے کہ امیر
آخری وقت سلامت میرا ایمان رہے

ہماری دیگر مطبوعات
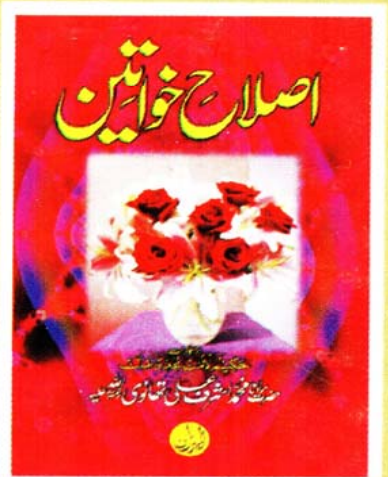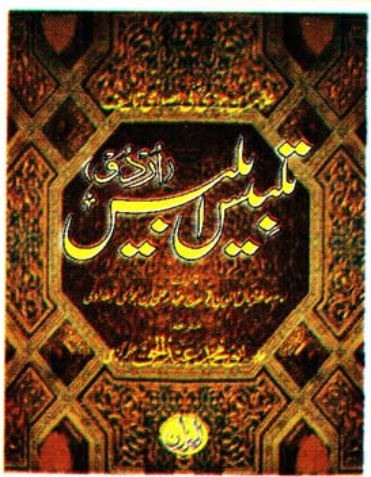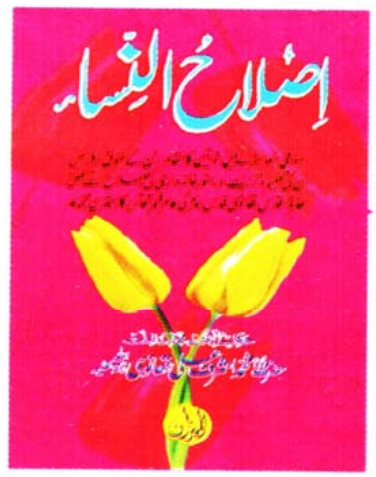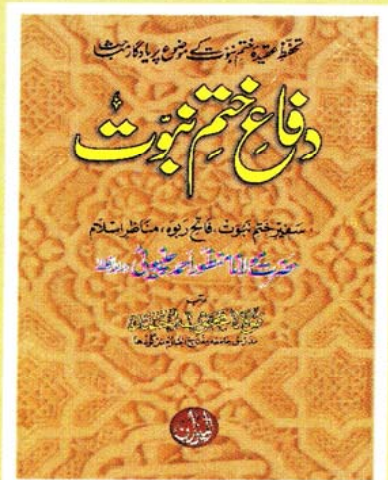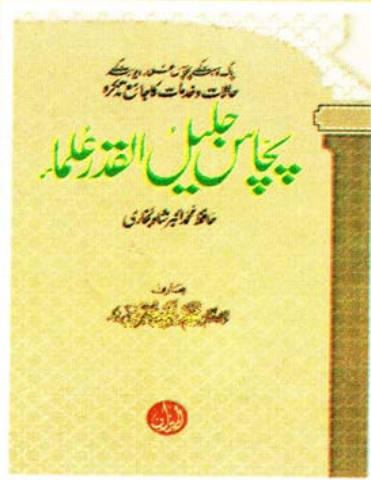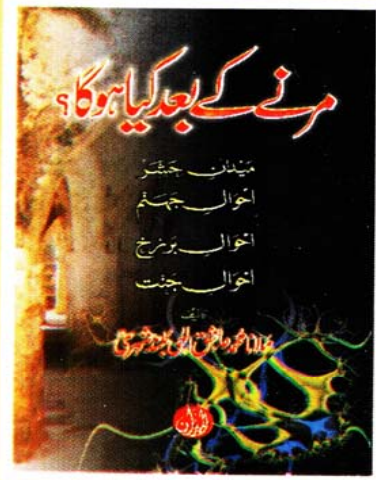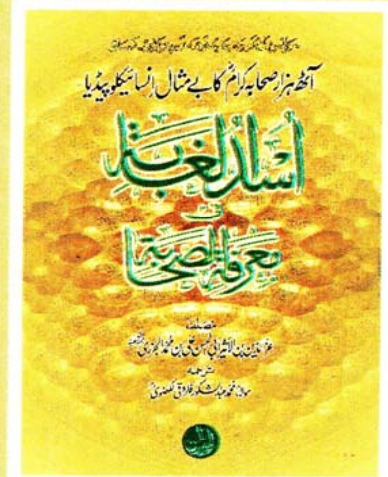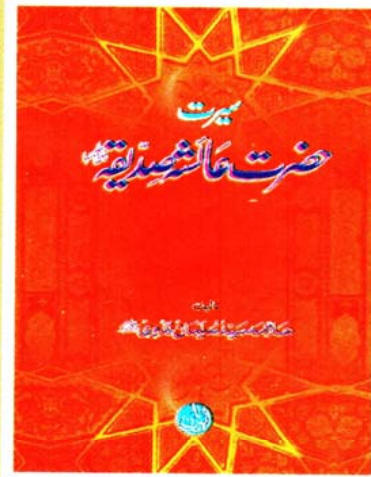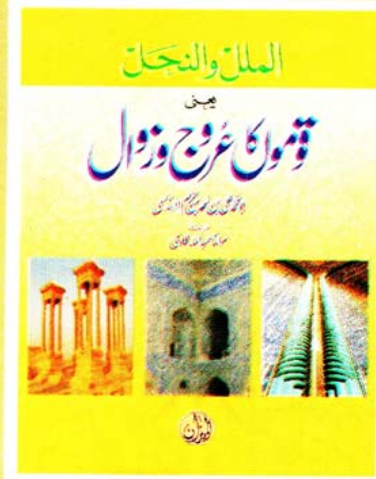
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان

Ph.:042-7122981, 7212762

E-mail: al.mezaan@gmail.com